انتساب

یہ سلسلہ نہایت فخر و مباہات کے ساتھ حسب

اجازت اعلیٰحضرت بندگانِ عالی متعالی ہز اگزالٹڈ

ہائنس آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ

نوّاب میر سر عثمان علی خاں بہادر

فتح جنگ جی سی ایس آئی، جی سی بی خلد اللہ ملکہ

و سلطانہ و ادام اقبالہ کے نامِ نامی و اسمِ سامی

کے ساتھ منسوب و معنون کیا جاتا ہے

هشت بہشت

فہرست مضامین

تمت بالخیر

التماس

فقیر کے جو خدمت کہ سپرد کی گئی تھی اُس میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کے متعلق صرف اسقدر گزارش ہی کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ چاہا اور جیسا کچھ چاہا وہی ہوا۔ اگر مضمون تشنہ ہی یا بیان ناقص تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا اکمال کسی اور کے قلم سے مقدر ہو چکا ہی۔ یہ سعادت جب کہ میرے حصّہ میں نہ تھی تو پھر اُس کا تکملہ میرے ہاتھوں سے کیونکر ہوتا۔ کوئی اللہ کا بندہ لکھ کر طالبین کی پیاس بجھا دیگا۔ فقیر گوشہ نشین بھی اُس سے استفادہ کر لیگا۔ اس کے بعد یہ گزارش ہی کہ پہلے محض تنقید ہشت بہشت کا کام سپرد ہوا تھا۔ اُس کے بعد کتاب کی تصحیح متعلق ہوئی۔ لیکن دل یہ چاہتا تھا کہ اس ایک کتاب کی تنقید مفصّل اور دیگر اصناف نظم پر خسرو علیہ الرحمہ کے ایک مجمل تبصرہ لکھا جائے۔ اور تبصرہ سے پہلے فارسی شاعری کے ادوار دکھائے جائیں

گو بعض اصحاب اس تبصرہ اور ادوار شاعری کے مضمون کو تنقید سے بے تعلق سمجھینگے لیکن کسی نہ کسی حیثیت سے اُن مضامین کا پیوند تنقید سے ضرور صحیح ہو سکتا ہی۔ میں اسی فکر میں تھا کہ شیدائے علم و فن و نقاد سخن **نواب حاجی محمد اسحٰق خاں** متع اللہ المسلمین بطولِ بقائہٖ نے بھی اس کی تحریک فرمائی۔

اُن حضرات کی خدمت میں جو کسی کتاب کی تنقید کا دائرہ اُسی کتاب میں محدود سمجھتے ہیں اور اُن کی تحقیق میں اُس سے سرِ مو تجاوز کرنا یا متعلقات سے بحث ایک ناقابل معافی گناہ ہی) یہ گزارش ہی کہ فقیر کو مورد عتاب نہ قرار دیں اور چین بجبیں نہوں حصص ماقبل کو چھوڑ دیں۔ اور صفحہ ۱۶۹ سے کتاب کا مطالعہ شروع فرمائیں۔ یہ بحث پھر بھی ہو رہیگی کہ تنقید کا کیا مفہوم ہے اور اُس کے اجزاء و لوازم کیا ہیں۔ اس وقت صرف اس ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں ؎

حافظ بخود نپوشید این خرقۂ می آلود ؎ ای شیخ پاکدامن معذور دار مارا

اب میں مخدوم قوم عالی جناب **نواب حاجی محمد اسحاق خاں** صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے اشفاق والطافِ گوناگوں نے مجھ جیسے ناکارہ وہیچ کارہ کو اس سعادت کا موقع دیا۔

اپنی حالت تو اس شعر کی مصداق ہے ؎

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درختِ سایہ دارم ؎ ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

ایک وجود معطل ہے جو کام کرنے سے ہمیشہ گریزاں و ترساں رہا۔ جبلۂ جو کاہل و سست طبیعت میں کبھی کسی کام کی ہمت ہی پیدا نہوئی۔ پھر ایسا مہتم بالشان کام جس کی نہ اپنے میں قابلیت نہ صلاحیت اس کے انجام کا کیا سامان تھا۔ لیکن ممدوح موصوف الصدر نے اپنے عنایاتِ بزرگانہ کے ایسے مینھ برسائے کہ کاہلی کے خوابِ گراں سے نفس کو مجبوراً بیدار ہی ہونا پڑا اور اپنی عادت کے خلاف کام کرنے پر یہ کہتا ہوا آمادہ ہوا ؎

بتے چوں ماہ زانو زد مئی چوں لعل پیش آورد ؎ تو گوئی تائبم حافظ ز ساقی شرم دار آخر

خسرو علیہ الرحمۃ کا کلام اور اس کے احیاء پر نواب صاحب جیسا علم پرور آمادہ و کمربستہ پھر سستی اور کاہلی! توبہ!! توبہ!!!

آخر کتاب کی تصحیح لغات کا حل مشکلات اشعار کی تشریح سب سے مقدم کی گئی اس کے بعد کتاب کی تنقید تمام کی۔ پھر مقابلہ کی سخت کشاکش سے فرصت ملی۔ اب ایک تبصرۂ اجمالی خسرو کی عام شاعری کے متعلق لکھا گیا۔ آخر میں مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر اپنے کار مفوضہ سے سبکدوشی پائی۔

لیکن تصحیح کا کام ہرگز انجام نہ پاتا اور اپنے دیگر خیالات خانہ تخیل سے ہرگز آگے نہ بڑھتے اگر ایک پیکرِ علم کی مدد فرمائی نہوتی۔ یعنی مولانا **محمد احتشام الدین** صاحب ایم اے سلالۂ خاندان حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں جہاں جذبات گوناگوں رکھنے والے اشخاص پائے جاتے ہیں وہاں یہ ایک وجود علم وفن کا والہانہ شیدا گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا مشرقی و مغربی مصنفین سے محققانہ مشورہ میں محو رہا کرتا ہے۔

یہ فقیر کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ ایسے مجسمۂ علم سے ابتدائے تعلق کالج سے آج تک مسلسل نیازمندی وارادت کا سلسلہ قائم ہے۔ اور اس جانب سے کرم فرمائی و ذرہ نوازی۔

کتاب بہشت کا پہلا نسخہ جو خاص کتب خانہ کالج کا تھا مجھے جس وقت ملا تو اس کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو کتاب اہل علم کی خدمت سے محروم رہی اور گروہ کملا کی صحبت اسے نصیب نہ ہوئی وہ ظاہرآرا صحبتوں میں پھنسکر سیرت کی خوبی کھو بیٹھی۔ طرفہ یہ کہ کالج کا یہ نسخہ کرم خوردہ بھی تھا جس کی ہر سطر میں کوئی نہ کوئی حرف یا لفظ کیڑوں کی نذر ہو گیا تھا۔

اب معلوم ہوا کہ یہ کتاب دوبار مطبع نولکشوری میں طبع ہوئی ہے۔ میں نے لکھنؤ اپنے عزیز دوست ملک محمد علی افضل بی اے کو اس کے بھیجنے کی تکلیف دی۔

ایک ہفتہ میں کتاب پہنچی شوق کے ہاتھوں لیا اور نہایت بیتابی سے تار نظر سطور پر پڑنے لگے لیکن دو ہی تین اشعار کے بعد جو ناامیدی کی تلخی محسوس ہوئی ہے اس کا کیا اظہار کیا جائے۔ خیال گذرا کہ شاید پہلا مطبوعہ نسخہ کچھ صحیح ہوگا اب اس کی تلاش ہوئی آخر وہ بھی ملا لیکن ایک سے دوسرا غلطی زیادہ پیش کرنے میں مستعد و آمادہ تھا۔

اب پھر خیال قلمی نسخوں کی طرف گیا ایک نہایت ہی نایاب نسخہ نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب نے اپنے خاص کتب خانہ سے عنایت فرمایا دوسرا نسخہ خمسہ کا بانکی پور لائبریری سے منگوایا۔ تیسرا کتب خانہ حبیب گنج سے حاصل ہوا اس کے بعد اور نسخے بھی رامپور، سہارنپور، حیدرآباد، دیوبند وغیرہ سے وقتاً فوقتاً ملتے گئے۔

قریب قریب ہر ایک نسخہ حسین نقش و نگار پاکیزہ حروف و نقاط سے آراستہ تھا لیکن جو جتنا حسین تھا اتنا ہی صحت سے بعید۔ چنانچہ بانکی پور کا نسخہ حسن خط میں لاجواب و بے مثل دیگر

اوصافِ ظاہری میں بھی بے نظیر لیکن ایسی فاش غلطیاں اُس میں قدم قدم پر ملتی تھیں کہ حسن
ظاہری بھی اُس کا بدنما معلوم ہونے لگتا تھا۔ غرض کتاب کی تصحیح کیا تھی چیونٹیوں بھرا کباب تھا۔
اگرچہ دس نسخے موجود تھے لیکن اُن کانٹوں میں سے پھول چننا میرے لیے نہایت ہی دشوار تھا
آخر اپنے اُسی کرم فرما شیدائی علم وفن کی طرف دستِ استمداد پھیلانا پڑا اور اُس علم دوست
نے بھی اپنے کرم کریمانہ سے اس سائل کے دامن کو اُمید سے کہیں زیادہ بھر دیا۔ تصحیح و مقابلہ
نسخ کا نہ صرف طریقہ بتایا بلکہ پانچ ماہ کامل تک اپنے مشاغل علمیہ کا ایک کثیر حصہ برابر تصحیح
و مقابلہ میں صرف کرتا رہا۔ میں حیران ہوں کہ اپنے مکرم کا کیونکر شکریہ ادا کروں جزاھم اللہ
خیرا لجزاء۔

کسی کتاب کی تصحیح واقعی طور پر جس نے کی ہوگی وہی سمجھ سکتا ہے کہ تصحیح کا کام کسقدر اہم
ہے۔ کامل برس روز کی محنت کا نتیجہ ہے جو آج ہشت بہشت کا صحیح نسخہ ناظرین کے ہاتھوں میں
ہے۔ کاپی و پروف تین تین اور چار چار بار دیکھے گئے ہیں جس میں ہمارے عزیز طلبائے کالج کی یاوری کا
بہت بڑا حصہ ہے۔ خاصکر سید منظور حسن و سید وصی احمد رضوی متعلم بی اے کلاس و حافظ غلام غوث
کا میں تہِ دل سے دعاگو ہوں کہ ان عزیزوں نے نہایت گراں بہا امداد کی ہے۔

منیجر مطبع مولانا محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی کا بھی دل سے شکرگزار ہوں جنہوں نے
کاپی و پروف کی تصحیح میں بہت مبالغہ سے محنت کی ہے۔ جو دیدہ سوزی و عرق ریزی کہ مولانا
محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی نے فرمائی ہے کوئی منیجر مطبع تو کیا کر سکتا ہے بعض مالک مطابع و مصنفین
و مولفین بھی اس دماغ کاوی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

اب باوجود اس سعی و کوشش کے اگر نقاط و حروف یا مرکز کی کوئی غلطی رہ گئی ہو
تو وہ بشریت کا اقتضا ہے۔ حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ یقینی طور پر وہی الفاظ ملجائیں
جو خسرو علیہ الرحمہ کے قلم سے نکلے ہیں۔ اصح و انسب الفاظ متن میں رکھے گئے ہیں اختلاف نسخ
علامت ن دیگر فٹ نوٹ میں لکھ دیئے گئے ہیں ت نشان حل کا ہے اور ن نسخہ کی علامت ہے۔

سہولت کے لیے ہندسہ بھی دے دیا گیا ہے۔ جس نسخہ کا لفظ فٹ نوٹ میں لیا گیا ہے وہاں اُس کا حوالہ بھی حرف اوّل سے دیدیا گیا ہے۔ مثلاً ج علامت کتب خانہ جہانگیرآباد ریاست نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ح علامت کتب خانہ حبیب گنج ریاست مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی۔ ر علامت رام پور۔ س علامت سہارن پور۔ ب علامت کتب خانہ بانکی پور وغیرہ

خسرو علیہ الرحمہ کی تصنیفات تصحیح و تنقید کی لئے چھ سو برس سے ان باہمت علم دوست حضرات کی منتظر تھی یتیمی ایسا داغ ہے جس سے سینکڑوں داغ اور بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ خسرو علیہ الرحمہ جب سایۂ بے پدری میں آئے تو اُنکے نانا عماد الملک نے کنارِ عاطفت میں لے لیا اور اُن کی تربیت و نگرانی میں یہ پودا نہالِ کمال بن کر پھولا اور پھلا۔

لیکن اُن کا کلام جو معنوی اولاد کہلانے کا اصل مستحق تھا سایۂ خسروی سے محروم ہوا تو کسی نے ان یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ نہ رکھا آخر نساخوں اور کاتبوں کی بیدرد صحبت میں ایسے پھنسے کہ اپنے اصلی اور دلکش جوہر کو کھو بیٹھے حتیٰ کہ جوہر شناس اور نکتہ رس نگاہیں صحت و سقم کی تمیز میں مضطر و پریشان ہو گئیں۔

خدائے پاک نواب عماد الملک سید بلگرامی کا بھلا کرے جن کی علم دوست نگاہوں نے خسروؒ کے فرزندانِ معنوی کو اس خستہ و خراب حالت میں دیکھکر اُن کی تہذیب و تربیت کا خیال کیا لیکن یہ خیال خانۂ تخیل سے آگے نہ آتا اگر شاعری اور کمال کے اصلی وارث نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب آنریری سکریٹری مدرسۃ العلوم علی گڑھ کمربستہ و آمادہ نہ ہو جاتے۔

اس طرح کے علمی کام کا جنھیں اتفاق نہیں ہوا ہے وہ تو اُن انتھک اور حوصلہ شکن صبر آزما کوششوں کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر کسی کو اس دورِ ایام میں اس قسم کے کام کرنے کا اتفاق پڑا ہے تو وہی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ اہلِ علم کی تلاش اُن کی طرح طرح کی نازبرداریاں اور پھر نتیجہ نفی میں دیکھکر کسی اور کی جستجو میں سرگرداں پھرنا، پیہم مایوسیوں سے نہ تھکنا اور سعی کا مسلسل جاری رکھنا کسقدر اہم و معرکۃ الآرا ہے۔

زمانے کا دستور ہی باغ عالم میں دورِ خزاں کے بعد فصلِ بہار ضرور آتی ہی خوابِ غفلت میں تنگ لباسوں کے مسکنے اور آنکھ کے کاجل پھیل جانے اور زلف تا کمر رسیدہ کے اُلجھنے سے جو بے ترتیبی پیدا ہو جاتی ہی نیند کھلنے کے بعد دوسری کپڑوں کا بدلنا کاجل کا پوچھنا بالوں کا سلجھانا کچھ اور نکھار پیدا کر دیا کرتا ہی جس پر حُسنِ خداداد کے سوا مشاطہ کی سحر آفرینیاں اور بھی ستم ڈھاتی ہیں۔ حضرت خسرو کے کلام پر جیسے تیمی کی گرد نے غازۂ جمال بنکر اور بھی چمکا دیا تھا زمانہ کی غفلتوں اور اہلِ کمال کی انقلابی صعوبتوں نے اُنھیں بہت کچھ قابل آراستگی بنا رکھا تھا جس کا مخصوص شرف خدا نے **نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب** کے لیے ازل میں ودیعت کر رکھا تھا۔ طباع کا حُسنِ صورت اور تصحیح کا حُسنِ سیرت، تنقید کا ہر ہفت کرنا یہ وہ چیزیں ہیں کہ لطائف معنوی اگر اہل مذاق کے دل موہ لینگے تو صفائی طبع و عمدگی خط و کاغذ اربابِ بصر کو بھی متحیر کرنے میں کمی نہ کرینگے۔ اب اُس ارحم الراحمین سے یہ دعا ہی کہ خدا اپنے اُن بندوں کی اُن علمی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائے جنھوں نے اُس میں کسی نہ کسی طرح کی معاونت کی ہی۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

یا رب از جنس ما چہ خیر آید
تو کرم کن کہ رب ارباب

حررہ بقلمہ
فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ
بہار شریف
محلہ میرداد
ضلع پٹنہ

۱۲ ذوالقعدہ ۱۳۳۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

مقدمہ

شاعری

مدارجِ نطق کائنات کا ایک ایک ذرہ جس طرح قانونِ ارتقا کا پابند ہے اسی طرح زبان بھی آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ اپنے مرتبۂ کمال تک پہنچتی ہے۔ ایک طفلِ شیرخوار جب اپنی زبان کھولتا ہے اگر اس کی گویائی کی تدریجی ترقی کی طرف ایک حکیمانہ نگاہ ڈالی جائے تو یہ فلسفہ بہت اچھی طرح حل ہو سکتا ہے کہ قانونِ ارتقا کی ہمہ گیری کس طرح زبان کے کامل بنانے میں جاری ہے۔

ابتدا میں بچے جب نطق سے زبان آشنا ہوتے ہیں اور اپنے جذبات اور خواہشات کا اظہار اپنے تکلّم سے کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت اُن کی کمزور زبانیں جن کے

پاس اظہار مدعا کے وسائل محض برائے نام ہوتے ہیں، صرف چند حروف پر اکتفا کرتی ہیں مثلاً
اگر بھوک نے انھیں بیتاب کر دیا ہی اور دودھ پینے کی طرف طبیعت مضطر ہی تو صرف لفظ "دُودُو"
کا شور مچاتے ہیں اور روتے جاتے ہیں۔ اگر پیاس نے تڑپا دیا ہی تو "مم مم" کہتے جاتے ہیں اور
بلبلاتے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر ماں کی آغوش شفقت نے یاد آکر بیکل کر دیا ہی یا باپ کے کنار عاطفت میں راحت
پانے کو جی چاہا ہی تو "مَم بَ بَ" کہکر اپنی دلی تمنا کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے دو
باتوں کا پتہ چلتا ہی ایک تو یہ کہ جو چیزیں قریب تر ہوتی ہیں اور جن کی طرف حاجت مضطر
کرتی ہی سب سے پہلے وہی چیزیں خیال میں آکر الفاظ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ دوسرے
یہ کہ ابتدائے امر میں جب کہ اظہار خیال پر اس قدر قدرت بھی نہیں ہوتی کہ اپنے مطلوب و
مرغوب کا کم از کم نام ہی بتا دیں تو اُس وقت اُس کمی کو اپنے حرکات و افعال سے پورا
کرتے ہیں۔

اب وہی لڑکا ذرا بڑھتا ہی زبان میں اُس کے طاقت کچھ زیادہ ہوتی ہی والدین و
دیگر اہل خاندان کے گفتگوئیں پیہم اُس کے کانوں میں پُہنچتی رہتی ہیں۔ اُس وقت
اُس کی قوتِ آخذہ اشیاء کے اسما سیکھ لیتی ہی اور اب وہ بچّہ حروف کے بجائے اظہارِ مطلب
میں اسما استعمال کرتا ہی۔ لیکن اس کے ساتھ نہ فعل ہوتے ہیں اور نہ حروف کا انضمام
ہوتا ہی۔ اگر ماں یا باپ کے متعلق اُسے کچھ کہنا ہی یا خود اُنھیں متوجہ کرنا ہی تو صرف "اماں"
اور "ابا" کا پیارا لفظ اُس کی زبان سے نکلتا ہی۔ پھر کچھ اور بڑھتا ہی اور اب اسمائ کے ساتھ
افعال بھی ملاتا ہی "اماں آؤ" "ابا جاؤ"۔ اس کے بعد سنِ تمیز کو پُہنچکر اسما، افعال و حروف

سے کامل مرکب جملے اُس کے مُنھ سے ادا ہوتے ہیں۔ تاہم ہنوز اس کے جملوں میں الفاظ کی نشست صحیح نہیں پائی جاتی ہے۔ تلفظ میں ہمواری پیدا نہیں ہوتی ہے۔ موقع و وقت کی مناسبت سے اس کی باتیں نہیں ہوتی ہیں۔ اُس کے خطاب کرنے میں فرق مراتب پایا نہیں جاتا۔ لیکن وہ اب تعلیم پاتا ہے، بزرگوں کی صحبت سے مستفیض ہوتا ہے۔ مختلف مدارج و حیثیات کے انسانوں سے اسے ملنا پڑتا ہے جن میں کوئی استاد ہے، کوئی دوست ہے، کوئی باپ ہے، کوئی بزرگ ہے اور کوئی خادم ہے۔ غرض ہر ایک کا اندازِ خطاب و تکلم مختلف دیکھتا ہے جس کے مطابق اپنی گفتگو میں اصلاح کرتا جاتا ہے۔ کچھ کتابوں کی تعلیم اور کچھ عملی زندگی کا سبق مل جل کر اس کی اس کمی کو پورا کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جوان ہو کر اب وہ فرق مراتب بھی اپنے کلام میں قائم کرتا ہے اور موقع و مصلحت کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

جس قدر تعلیم کا دائرہ وسیع اور مہذب و شایستہ صحبتوں کا اثر قوی ہوتا جائے گا اُسی قدر اُس کے الفاظ میں قوت، جملوں میں زور کلام میں حسن و دل آویزی بڑھتی جائیگی اور جس قدر الفاظ کے ذریعہ سے خیال کی ترجمانی پر قدرت بڑھتی جائیگی اُسی قدر حرکات (جو اب تک ادائے مطلب کے ایک عنصر اعظم تھے) کم ہوتے جائینگے اور اُن میں بھی ایک معتدل شایستگی و شان پیدا ہو جائے گی۔

اس تمہید کا مدعا یہ ہے کہ جس طرح ایک بچّے کی زبان آہستہ آہستہ تمدن و تعلیم و تربیت کے سہارے درجۂ کمال کو پہنچتی ہے یہی حال ہر ایک ملکی زبان بلکہ بنی نوع انسان کی زبان کا ہے۔ انسان میں جذبات رکھے گئے ہیں اس میں قوتِ متخیلہ کا خزانہ ودیعت کیا گیا ہے وہ

تاثیر و تاثر کا مجسمہ بنایا گیا ہے۔ گرد و پیش کی چیزیں اُس کی حاجت روائی کے لئے پیدا کی گئی ہیں پس وہ ابتدا میں خیالات کی مصوری اپنے حرکات اور غیر موضوع الفاظ سے شروع کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے تعلیم و تمدن اُس میں آتا جاتا ہے وہ الفاظ وضع کرتا ہے اور ہر مفہوم و ہر شے کے لئے ایک اسم قرار دیتا ہے۔ جب لفاظ کا ذخیرہ کافی ہوجاتا ہے اور نازپروردگی بڑھ جاتی ہے تو اُس وقت الفاظ کے قالب پر نظر کی جاتی ہے۔ نفاستِ طبع الفاظ کی درستگی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اب اُن کی ثقالت و خفّت دیکھی جاتی ہے، اختصار مطبوع خاطر ہوتا ہے غرض اسی طرح باہستگی زبان میں لطافت و روانی پیدا ہوجاتی ہے اور خیالات کی دھندلی تصویر الفاظ کے آئینہ میں اپنا جلوہ دکھانے لگتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان خیال کا آئینہ ہے، مگر کچھ زنگ آلود۔ انسان چاہتا ہے کہ خیالات و جذبات کی کامل ترجمانی الفاظ سے ہوجائے، مگر نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم، تہذیب، اخلاق، تمدن و سیاست اگر سب مل کر اس کی مدد کریں تو بہت کچھ اس آئینہ کا زنگ دور ہوجاتا ہے لیکن حرکاتِ اعضائے و جوارح کے بغیر اس تصویر کے خط و خال واضح طور پر نمایاں نہیں ہوتے۔ الغرض انسان کی یہ کوشش کہ خیالات یا جذبات کی بعینہٖ و بجنسہٖ تصویر الفاظ کے قالب میں منعکس ہوجائے ایوانِ شاعری کے در کی کنجی ہے۔

شعر اور شاعر موزوں و مناسب لفاظ میں جو حقایق کی تصویر کشی کی جاتی ہے وہی شاعری کی سنگِ بنیاد ہے۔ شاعر خیالات، جذبات، کیفیات، محسوسات و معقولات کو چوں کہ اپنے بیان سے اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ سُننے والوں کے سامنے اُس کا نقشہ کھنچ جاتا ہے دلوں پر

کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس لئے اُسے شاعر کہتے ہیں۔ اب جس قدر کلام میں یہ وصف زیادہ ہوگا اُسی قدر اُس کی شاعری کامل سمجھی جائیگی۔ لفظ شاعر کا مادّہ (یعنی حروفِ اصلیہ) ش ع ر ہیں یہ مادّہ جہاں جہاں پایا جائے گا اُس میں ظہور کے معنی کا لحاظ ضرور ہوگا۔ اس لئے عربی میں بال کو شَعر کہتے ہیں جو جسم پر ظاہر ہوتے ہیں جسم سے اوپر جو کپڑا پہنا جائے اُسے شعار کہتے ہیں۔ حواس جو قوتِ مدرکہ کے سامنے موجودات کو ظاہر کرتے ہیں اُنھیں مشاعر کہتے ہیں۔ وہ کلمات جو خیال کے لئے صاف آئینہ ہوں اور واضح شکل میں خیالات کو ظاہر کریں وہ شعر ہیں۔ اسی بنا پر وزن و قافیہ کو بعضوں نے شعر کی حقیقت سے خارج رکھا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ شعر کے یہ اجزا ہیں بھی نہیں، بلکہ اُس کے شرائط ہیں۔ مثلاً ؎

اکھتر بہتر تہتر چوہتر   پچھتر چھہتر ستتر اٹھتر

دیکھو اس میں وزن و قافیہ موجود ہے، لیکن اسے شعر کہنا کیا حماقت نہیں؟

اجزا، لوازم و شرائطِ شعر | پس باعتبارِ حقیقت شعر کے دو اجزا ہیں، دو لوازم ہیں، اور دو شرائط ہیں محاکات و تخییل اجزا ہیں اکثارِ الفاظ و مطالعۂ صحیفۂ کائنات لوازم ہیں وزن و قافیہ شرائط ہیں۔

۱۔ محاکات | محاکات کے معنی نقالی ہیں یعنی جو واقعہ جس طرح دیکھا جائے یا سنا جائے یا جو اثر و کیفیت کہ دل پر گزرے اُس کو اس طرح ادا کر دیا جائے کہ غائب اُسے سن کر اپنے کو حاضر سمجھنے لگے۔ لیکن صرف اسی قدر شعر ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ مثلاً ؎

چشمانِ تو زیرِ ابرو انند   دندانِ تو جملہ در دہانند

۲۔ تخییل | بلکہ محاکات کے ساتھ تخییل کا انضمام بھی لابد و ضروری جز ہے، تاکہ شعر تک بندی کا

مصداق نہو۔ مثلاً خسرو اُس حالت کو بیان کرتے ہیں جب کہ برسات میں پانی برستا ہے۔ اور
درختوں کی لچکدار شاخیں پیہم پانی اور ہوا کے جھونکوں سے جھک جھک جاتی ہیں زمین پر
پانی بہتا ہوتا ہے اور ان شاخوں کا لچکنا ایک خاص لطف پیدا کرتا ہے۔ اس منظر کو امیر خسرو شاعرانہ
تخیل کے ساتھ یوں دکھاتے ہیں ؎

نگوں سر شاخہاے سبز گوئی در ہمی پیچد　　　زبس کابر دُر افشاں لولوے غلطاں ہمی بارد

یعنی سبز شاخیں جو زمین پر جھکی پڑتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابر نے جو بے انتہا موتی
برسائے ہیں اُن کے رولنے کو جھکی جاتی ہیں۔ یا مثلاً ایک عاشق جو اپنے محبوب کی ایک ایک ادا
پر مٹا ہوا ہے اور اُس کی نزاکت و لطافت پر والہانہ فریفتہ و شیدا ہے وہ کاغذ کے اُن چاک شدہ
ٹکڑوں میں بھی ایک لطافت محسوس کرتا ہے جسے اُس کے معشوق نے ریزہ ریزہ کر دیا
ہو۔ اب وہ اپنے اس لطیف کیف کی حکایت کرتا ہے ؎

ہر کجا برگِ گلے افتادہ بینم در رہت　　　از تو پارہ کردنِ مکتوب یاد آید مرا

یعنی اگر گلاب کی پتیاں کہیں بکھری ہوئی ہیں دیکھ لیتا ہوں تو مجھے مکتوب کے وہ ٹکڑے
یاد آجاتے ہیں جو تیرے ہاتھوں سے چاک ہو کر برگِ گل جیسے نازک و خوشبو ہو جاتے ہیں

۳۔ اکثارِ الفاظ و مطالعۂ صحیفۂ فطرت | لیکن تخیل و محاکات اُس وقت تک اپنا فرض پورا نہیں ادا
کر سکتے جب تک اُن کے پاس الفاظ کا کافی ذخیرہ نہو، تاکہ نازک سے نازک پہلو بھی واقعہ
کا قلت الفاظ کے سبب چھوٹ نہ جائے یا لطیف سے لطیف جذبہ صرف الفاظ کی
کم یابی کے نذر ہو کر ظاہر ہونے سے نہ رہ جائے۔ جیسے کہ بہار کا موسم جس نے دیکھا نہو

یا اُس وقت جو سرورومستی کہ دلوں پر چھا جاتی ہے اُس سے لذت آشنا نہو تو پھر بہار کے متعلق اُس کی شاعری کیا ہوگی مُنہ چڑھانا ہوگا۔ اور اگر لفظ کی بھی کمی ہو تو پھر بہار کا نقشہ کھینچنا بالکل ہی ناممکن ہوجائے گا پس حکایت و تخیل کے لئے اکثار الفاظ و مطالعہ صحیفہ کائنات لوازم میں سے ہیں۔

۴۔وزن وقافیہ اب جب کے کلام میں حکایت و تخیل مع اپنے لوازم کے پائے جائیں تو اُس وقت وزن وقافیہ کا ہونا بھی ایک ضروری شرط ہے اس لئے کہ جس اسلوب میں ایک قادر البیان فصیح اللسان اپنا کلام مخاطب کے سامنے پیش کرتا ہے جب اُنھیں اسلوبوں میں وزن کی کھچاوٹ اور قافیوں کا تناسب پایا جاتا ہے تو کلام شعر کے سانچے میں ڈھل کر مخاطب کے لئے ایک نوع کا تعجب اور تعجب کے ساتھ خوشی پیدا کر دیتا ہے، اور یہی مخاطب کے دل کی شگفتگی متکلم کے خیالات کا کامل نقش دل پر بٹھا دیتی ہے۔ مثلاً پانی برس رہا ہے عاشق سے معشوق رخصت ہو رہا ہے مدتوں بعد جو لذت دیدار ملی تھی یوں ہاتھ سے جا رہی ہے عاشق کی آنکھیں بے اختیار بہ نکلتی ہیں۔ جذب کامل و محبت صادق رنگ لاتی ہے معشوق کی دل پر بھی اس فراق کا صدمہ گزرتا ہے۔ اسی کو امیر خسرو یوں کہتے ہیں ؎

ابر باران و من و یار ستادہ بوداع　　　　من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

شعر کیا ہے واقعہ کی ایک بولتی تصویر ہے۔ ہم نثر میں ادا نہ کر سکے اور خسرو نے ایک شعر میں ادا کر دیا۔ ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ اُس حالت و کیفیت و موقع کا لحاظ کرو۔ اور پھر شعر کی بلاغت کو دیکھو۔ بہر حال محاکات، تخیل، اکثار الفاظ مطالعہ صحیفہ کائنات، وزن وقافیہ شعر کے لئے

یہ امور بمنزلہ شئہ ضروریہ ہیں جن کے بغیر شعر کامل نہیں ہو سکتا لیکن کلام ایسا ہو جس میں جابجا بجلیاں کوندتی نظر آئیں اور اُس کی ہر تجلی دلوں کو تڑپا دینے والی ہو اس کے لئے صرف شعر کا مجسمہ ہیولانی ہی کافی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ چند اور جزئیات ہیں جن کی رعایت شعر کے حسن کو نکھار کر دل آویز و دل پذیر بناتی ہے۔ اور یہی ایک باکمال شاعر کی آخری منزل ہے اور بڑی کڑی منزل ہے۔ وہ چار چیزیں ہیں بلاغت، سلاست، اصلیت اور جوش۔

بلاغت

بلاغت تو یہ ہے کہ کلام وقت اور حال کے مطابق ہو۔ انسان میں گوناگوں خیالات و جذبات پائے جاتے ہیں کبھی غم و غصہ ہے اور کبھی مسرت و مہربانی ایک وقت بیتابی و بیقراری ہے تو دوسرے وقت راحت و سکون کبھی مستی و بیہوشی ہے اور کبھی باخودی و ہوشیاری بس جس حالت و کیفیت کا بیان ہو کلام اگر اُس میں اس طرح ڈوبا ہوا ہو کہ کہنے والا کہہ رہا ہے اور سُننے والے کی آنکھوں کے سامنے اُس کا نقشہ کھنچا جاتا ہے تفصیل کی جگہ وضاحت ہے اور اجمال کی جگہ اختصار تو وہ کلام بلیغ کہا جائے گا۔ اور اسی کو بلاغت کہتے ہیں۔

سلاست

سلاست کے یہ معنی ہیں کہ الفاظ وہ ہوں جو روزمرہ کے استعمال میں ہوں۔ محاورہ وہ ہو جو عام طور پر زبانوں پر جاری ہو۔ استعارہ و تشبیہ ایسے ہوں کہ سامع کا ذہن فوراً اُس طرف منتقل ہو جائے۔ اضافات کی کثرت و پیچیدگی نہ ہو۔ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ ہر شخص اپنے فہم و مرتبے کے مطابق برابر کا لطف اُٹھائے۔ اسی مضمون کو خاتم الشعرا غالب دہلوی نے کہا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا ۔۔۔ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

صاحب عقد الفرید شعر کے محاسن بیان کرتے ہوئے آخر میں قول فیصل یہ لکھتے ہیں کہ اس باب میں سب سے بہتر زہیر ابن سلمیٰ کا قول ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

وَاِنَّ اَحْسَنَ بَیْتٍ اَنْتَ قَائِلُہٗ　　بَیْتٌ یُّقَالُ اِذَا اَنْشَدْتَہٗ صَدَقَا

یعنی سب سے بہتر وہی شعر ہے کہ جب تو اُسے پڑھے تو سُننے والا بے اختیار کہہ اُٹھے کہ سچ کہا۔ یہی شعر ایک جگہ حضرت حسّان انصاری کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے جس سے اس رائے کی موافقت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن فقیر کے خیال میں بہترین فیصلہ ابن رشیق کا ہے۔ سلاست شعری کی جو تصویر اُس کے قلم نے کھینچی ہے اُس سے بہتر ناممکن ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

فَاِذَا قِیْلَ اَطْمَعَ النَّاسَ طُرًّا　　وَاِذَا رِیْمَ اَعْجَزَ الْمُعْجِزِیْنَا

یعنی جب شعر پڑھا جائے تو اُس کی سلاست و سادگی سے ہر شخص کو یہ طمع ہو کہ ایسا میں بھی کہہ سکتا ہوں، لیکن جب کہنے کا قصد کریں تو ادنیٰ اور اوسط کا تو کیا ذکر ہے معجز بیان بھی عاجز آجائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابن رشیق کا یہ فیصلہ فیصلۂ ناطق ہے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ مفتی صدرالدین مرحوم آزردہ کے مکان پر مومن خاں، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ وغیرہ کا مجمع تھا۔ کسی نے انھیں میں سے میر کا یہ شعر پڑھا ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے　　دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

ہر ایک نے قلم ہاتھ میں اُٹھایا کہ جواب اس کا لکھیں لیکن گھنٹوں گزر گئے اور قلم نے ہاتھ سے صفحۂ کاغذ تک آنے کی جرأت نہ کی۔ اسی عرصہ میں کوئی دوسرے بے تکلف دوست آگئے اُنھوں نے ایک مجمع سراپا محو استغراق دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ مومن نے کہا ہاں قل ہو اللہ کا جواب لکھنا چاہتے ہیں

اصلیت | اصلیت کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز کا بیان ہو وہ باعتبار واقعہ یا شاعر کے عندیہ میں یا مخاطب کے عقیدے میں ویسا ہی ہو جیسا کہ اُس کے الفاظ اُس کو کہہ رہے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہی تو کلام کا اُس قدر نقص اُسے بے اثر بنا دے گا۔

جوش | جوش کے یہ معنی ہیں کہ شعر کو سنکر یہ اثر پیدا ہو کہ مضمون نے شاعر کو مضطر کر دیا ہے شاعر مضمون نہیں لایا ہی۔ یہ وہ امور جزئیہ ہیں جن سے شعر کا آب و رنگ کھلتا ہی۔ اور زبان و سے نکل کر دلوں کو تڑپا دیتے ہیں

فارسی شاعری

اقسام شاعری | اب آئیے فارسی زبان کے نشو و نما اور فارسی شاعری کے اوجِ کمال پر ایک نظر ڈالیں کتابوں میں زبان فارسی کی سات قسمیں پائی جاتی ہیں۔ فارسی، دری، پہلوی، ہروی سگزی، زاولی، سغدی۔ ہمارے مصنفین جب ان زبانوں کی حقیقت بیان کرتے ہیں تو اُن کا اضطراب عجیب عجیب پہلو سے کروٹیں لیتا ہی۔ حالانکہ بات صرف اس قدر ہی کہ یہ تقسیم کچھ تو باعتبار اُن ملکی خصوصیات کے ہی جو بعض بعض حصص ملک میں پائے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو شہر اور دیہات کی وجہ سے ہوئیں مثلاً ملک ہندوستان کو لو۔ یہاں ایک زبان تو وہ ہی جو تقریباً تمام ہندوستان میں سمجھی جاتی ہی اور جس سے کاروبار میں، لین دین میں، تبادلہ خیالات میں کام لیا جاتا ہی۔ اُسے تھوڑی دیر کے لئے اُردو کہہ لیجئے لیکن جب اس کو باعتبار حصص ملک یا شہر اور گاؤں کے آپ تقسیم کیا چاہیں گے تو بے شمار اُس کی قسمیں پیدا ہو جائنگی کلکتہ کی اُردو کو دہلی کی اُردو سے کیا مناسبت اور بمبئی کی زبان کا لکھنؤ کی اُردو سے کیا علاقہ۔

اُردو زبان دہلی میں پیدا ہوئی اور ہی جگہ اس نے نشو و نما پایا اپنے آخر عہد میں یہ لکھنؤ پہنچی اس لئے یہ کہنے کا حق ہے کہ اُردو وہی ہے جو ان دونوں شہروں میں بولی جائے لیکن اگر اُردو ایک نئی زبان نہوتی تو کیا ملک کے مختلف گوشے کچھ اپنی خاص خصوصیت نہ رکھتے۔

یہ ہر زبان کا قاعدہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے بُعد مسافت سے کچھ کچھ متغیر ہوتی جاتی ہے۔ عربی زبان جو نہایت ہی کامل زبان ہے اُس کو دیکھئے یہی اختلاف آپ کو وہاں بھی نظر آئے گا۔ اہل عرب جہاں باعتبار قبائل آپ کو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ملیں گے وہاں اُن کے محاورے الفاظ بلکہ حروف تہجّی کے اصوات و تلفظ میں بھی ایک علیحدہ شان ہوگی پس یہی حال ایران کے اقسام ہفت گانہ زبان کا ہے۔ عہدِ قدیم میں فارس کا علاقہ کنارۂ جیحون سے فرات تک اور باب الابواب سے کنارۂ عمّان تک پھیلا ہوا تھا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ملک کا علاقہ جب اس قدر وسیع ہو تو ہر وہ گوشۂ ملک جو دوسرے ملک کے ٹکڑے سے پیوستہ یا قریب ہوگا یا جن غیر ممالک کے باشندوں سے معاشرتی کاروبار میں سابقہ رہتا ہوگا اُن کی زبان کا اثر اس گوشۂ ملک کی زبان پر ضرور پڑیگا۔ پھر اُس کے ساتھ ہی ایک ایسی عام زبان ملکی ہوگی جو ہر گوشۂ ملک میں سمجھی جا سکے یا بولی جا سکے۔ اب خیال فرمائیے۔

فارسی تو وہ زبان ہوئی جو تمام ملک میں بولی جاتی یا سمجھی جاتی تھی۔

پہلوی بیرونِ شہر کی زبان تھی اس میں قصبات و دیہہ و درۂ کوہ کے باشندے متفق اللسان تھے۔

دری دربار کی زبان تھی جس میں صفائی اور نزاکت حروف کو گھٹا بڑھا کر پیدا کی گئی تھی

زاؔولی قندھار و غزنی و زابلستان کی گفتگو کا نام ہے۔

سگزی۔ یہ وہ زبان ہے جو سیستان میں بولی جاتی تھی۔ عہدِ قدیم میں سیستان کا نام سگزی تھا۔

سغدی۔ سمرقند کے قرب و جوار میں سرسبز و شاداب قطعہ پر ایک نامور اور آباد شہر تھا یہ زبان اُس شہر کی طرف منسوب ہے۔

ہرَوی ہرات و ماژندران کی زبان ہے۔

قدیم و جدید زبان | جسے عہدِ قدیم کی فارسی زبان دیکھنے کا شوق ہو وہ ژند و پاژند و دساتیر کو دیکھے۔ ان کتابوں کے جو فقرات یا کچھ حصص ملتے ہیں اُن کو جب عہدِ جدید کی فارسی سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو صاف طور پر دکھائی دے جاتا ہے کہ یہ لفظ کیوں کر کیا سے کیا ہوتے گئے محض تفننِ طبع کے طور پر ہم پانچ چار لفظ لکھے دیتے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سخندانِ فارس

فارسی	پہلوی	ژند	پاژند
انبار	انبار	ہاں بار	انبار
شرم	شرم	فشارما	شرم
ناسپاس	اسفاس	.	ان سپاس
اکنوں	اکنی	.	اکنین
خان	خوانو	.	اخان

انھیں چند لفظوں کو دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ تعلیم تہذیب تمدن و سویلیزیشن اس طرح

آہستہ آہستہ زبان میں تصرف کرتے رہتے ہیں کہ ایک صدی کے اولٹ پھیر کے بعد زبان کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ اہل شہر اور ارباب علم کی زبان صفائی اور لچک رکھتی ہے۔ قریہ و دیہہ کے باشندے اپنی زبان میں سختی اور لہجے میں درشتی رکھتے ہیں ان کی ضرورتیں تھوڑی ہوتی ہیں اور ضرورت کی پوری کرنے والی چیزیں ضرورت سے بھی کم خیالات محدود، واقفیت کا دائرہ بہت ہی چھوٹا اس لئے الفاظ کا ذخیرہ بھی ان کی زبانوں میں قلیل ہوتا ہے۔ لیکن ان کی خالص ملکی زبان ہوتی ہے۔ اس لئے شعرائے ایران کبھی کبھی پہلوی زبان کی مدح کا راگ گاتے ہیں۔ چوں کہ وہ اصلیت پر قائم ہیں شہر کے باشندے تمدن کے گہوارے میں زندگی بسر کرتے ہیں، ناز پروردگی و تنعم ضروریات روز افزوں کرتی رہتی ہے تبادلۂ خیالات سے دماغ میں وسعت پیدا ہوتی ہے، علمی مضامین صیقل و جلا کرتے رہتے ہیں۔ اسی سے الفاظ کا اکتنا رہوتا ہے اور اُن میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔ پس شعرا جب زبان کی لطافت و نزاکت کا خیال کرتے ہیں تو دری زبان کی ثنا میں رطب اللسان پائے جاتے ہیں۔ نظامی فرماتے ہیں ؎

نظامی کہ نظم دری کار اوست　　　چنیں نظم کردن سزاوار اوست

اُردو کی مثال اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہندوستان کی سرزمین میں جب اُردو پیدا ہوئی ہے اُس وقت کے الفاظ کو دیکھئے پھر جو اُن میں تغیر پیدا ہوا اُس کو دیکھئے مثلاً سوں بجائے سے۔ ہمن کو بجائے ہم کو۔ نمن بجائے طرح یا مثل۔ بھیتر بجائے اندر اسی طرح جب انگریزی سلطنت مع اپنے تمدن و علوم کے ہند پر حکومت کرنے لگی تو کتنے لفظ نئے داخل ہو کر اُردو کے وسیع کرنے والے ہوئے اور کتنے الفاظ کے مفہوم و معنی

متغیر و متبدل ہو گئے مثلاً گلاس، لالٹین، فلالین، کوچبان وغیرہ یہ سب لفظ ریسے آئے ہوئے ہیں جنہوں نے ہندی لباس پہن لیا ہے۔

تغیر معنی کی مثال کوٹھی پہلے مہاجنوں اور تاجروں کی کاروبار کی جگہ کو کہتے تھے اب اس کے زیادہ مستعمل معنی ایسے مکان کے ہیں جس میں یورپ کی شان باعتبار ساخت و آرائش ہو۔ صاحب ایک تعظیمی لفظ تھا معزز القاب کے ساتھ بولا جاتا۔ مولوی صاحب خانصاحب اب اس کے معنی یوروپین یا ہندی یوروپین وضع و معاشرت رکھنے والا۔ اسی طرح تعلیم یافتہ کے اصلی معنی ظاہر ہیں لیکن اب اس کا اطلاق انگریزی داں پر ہوتا ہے بشرطیکہ کچھ مغربیت کی اداؤں پر فریفتگی رکھتا ہو۔

غرض جس طرح اردو زبان امتداد زمانہ و انقلاب حالات سے متغیر ہوتی رہی اسی طرح ایران کی زبان بھی موقع بموقع متبدل ہوتی گئی۔ اگر تحقیق کی نظر سے ان اوراق کا مطالعہ کیا جائے جو جابجا بکھرے ہوئے اب بھی پائے جاتے ہیں تو صاف طور پر یہ واضح ہو سکتا ہے کہ ایرانی زبان بھی ٹھیک اسی طرح جیسا کہ ایک طفل شیرخوار ہوں ہاں غوں غاں سے دیباچہ اپنی گویائی کا شروع کرتا ہے فارسی زبان بھی اپنے عہد طفلی کی منازل کو طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی جاتی ہے لیکن مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے لئے شاعری کی محتاج ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ زبان میں اصلی حسن و خوبی اور نزاکت شاعری سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کلام شعر کے ہی سانچے میں ڈھل کر سچا اور صحیح فوٹو جذبات کا ہوتا ہے پس اس کے لئے زبان فارسی ہمہ تن عربوں کے مبارک قدم کی منتظر معلوم ہوتی ہے۔

فارسی شاعری پر عربی شاعری کا اثر | اس میں شک نہیں کہ بعض محبان ایران کو یہ بات تلخ

گزرتی ہے کہ عرب کو شاعری میں ایران کا اوستاد کیوں کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ واقعہ یوں ہی ہے پس مجبوری ہے۔ بعضوں نے اس ثبوت میں جو متفرق اشعار یا بعض مصطلحات شعریہ پیش کیے ہیں وہ خود اُن کے رد دعوی کے دلائل ہیں یا شہادت میں ناقص۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے بہرام نے اور اُس کی معشوقہ نے مل کر ایک شعر برجستہ موزوں کیا تھا، اور یہی شعر سنگِ بنیاد ایران کی شاعری کا ہے۔ بہرام نے جب ایک شیر کو زندہ پکڑلیا اور اُسے اس قدر زیر و مجبور کیا کہ دونوں کانوں کو اُس کے کھینچکر گرہ باندہ دی تو بہادری کے جوشِ فخر میں بے ساختہ اُس کے مُنھ سے یہ مصرع نکلا

منم آں پیلِ دمان و منم آں شیر یلہ

اُس کی معشوقہ جو بہت ہی حاضر جواب تھی اور جو ہمہ دم اُس کے ساتھ رہتی تھی اُس کی طرف بہرام نے ایک نگاہ تحسین طلب ڈالی۔ اُس نے برجستہ یہ مصرع کہا

نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ

اگر اس واقعہ کو بعینہٖ اسی طرح مان لیا جائے تب بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لفظِ بوجبلہ عرب کی اوستادی کا کیا ثبوت نہیں دے رہا ہے؟ اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ بہرام نے دیارِ عرب میں پرورش پائی تھی اور مصرع یوں ہے   نام بہرام مرا و پدرم بوجبلہ یوں ہی سہی۔ پھر بھی تو مجیب نے عرب کی اُستادی ہی ثابت کی۔

اس کے علاوہ چند اور متفرق اشعار ہیں۔ من جملہ اُن کے ایک یہ شعر ہے ؎

ہزبرا بگیہاں انوشہ بدے   جہاں را بدیدار توشہ بدے

اِس کے متعلق ہمدردانِ ایران یہ روایت کرتے ہیں کہ عضد الدولہ دیلمی کے عہد میں بعض عمارتیں قصرِ شیریں کی قائم تھیں اُن کے کسی دروازہ پر یہ شعر کندہ تھا لیکن اس شعر کا انداز خود اپنی قدامت سے انکار کرتا ہے۔ یہ دعائیہ شعر اور عمارت کے در پر کندہ۔ یہ تو موزوں فقرات ہیں جو شعر کے قالب میں لائے گئے ہیں۔ اہل ایران حضور شاہ میں انھیں فقرات سے سلام و تحیۃ پیش کرتے تھے۔

اسی طرح خانِ آرزو کا یہ کہنا کہ "سلاطینِ قدیمہ میں سے فرہوش نام ایک عالی شان بادشاہ تھا اس کے دربار میں گروہِ کثیر اہل سخن کا حاضر رہتا تھا۔ ان میں سے شیدوش شاعر نے ایک موقع پر بادشاہ بیگم کے حق میں کہا ہے

زنِ شاہ ہست درداور گردا گوزگردد ندارد بیم از کس

(زبانِ قدیم میں درداور بمعنی شجاعت۔ گردا بمعنی سمندر۔ گوز بمعنی ہرن) یعنی بادشاہ بیگم شجاعت میں سمندر ہے ہرن کی طرح پھرتی ہے اور کسی سے نہیں ڈرتی"۔ فارس جیسا ملک جس میں چار سلسلے سلاطین باآئین کے گزر گئے اور ایسے شان و شکوہ کے ساتھ سلطنت کر گئے جس کی باتیں آج افسانے ہیں علوم و فنون اس کے یونان و روما کا پہلو مارتے ہیں۔ گلزار زمین، خداداد حسن تفریح کے سامان اور عیش و طرب میں پرستان طبیعتیں زندہ" اور شعر کی قوت یہ۔ شاہی دربار کا شاعر بادشاہ بیگم کی مدح سرائی کرے اور وہ مدح ایسی ہو اگر ایران جیسے ملک کے لئے ایسی شاعری مایۂ ناز و فخر ہے اور ملک کی سرسبزی و شادابی آب و ہوا کی تازگی و ولولہ انگیزی نے اسلام سے قبل ایسے ہی شاعر دربار شاہی کے لئے

پیدا کئے تو کسی کو اس کے ماننے میں کوئی عذر نہیں کہ ایران ہمیشہ سے شاعر تھا۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھائیے تو دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ ملے گا جو ایسے باکمال شاعر ہر وقت تعداد کثیر میں پیش نہ کردے۔ یاد ش بخیر قوم افغان جو آج ہند کے مختلف گوشوں میں آباد ہے اُس میں رامپور کے بے پڑھے پٹھان چار بیتی کہتے ہیں۔ وہ سماں دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ پھر ہر فریق جو کچھ کہتا ہے وہ ان اشعار سے کہیں زائد پر معنی ہوتا ہے۔

افسوس ایران کو عربوں کا شاعری میں شاگرد کہنا اُس کے پایۂ منزلت کو کچھ کم نہیں کرتا ہے لیکن ایسے باکمالوں کا کلام اور پھر شعرا کی فہرست میں اُن کے اسما کا شمار بیشک اُن کی شان کے منافی ہے۔ یہ خان آرزو کی ذاتی آرزو ہے جس نے چند متروک لفظوں کے ساتھ شعر کی صورت میں ظہور کیا ہے۔ دیکھئے ارباب یورپ کی جستجو نے پہلوی زبان کی متعدد کتابیں بہم پہنچائیں۔ جو علوم و فنون کہ ایران میں تھے اُن کا نہ صرف سُراغ ہی ملا بلکہ حکما و ارباب فن کے اقوال و اسما تک معلومات کی رسائی ہوئی۔ لیکن نظم کے متعلق نہ تو ایک شعر مل سکا نہ کسی شاعر کا نام ہی معلوم ہو سکا۔ کیا زبان قدیم اور علوم و فنون تو اپنا نشان دینے کے لئے زندہ رہ گئے مگر فنِ ادب و انشا کا بہترین سرمایہ لٹریچر کا نادر الوجود گنجینہ (یعنی نظم) خود قوم کے کنج خانۂ دماغ اور اہل وطن کے حافظوں سے اس طرح محو و سہو ہو گیا کہ ایک دھندلا سا نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ پس جس طرح ایران عربوں سے مفتوح ہونے کا انکار نہیں کر سکتا اُسی طرح اُن کے اس احسان کو بھی مٹا نہیں سکتا کہ دینِ صحیح کی تلقین کے بعد شاعری بھی فاتح و جواد عرب کا ہی عطیہ ہے۔

دوسری بدیہی دلیل یہ ہے کہ شاعری زبان کو بہت جلد تراش خراش کر گھٹا بڑھا کر مہذب و نازک بنا دیتی ہے ایران پر چار خاندانوں نے مسلسل صدیوں تک حکومت کی میدانِ کارزار کی جو گرماگرمی رہی وہ شاہنامہ سے ظاہر ہے۔ شاہنامہ جہاں اُن کے طرزِ جنگ و فنِ سپاہگری کو بتاتا ہے وہاں وہ ایران کا دائرۃ المعارف یعنی انسائکلوپیڈیا کہے جانے کا بھی مستحق ہے۔ اہل ایران کی معاشرت باہمی تعلقات مآکل و مشارب لباس و پوشاک ان سب کا حال اُس سے سراغ ملتا ہے وہاں شاعری کا نام و نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ جس عہد کی داستانیں ہیں اُس وقت کے کسی شاعر کا ذکر بلکہ اسم تک نہیں پایا جاتا۔ پھر خود شاہنامہ کی زبان ایسی ہے جس میں بہت کچھ سختی و سنگینی ہے جس کو فردوسی سے بعد آنے والوں نے بنا سنوار کر اُس درجہ تک پہنچایا جہاں پہنچ کر وہ مسندِ کمال پر مستقر ہوگئی اور یہ ساری ترقی چوتھی صدی سے شروع ہوکر پانچویں صدی پر ختم ہوجاتی ہے۔

دورِ اوّل کے شعرا کے کلام کو پڑھئے بندش ڈھیلی الفاظ پھس پھسے۔ بے ضرورت حروف کا بڑھنا گھٹنا بے قاعدہ متحرک کو ساکن ساکن کو متحرک بنا دینا نہایت بے موقع لفظ فارسی کو مشدّد کردینا آپ جا بجا پائیں گے۔ اُس پر الفاظ کا ثقل اور بھی غضب ڈھاتا ہے۔ اضافتِ تشبیہی کا نام نہیں استعارہ خال خال جس میں کوئی ندرت نہیں اگر وزن کو توڑ دیجئے تو ڈھیلی عبارت نثر کی ہوجائے۔ شعر میں وہ چستی نہیں کہ الفاظ تھوڑے اور معنی وسیع کو محیط۔ یعنی ایک شعر کا مضمون اگر نثر میں لایا جائے تو دو سطریں ہوں یہ سب اس امر کے بین ثبوت ہیں کہ ابھی شاعری کی مشقِ اوّل ہے زبان ترقی پاکر شاعری تک آگئی لیکن شاعری

اپنے عہد طفولیت میں ہے۔ اس سے بھی بڑھکر یہ ثبوت ہے کہ اس وقت جو کلام دور اوّل کے
شعرا کا پایا جاتا ہے اُس میں اگر کوئی شعر اپنے معنی کی وجہ سے بلیغ ہے تو وہ بعینہٖ ترجمہ کسی
عربی شعر کا ہے۔ اس کثرت سے عربی اشعار کا ترجمہ قدیم شعرائے ایران کے کلام میں پایا
جاتا ہے جس سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ ابتدائی مشق اس طرح شعر کی گئی ہے کہ عربی اشعار
کو فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ پھر اُسے نظم میں لے آئے ہیں۔ اگر شاعری ایران میں قبل از اسلام
موجود ہوتی تو ناممکن تھا کہ جہاں عرب کے کلام کو منظوم کیا تھا وہاں اپنے شعرائے سلف کے
کلام کو بھی موجودہ زبان کا لباس نہ پہناتے۔ دیکھئے کعب ابن زہیر جو عرب کے مشہور شعرا
میں سے ہیں سبعہ معلقہ کے سات قصیدوں میں سے ایک ان کا قصیدہ بھی ہے وہ ایک
شعر میں کہتے ہیں ؎

مَا اَرَانَا نَقُوْلُ اِلَّا مُعَارًا　　　اَوْمُعَادًا مِنْ قَوْلِنَا مَکْرُوْرًا

یعنی ہم جو کہتے ہیں وہ اگلوں سے مستعار لیا ہوا خیال ہوتا ہے یا اپنے ہی ایک بار کے کہے
ہوئے کو پھر دوہرا دیتے ہیں۔ جیسا کہ شراب کی مدح میں اعشیٰ کا ایک شعر ہے ؎

وَکَاسٍ شَرِبْتُ عَلٰی لَذَّۃٍ　　　وَاُخْرٰی تَدَاوَیْتُ مِنْھَا بِھَا

یعنی پہلا ساغر تو میں نے لذت و سرور کے لئے پیا، لیکن دوسرے جام سے اُس درد کی دوا
کی جو پہلے پیالے سے پیدا ہو گیا تھا۔ اسی مضمون کو بغداد کا مشہور شاعر ابو نواس عجب مستانہ
طرز سے ادا کرتا ہے ؎

دَعْ عَنْکَ لَوْمِیْ فَاِنَّ اللَّوْمَ اِغْرَاءُ　　　وَدَاوِنِیْ بِالَّتِیْ کَانَتْ ھِیَ الدَّاءُ

یعنی ملامت کرنا چھوڑ اس لئے کہ ملامت شراب نوشی پر تو اور بھی برانگیختہ کرتی ہے۔ ہاں جو مرض ہے اُسی سے دوا کر (یعنی شراب لا) یہی ابو نواس کا دوسرا شعر وہ ہے جو اُس نے فضل بن ربیع کی شان میں کہا تھا جس میں بلا کا اچھوتا تخیل ہے ؎

لَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ　　اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ

یعنی قدرت خداوندی کے نزدیک یہ کیا محال ہے کہ وہ ایک شخص واحد میں ایک عالم کو جمع کردے۔ بغداد کی گلی گلی میں اس شعر کا چرچا پھیل گیا۔ لوگوں نے ابو نواس سے پوچھا کہ یہ نادر خیال تمھاری قوتِ متخیلہ نے کیوں کر پیدا کیا۔ اُس نے کہا کہ جریر کے ایک شعر سے یہ مضمون ماخوذ ہے۔ اُس نے قبیلہ بنو تمیم کے مدح میں جو قصیدہ کہا ہے اُس کا ایک شعر یہ ہے ؎

اِذَا غَضِبَتْ عَلَیْکَ بَنُوْ تَمِیْمٍ　　حَسِبْتَ النَّاسَ کُلَّھُمْ غِضَابًا

یعنی جب تم سے بنو تمیم غصہ ہو جائیں، تو سمجھ لو کہ تمام بنی آدم تم سے غصہ ہو گئے۔ اب اسی مضمون کو عنصری کہتا ہے ؎

کس ز خدا ے ندارد عجب اگر دارد　　ہمہ جہان را اندر یکے تن تنہا

کیا یہ ابو نواس کے شعر کا ترجمہ نہیں کیا اس کی بندش ڈھیلی نہیں۔ پورے شعر میں ابو نواس کے جس قدر الفاظ ہیں اُس قدر یہاں ایک مصرع میں موجود ہیں پس اگر ایران میں شاعری پہلے سے ہوتی تو جس طرح ابو نواس نے جریر یا اعشیٰ کے شعر سے ایک مطلب لیکر اپنی چست بندش سے شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اُسی طرح اہلِ ایران بھی اپنے اسلاف کے کلام کو بلند کر دکھاتے۔ لیکن جب کہ اسلاف کا خزانہ اس گنج سے خالی ہو تو یقیناً دوسروں

کی طرف دستِ تمنا دراز کرنا ہوگا۔ اسی بنا پر انوری نے اپنے محسن و معطی کی سپاس گزاری اور اُن کی تقلید و تلمذ کا نہایت فراخ حوصلگی سے اقرار کیا ہے وہ کہتا ہے ؎

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود
اولِ شاں امرٔالقیس آخرِ شاں بونواس

اب صرف اس امر کو مقام دلیل میں لانا کہ اصنافِ سخن کے لئے اصطلاحیں خالص فارسی لغات میں موجود ہیں یہ اسلام کی بے تعصبی و نصفت پسندی سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے کبھی کسی کے مذہب یا زبان سے تعرض نہیں کیا۔ یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جو براہین و دلائل کا محتاج نہیں ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

لیکن اب اس کو کیا کیا جائے کہ خود ہی باطل صدق و حق میں آہستہ آہستہ جذب ہوتا گیا۔ اور اس طرح ایرانی مذہب نیست و نابود ہو کر تقریباً ایرانی مسلم کا مرادف ہو گیا۔ اسی طرح عربی زبان (جو بولتی زبان ہے) اپنی گویائی و نطق سے بے معنی صداؤں کو خاموش کرتی گئی۔ اُس وقت کہ اسلام کا مبارک قدم ایران میں آیا ہے اُن کی اپنی زبان پوری توت کے ساتھ زندہ تھی۔

فارسی میں اصطلاحاتِ شعریہ | اسلام کی بے تعصبی اور زبان کی زندگی دونوں نے مل کر اہل ایران سے اصطلاحات وضع کرائیں۔ فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایران فتح ہوا۔ اُس وقت سے لیکر ابتدائے عہد حجاج تک دفتر کی زبان فارسی رہی۔ دفاتر جب خلیفہ کے سامنے معائنہ کے لئے پیش ہوتے تو اُن کا ترجمہ عربی میں ہو کر ملاحظہ کے لئے آتا تھا۔

خدا کی بے شمار رحمت اُن نفوسِ قدسیہ پر جنہوں نے براہ راست بارگاہ نبوت سے تزکیہ و تصفیہ حاصل کیا تھا جس کی بدولت ان میں اس قدر بے تعصبی و شفقت علی الخلق پیدا ہوگئی تھی۔ اُن کے حوصلے کی بلندی و دماغ کے وسعت نے کبھی اس طرح کی تنگ خیالی کا وہم بھی ہونے نہ دیا۔ یہ تو صرف عربی زبان کے ذاتی محاسن و کمال کا نتیجہ تھا جو فارسی زبان نے غریب الوطن بدیسی عربی مہمان کو اس فراخ دلی سے اپنے ہم وطن جیسا بنا لیا۔ حکومت عربوں کی تھی عمال و گورنر عرب ہی ہوتے تھے۔ رعایا کو آئے دن جو ضرورتیں پیش آتی تھیں اُن کے انصرام کے لئے نیز حکام کے ساتھ تعلقات و روابط کو صحیح طور پر مستحکم بنانے کے لئے عربی سیکھنے کی انھیں ضرورت پیش آئی۔ جب عربی کی تعلیم شروع ہوئی اور اس زبان سے اہل ایران مانوس ہوئے تو اُس کے ہر لفظ میں جو فلسفہ تھا اُس کی خوبی نے انھیں اپنا والہ و شیدا بنا لیا۔ اب جو دیکھا تو عربوں کے پاس اظہار جذبات کا فوٹو بھی تھا جسے وہ شاعری کہتے تھے۔ فارسیوں نے زبان عربی کے ساتھ اس نقاشی اور فوٹو گرافی کو بھی سیکھنا شروع کر دیا۔ اہل ایران کے لئے شاعری ایک عجیب و غریب شئے تھی جس کی لذت سے قبل میں وہ قطعاً آشنا نہ تھے۔ پس ملک کے ہر فرد کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لئے تعلیم یافتہ اشخاص نے اُسی وقت فارسی زبان میں ہر صنفِ سخن کے لئے ایک علیحدہ اسم قرار دیا اور اس طرح اصطلاحاتِ شعریہ کا وجود عالمِ لغت میں آگیا۔ نظم کا نام "چامہ"، نثر کا "چکامہ"، غزل کا "پیوستہ" قصیدہ کا "پرگندہ"، وزن شعر کا "پساوند" اسم و رسم قرار پایا۔ لیکن عربی زبان کا ایک ایک لفظ جو فلسفہ و حکمت سے لبریز تھا اور جس میں اپنی وسعت و حلاوت کے سبب یہ کمال تھا

کہ ہر طرح کے خیالات بلا تخصیص بہت سہولت سے پوری طرح ادا ہو جاتے تھے۔ اُس نے اپنی حلاوت و شیرینی سے بہت سے مواقع پر فارسی کے لب بند کر دیے اور بہت سے الفاظ فارسیہ اُس کے وسیع دامن میں گم ہو گئے۔ جب میزبان و مہمان باہم شیر و شکر ہو کر مل گئے تب روزمرہ کی گفتگو میں بھی چاشنی الفاظ عربی کی ہوئی۔ وہ کلام بے نمک ہوتا، وہ تقریر بے مزہ ہوتی جس میں عرب و عجم کی آمیزش نہ ہوتی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب اپنی زبان کے الفاظ ایک معتدبہ مقدار میں اُن سے متروک ہو گئے اور اُن کی جگہ صرف عربی الفاظ رہ گئے۔ اب نہ نظم کا نام چامہ رہا نہ نثر کا چکامہ۔ ہاں ان مصطلحات کا وجود صرف لغات میں مثل دیگر متروک الفاظ کے رہ گیا۔ اب باوجود ان قرائنِ واضحہ کے پھر بھی یہ دعویٰ اور اس پر غلو کہ ایران میں شاعری پہلے سے تھی یہ تو محض خوش اعتقادی و وہم پرستی اور دورِ آخر کے تعصب کا نتیجہ ہے جس کے سامنے تمام دلائل بے سود ہیں۔

آب و ہوا کا اثر شاعری پر

ہاں یہ ضرور ہے کہ ایران میں جب شاعری آئی تو اس نے یہاں پہنچکر نئی نئی حسین شکلیں پیدا کر لیں اور ملک کی آب و ہوا نے اپنی شادابی و تازگی سے بہت جلد فارسی شاعری کو ایک عروسِ دل آرا بنا دیا۔ لیکن پھر بھی بعض خصوصیاتِ عرب ایران میں نہ آسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعری پر ملک کی آب و ہوا کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے جو چیزیں کہ نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں اور خصوصیات ملکی جس طرح کے جذبات و کیفیات قلوب میں پیدا کیا کرتی ہیں اُسی کو شاعری کا مایۂ خمیر سمجھنا چاہیے اس لئے ہر ملک کا باشندہ اپنے پسند کا معیار جداگانہ رکھتا ہے۔ ایک ہندی عاشق زلفِ معشوق کی

تشبیہ و توصیف میں بھونرے اُڑاتا ہی، برسات کی رات اور کالی گھٹا کو اُس کا عکس بتاتا
ہی۔ عرب زغال یعنی کوئلہ کو شرمندہ کرتا ہی۔ جی چاہتا ہی تو عنبر و مُشک سے بھی دماغ معطر کر لیتا
ہی۔ ایرانی سنبل سُنگھاتا ہی۔ اہل یورپ سونے کو مقابل میں لاتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے ملک
کی خصوصیتیں ہیں۔ قاعدہ ہی کہ جس چیز سے انسان کو راحت ملتی یا فرحت و انبساط حاصل
ہوتا ہی تو اُس چیز کے ساتھ ایک گونہ دل کا لگاؤ ہو جاتا ہی۔ پھر جب کہ وہ چیزیں اپنے ہی
ملک کی ہوں تو پھر دلی میلان کا کیا پوچھنا۔ دیکھئے عرب کا ملک ریگستان اور کوہستان ہی۔
پتھریلی خاکی، ہموار ناہموار نشیب و فراز متعدد اقسام کی زمین اُس میں تھی۔ پھول اور
پھل کے درخت کا وہاں نام تک نہ تھا۔ جو درخت پائے جاتے تھے وہ روکھے سوکھے
اور اکثر خاردار تھے۔ زراعت کے لئے نہ زمین قابل تھی، نہ پانی میسر تھا۔ عربوں کا اسی ملک
میں رات دن رہنا سہنا اور خانہ بدوش پھرنا کام تھا۔ قدرت نے ان کے زندہ رہنے
کے لئے دو چیزیں دے دی تھیں حیوانوں میں اونٹ اور نبات میں کھجور۔ انھیں دو
چیزوں سے عربوں نے ہر طرح کے سامان عیش و حیات اپنے لئے پیدا کر لئے تھے۔
دشوار گزار کوہستانی و ریگستانی منازل کو اس عجیب الخلقت جانور کی مدد سے طے
کرتے تھے اس کی اُون سے کپڑے بناتے اس کی کھالوں کا خیمہ بنتا اس کے دودھ
سے پورا کنبہ پرورش پاتا۔ ذبح کر کے اس کے گوشت سے پورے قبیلہ کی دعوت کرتے
اور دادِ سخاوت لیتے۔ یہی حال کھجور کا تھا۔ اُس کو کھاتے اُس کے شیرے سے ہر طرح
کی شیرینی بناتے اُس کی شاخوں سے مکان چھاتے اُس کو کاٹ کر ستون بناتے

غرض یہ اونٹ اور کھجور چونکہ عربوں کی ہر طرح کی راحت کا سامان تھے اور ان کا کوئی جزو اُن کے لئے بے کار نہ تھا اس لئے اُن کے کلام میں ان دونوں کے لئے بکثرت لغات وضع ہوئے۔ استعارے اور تشبیہ میں ان دونوں سے کام لیا گیا۔ ان دونوں کی مدح میں طرح طرح کے راگ گائے گئے۔ یہ سب اس لئے کہ ان دونوں نے عربوں کو بہت ہی آرام پہنچایا تھا اور خود انکے ملک کی چیزیں تھیں پھر کیا وجہ جو عربوں کو محبوب نہ ہوتیں۔ عرب کی آب و ہوا جس طرح سے کے جذبات دلوں میں پیدا کرتی ہے وہی شعرائے عرب کے گلزارِ کلام کا شگفتہ چمن ہے اب اگر کسی ملک کا باغ اس تختۂ چمن سے محروم ہو تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔

اقوام و امم کا مورخ جب عرب کی وادیوں میں قدم رکھتا ہے تو اُسے عربی قوم کے خون کا نظام تمام اقوام عالم سے جدا اور عزت و شرافت انسانی سے مالا مال دکھائی دیتا ہے۔ آزاد عرب حریت کے والہ و شیدا شجاعت و سخاوت کے دل دادہ جفاکشی و محنت کے عادی غیرت و حمیت کے فدائی کاہلی و بزدلی سے نفور بخل و دناءت سے بمراحل دور۔ غرض یہ کہ محکومیت کے شکنجے سے مامون رہ کر آزاد زندگی بسر کرنے والے اور فضائے حرّیت میں جذباتِ فطری کو نشو و نما دینے کے عادی تھے۔ ہمت کی وہ پستی اور حوصلے کی وہ تنگی جو مسلسل محکومیت سے قوم میں پیدا ہو جاتی ہے اُس سے قطعاً آشنا نہ تھے۔

اس لئے ایام جاہلیت کے قصائد دوسروں کی تعریف میں بہت کم ہیں اور جو کچھ ہیں وہ ممدوح کے واقعی اوصاف کے مظاہر ہیں۔ حرص و آز عرب کی قوّتِ بیانیہ کو جنبش دے نہیں سکتے تھے۔ جیسا کہ بنو تمیم نے جب کہ ایک شاعر جاہلیت سلامہ بن جندل کے سامنے یہ درخواست

پیش کی کہ مجّدنا بشعرِک یعنی اپنے اشعار مدحیہ سے مجھے عزت بخش تو اُس نے نہایت صفائی سے یہ جواب دیا کہ اِفعلوا حتّٰی اقولَ یعنی کچھ کر دکھاؤ تو ہم بھی کچھ کہیں۔

عربی شاعری کی بنیاد کمالات ذاتی پر ہے

عرب کی شاعری ہمیشہ اس عیب سے پاک و صاف رہی کہ اُس کی فصاحت و بلاغت اور اُس کا جوشِ بیان سلاطین و امرا کے خوف و طمع سے مرعوب و مرہون نہ رہا۔ عربوں میں شاعری کی ابتدا رجز خوانی سے ہوئی اور یہ صنفِ کلام کمالاتِ ذاتی چاہتی ہے، نہ تنایلے ملوک و اہلِ دول۔ اس لئے شعراے عرب کے قصائد اُن کے محاسن و فضائل کے روشن آئینے ہیں جن میں جوہر ذاتی کے تمام خط و خال جھلک رہے ہیں اور اُن پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

نے گلم نے بلبلم نے شمع نے پروانہ ام — عاشقِ حسنِ خودم بر حسنِ خود دیوانہ ام

عربی شاعری اسی پیمانے پر اُس وقت تک رہی جب تک عرب کا تمدن ایران کی دل فریب معاشرت سے ہم آغوش نہ ہوا۔ دیکھئے عرب جب بے یار و مددگار رہ جاتا ہے اور حوادثِ دہر اُس سے خویش و اقارب احباب و اعزہ کو چھین لیتے ہیں تو وہ اپنی اُس بیکسی و تنہائی کو بھی اپنی اُسی شجاعت و خودداری عزم و استقلال کے لہجے میں بیان کرتا ہے ؎

ذَهَبَ الَّذِيْنَ اُحِبُّهُمْ — وَبَقِيْتُ مِثْلَ السَّيْفِ فَرْدًا

(جن لوگوں کو میں دوست رکھتا تھا۔ وہ سب کے سب چل بسے اور میں مثل تلوار کے تنہا رہ گیا)

اسی طرح مصیبت کے وقت دوسروں کا دست نگر ہونا یا مضطرب و بے قرار ہو کر اپنے پاے استقامت کو متزلزل کرنا عرب کی غیور طبیعت گوارا کر نہیں سکتی وہ شرافتِ نفس کو بدرجۂ غایت عزیز

رکھتا ہی اور حرّیت جیسے گراں مایہ جوہر کو سنگِ مصائب و اضطرار سے چکنا چور ہونے نہیں دیتا وہ کہتا ہی ؎

فَلَوْ کَانَ یُغْنِیْ اَنْ یُّرَی الْمَرْءُ جَازِعًا | بِحَادِثَۃٍ اَوْ کَانَ یُغْنِی التَّذَلُّلُ
لَکَانَ التَّعَزِّیْ عِنْدَ کُلِّ مُصِیْبَۃٍ | وَنَائِبَۃٍ بِالْحُرِّ اَوْلٰی وَاَجْمَلُ

[اگر نزول حادثہ کے وقت مرد کا مضطر ہونا یا لوگوں کے روبرو ذلیل ہونا مفید معلوم ہو۔ تب بھی آزاد مرد کے لئے مصیبت میں صبر ہی زیبا تر و لائق تر ہی]

جنگ کی گرما گرمی میں جب کہ تلوار اور نیزوں کی چمک تیروں کی بارش لڑنے والوں کو فرار کی راہ بتا رہی ہو اُس وقت عرب کا شاعر یوں کہتا ہی ؎

فَلَسْنَا عَلَی الْاَعْقَابِ تُدْمٰی کُلُوْمُنَا | وَلٰکِنْ عَلٰی اَقْدَامِنَا تَقْطُرُ الدِّمَاءُ

(یعنی ہم وہ نہیں ہیں جن کی ایڑیوں پر خون بہے۔ بلکہ ہمارے خون کے قطرے بہہ کر قدم پر گرتے ہیں)

عرب جس طرح کہ تذلیل نفس او جبن و بزدلی کو اپنی شان کے خلاف جانتا ہی اُسی طرح بخل و مال اندوزی اُس کے علو ہمتی و شرافت عربی کے خلاف ہی۔ اُس کو مالکِ گنج و خزانہ کہنا اُس کی سخت توہین کرنی اور کھلی گالی دینی ہی ؎

اَعَیَّرْتَنَا اَلْبَانَھَا وَلُحُوْمَھَا | وَذٰلِکَ عَارٌ یَا ابْنَ رَیْطَۃَ ظَاھِرٌ

(ہم پر اونٹوں اور اُن کے دودھ گوشت کے بکثرت ہونے کا تو نے عیب لگایا ہی۔ اے ابن ریطہ اُس کا مصرف جب ہم بیان کرینگے تو تیرا یہ الزام جاتا رہے گا)

نُحَابِیْ بِھَا اَکْفَائَنَا وَنُھِیْنُھَا | وَنَشْرَبُ فِیْ اَثْمَانِھَا وَنُقَامِرُ

[اونٹوں کو ذبح کرکے اعزہ واقارب فقراء و مساکین کو کھلاتے ہیں اور ان کی قیمتوں سے ہم شراب پیتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں]

ایک دوسرا شاعر اپنے اور اپنے قبیلہ کی نفرت و بریت بخل سے یوں بیان کرتا ہے ؎

وَاللُّؤمُ دَاءٌ لِوَبْرٍ يُقْتَلُونَ بِهٖ   وَلَا يُقْتَلُونَ بِدَاءٍ غَيْرِهٖ أَبَدًا

[یعنی بنی وبر کے لئے بخل ہی ایک قاتل مرض ہے۔ اور بجز اس درد کے کسی اور مرض سے کبھی نہیں مرتے]

ایک تیسرا شاعر اپنے عزم بالجزم کا اظہار کرتے ہوئے اس طرح قسم کھاتا ہے ؎

بَقِيْتُ وَفْرِيْ وَانْحَرَفْتُ عَنِ الْعُلٰى   وَلَقِيْتُ أَضْيَافِيْ بِوَجْهِ عَبُوْسٍ

[میں بہت مال چھوڑ کر مروں اور بلندی مراتب کی طلب سے انحراف کروں اور اپنے مہمانوں کا استقبال ناگواری ترش روئی سے کروں]

اسی طرح وہ شرافتِ نسب کو اپنے اخلاق و شریفانہ جذبات سخاوت و شجاعت کا محافظ جانتے تھے نسب کی بربادی کو اپنے لئے اپنے قبیلہ و خاندان کے لئے ایک مصیبتِ عظمٰی جانتے اگر کہیں سلسلۂ نسب میں کچھ بھی نقص نکل آتا تو ساری عزت کا خاتمہ ہو جاتا۔ اخلاق و سیرت میں نسب کا دخل و اثر وہ یہاں تک تسلیم کرتے تھے کہ گھوڑے اور اونٹ کا نسب نامہ بھی ان کے پاس ہوتا۔ اور حیوانوں میں بھی شریف و اعلیٰ نسب کو خراب و تباہ ہونے نہ دیتے۔ عرب کہتا ہے ؎

لَعَمْرُكَ مَا أَخْزٰى إِذَا مَا نَسَبْتَنِيْ   إِذَا لَمْ تَقُلْ بُطْلًا عَلَيَّ وَمَيْنًا

[تیری جان کی قسم میں رسوا نہ ہوں گا جب کہ تو میرا نسب صحیح صحیح ٹھیک بلا دروغ و افترا بیان کرے گا]

مضامین کے اعتبار سے یہ وہ خصوصیات ہیں جن کو ایرانی شاعر اپنے آپ میں پا نہیں سکتا
صدیوں تک پیہم جو اُن پر زبردست حکومت رہی اُس نے اُن کے اُن جذبات کو فنا کر دیا
جو عرب میں بدرجۂ کمال موجود تھے اور جس کا تلاطم اُن کے سینوں میں جب موجیں مارتا تو ایسے
اشعار بے ساختہ اُن کے مُنہ سے نکلتے اور طرفہ یہ کہ اُن کے افعال اُن کے اقوال سے بھی
بڑھکر آزاد و غیور رہتے۔

آب و ہوا کا ایک اور اثر

ملکی آب و ہوا کا ایک یہ بھی اثر تھا جو عرب اپنے اسلوب بیان کا انداز
خاص رکھتا ہے۔ عموماً جب قصیدہ شروع کرتا ہے تو سامع کی دلچسپی اور اپنے مقصد کی دل آویزی
کے لئے پہلے دیار یار کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں کے کھنڈروں اور آثار کو اپنی شاعرانہ نگاہ سے
دیکھتا ہے۔ خود روتا ہے دوسروں کو رولاتا ہے۔ شکستہ در و دیوار کو کبھی خطاب کرتا ہے اور کبھی
اُن پتھروں کو دیکھکر جن سے چولھے کا کام لیا جاتا تھا ایک نالۂ جگر دوز کرتا ہے۔ وہاں کی
ہودج نشین مستورات کا تذکرہ تصویر درد و غم ہوکر کرتا ہے۔ مصیبت کی داستان جب کہ ایسے
دل گداز پیرایہ میں بیان کی جائے تو سامع کی ہمدردی قائل کے ساتھ ہو ہی جاتی ہے۔ اب
وہ یہاں سے مضامین عشقیہ کی طرف رجوع کرتا ہے جسے اصطلاح شعرا میں نسیب کہتے
ہیں اُس میں اپنے عشق کے ولولے اور محبت کے جوش کو ظاہر کرتا ہے۔ فراق کے درد سے
آہ سرد بھرتا ہے۔ یہ عشق و حُسن کی داستان اُن غم خوار سامعین کو اور بھی متوجہ و مائل
بنا دیتی ہے۔ وہ کونسا دل ہے جو حُسن کا خواہاں نہیں اور کس کا قلب ہے جس میں
عشق کی چاشنی نہیں۔ اِس قدر کلام کا حصہ جب سامع کو ہمہ تن گوش بنا دیتا ہے تو وہ

اپنے شعر میں سفر کرتا ہے۔ راتوں کی بیداری، تمازتِ آفتاب کی گرمی، لو کی لپٹ تند و تیز ہواؤں کے ہوش رُبا جھونکے، راستے کی ناہمواری، اونٹ کی مضبوطی و تیز روی اُس کی بعد مسافت و شدائد سفر سے اُس کی لاغری۔ غرض ایسی ایسی باتیں کہتا ہے جن سے اُس کی جفاکشی استقلال ہمت و مردانگی ظاہر ہوتی ہے۔ اب وہ اپنے قصیدے میں گریز کرتا ہے اور کہتا ہے جو کچھ کہنا چاہتا ہے۔ چاہے میدانِ جنگ کے اپنے شجاعانہ حملوں کا بیان کرے یا اپنی شرافتِ نسب و حریت کا خطبۂ بلیغ پڑھے یا اپنے ممدوح کو اپنے کلام سے عزت بخشے

عربی قصائد کے چند اور لوازم

عربی قصائد میں علاوہ ان باتوں اور اپنے ذاتی فخر و مباہات کے (جس کے وہ ہر طرح مستحق ہیں) چند اور چیزیں ہیں ایک تو اُن کا وہی محبوب جانور اونٹ جس کا بیان ہزاروں طرح سے عرب کرتا ہے اور پھر بھی اس کی طبیعت سیر نہیں ہوتی دوسرے پہاڑ اور ریگستان اور ان مقامات کے لوازم یہ وہ چیزیں ہیں جن کو وہ خوب کہتے ہیں۔ چوں کہ یہ سب چیزیں عرب کے پیشِ نظر ہیں اور ان کا ملک ان چیزوں کے سوا اور کچھ اُن کے سامنے پیش نہیں کرتا اس لئے کلام بھی اور چیزوں کے ذکر سے مستغنی ہے۔

مناظر قدرت

ہاں کبھی کبھی بارش اور موسلا دھار پانی کی روانی بھی اُن کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ وہاں بھی اُونٹ اپنی ہیولانی صورت کے ساتھ پانی کا بند بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ عرب کا مشہور شاعر ابن مطیر جب کہ والی مدینہ کے پاس پہنچا تو اُس روز وہاں پانی خوب برساتھا۔ والی نے فرمائش کی کہ آج کی بارش کے متعلق کچھ کہو۔ ابن مطیر نے کہا کہ پہلے منظر اور سماں دیکھ لوں پھر کچھ کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ ایک بلند مقام

پر چڑھا اور ہر طرف نگاہ ڈال کر کیفیت ملاحظہ کی۔ پھر جو والی کے پاس آیا تو ایک قصیدہ تیار تھا۔ لیکن بادل کی تشبیہ اونٹ سے دی گئی اور پورے قصیدے میں اسی کا تلازمہ رہا اسی ذیل میں جو اشعار کہ گھنگھور گھٹا اور موسلا دھار پانی اور بجلی کے چمک میں کہہ گیا ہے وہ عجب بلاغت کا نمونہ ہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

مُسْتَضْحِكٌ بِلَوَامِعٍ مُسْتَعْبِرٌ ۔۔۔ بِمَدَامِعٍ لَمْ تَمْرِهَا الْأَقْذَاءُ

فَلَهٗ بِلَا حُزْنٍ وَلَا بِمَسَرَّةٍ ۔۔۔ ضَحِكٌ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ وَبُكَاءُ

[بادل بجلیوں کی چمک کے ساتھ ہنستا ہے اور لگاتار بارش سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خس و خاشاک میل کچیل سے صاف و شفاف آنکھیں ہیں جو آنسوؤں سے رو رہی ہیں بلا خوشی کے ہنستا ہے اور بلا غم کے روتا ہے اس کی ہنسی رونے سے ملی ہوئی ہے)

ذَابَ السَّحَابُ فَهُوَ بَحْرٌ كُلُّهٗ ۔۔۔ وَعَلَى الْبُحُوْرِ مِنَ السَّحَابِ سَمَاءُ

(سارے بادل گھل کر دریا کے دریا ہو گئے اور دریا پر بادل کا آسمان چھا گیا]

سُحْمٌ فَهُنَّ إِذَا كَظَمْنَ فَوَاحِمٌ ۔۔۔ سُوْدٌ وَهُنَّ إِذَا ضَحِكْنَ وِضَاءُ

[وہ بادل بہت ہی سیاہ ہیں مگر جب پانی بھر لیتے ہیں تو اس وقت کوئلہ ہو جاتے ہیں سیاہ ہیں مگر جب ہنس دیتے ہیں تو روشن ہو جاتے ہیں]

لَوْ كَانَ مِنْ لُجَجِ السَّوَاحِلِ مَاؤُهٗ ۔۔۔ لَمْ يَبْقَ مِنْ لُجَجِ السَّوَاحِلِ مَاءُ

(اگر سواحل کے عمق سے ان دریاؤں میں پانی آیا ہوتا تو سواحل خشک ہو جاتے اور ایک قطرہ بھی پانی کا ان میں باقی نہ رہتا]

وہ اشعار جن میں بارش و باران ابر و سحاب کی تشبیہ اونٹنی اور اُس کے شیر و حمل وغیرہ سے دی گئی ہے، اُن کو پیش کرنا فضول سمجھا۔ ہند کی سرزمین میں اُس کا بیان کیا لطف پیدا کر سکتا ہے۔ یہاں مقصود صرف اسی قدر ہے کہ شاعر جن چیزوں کو دیکھتا ہے اور حواس جس طرح کے جذبات پیدا کرتے ہیں شاعر انھیں کو الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے عربوں کے کلام میں قصائد ہیں اور مراثی ہیں اور یہ دونوں صنفیں نظم کی بدرجۂ کمال پائی جاتی ہیں۔ اور ان دونوں سے مقصود اپنے خصائص و فضائل کو زندہ رکھنا اور آیندہ نسلوں کو رغبت دلانا تھا۔ غزل اُن کے کلام میں اپنی مستقل حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ چاہیے تو تشبیب کو غزل کہہ لیجئے۔ اسی طرح مثنوی کے صنف سے بھی اُن کا کلام خالی ہے۔ حالانکہ اس کا مواد جس اکثار و فراوانی کے ساتھ عربوں کے پاس تھا اُس کا اقتضا یہ تھا کہ ایک عظیم الشان کتب خانہ آج ایام جاہلیت کی مثنویوں سے مزین و آراستہ ہوتا بہت سی باتیں عربی شاعری میں اسی وجہ سے نہ آسکیں کہ اُن کا بیان صنفِ مثنوی کا خواہاں تھا ۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم ۔۔۔ چناں کہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طو

فارسی شاعری کی تاریخ اور تدریجی ترقی

اب فارسی شاعری کی تاریخ اور اُس کی تدریجی ترقی اور اُن خصوصیات پر نظر ڈالنے کی حاجت ہے جو اس میں باعتبار مضمون اور انداز بیان کے پائی جاتی ہیں۔ تاکہ اُستاد اور شاگرد کی خصوصیتِ خاصہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔ محققینِ السنۂ مشرقیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ فارسی زبان اپنے حسن و دل آیزی یعنی مرتبۂ شاعری تک پہنچنے کے لئے عربوں کی سراپا انتظار تھی۔ عرب اُستاد نے شعر کی حقیقت اور اس کی

قوت وکیفیت سے اپنے تلامذہ کو آگاہ کیا اور کچھ ایسے خوش آیند لہجے میں دعوت شعر کی نغمہ سرائی
کی کہ ایران کے تمام گوشے لبیک کی صدا سے گونج اُٹھے۔ یہ امر تو مسلّم ہو چکا کہ ایران میں
شاعری کی ابتدا اکتسابی طور سے ہوئی۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ تعلیم یافتہ ایرانیوں نے
پہلے پہل جو شاعری کے لئے زبان کھولی، وہ کلام کس زبان میں تھا۔ اگر معان نظر سے کام
لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مشق شاعری کی عربی ہی زبان میں کی گئی تاکہ
اُستاد کی اصلاح سے کلام مرصع ہو جائے اور نکاتِ شعریہ کے دقیق مسائل اچھی طرح حل ہو کر
سمجھ میں آ جائیں۔ جب عربی میں شعر کی مشق ہو گئی اور شعر گوئی کا طریقہ اور صحت کی راہ معلوم
ہو گئی تو اپنی ملکی اور مادری زبان کی طرف فوراً متوجہ ہو گئے۔ اس لئے کہ علم ہو یا فن
جب تک اُس پر غیر زبان کا قفل چڑھا ہوا ہے اُس میں کمال بہم پہنچانا اگر محال عقلی نہیں تو
محالِ عادی ضرور ہے۔ اس لئے اہلِ ایران نے اپنی بحور بھی علیحدہ قرار دیں اور انھیں جدید
مقرر کردہ بحروں میں اُنھوں نے شاعری کی داغ بیل ڈال دی۔ لیکن ابتدائی اشعار کی یہ
حالت تھی کہ جس طرح ایک بھولا آدمی سیدھی سیدھی باتیں کرتا جاتا ہے اُسی طرح فارسی
کے وہ اشعار تھے جن میں بہت جلد رنگینی و چستی پیدا ہو گئی۔ اس کو واضح طور پر سمجھنے
کے لئے اس طرح خیال کرنا چاہیے کہ انسان کو کھانے کے لئے غذا، رہنے کے واسطے
مکان، بدن ڈھانکنے کو ستر، حملۂ اعدا سے محفوظ رہنے کے لئے سپر اور حملہ آور ہونے کے
لئے آلات درکار ہیں۔ اب انسان اپنی ان ضرورتوں کو جن چیزوں سے پورا کرتا ہے
وہ دو قسم کی ہیں؛ ایک تو وہ جو اپنی موجودہ سادی اور خلقی صورت میں انسان کی

خدمت کے لئے زبانِ حال سے لبیک کی صدا بلند کر رہی ہیں جیسے غار و خندق سکونت کے لئے جنگلی برگ و بار غذا کے لئے، درختوں کے لمبے چوڑے پتے ستر پوشی کے لئے، پتھر کے ٹکڑے اور درختوں کی خشک و تر شاخیں اسلحہ بننے کے لئے ہر وقت طیار ہیں اور یہ وہ ادنی مرتبہ انسان کے زندگی بسر کرنے کا ہے جسے خالق نے خود اُس کے لئے مہیا کر دیا ہے دوسری قسم یہ ہے کہ ان کی خلقی حالت پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ ان چیزوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے اس میں تغیر و تبدل، ترکیب و تحلیل کو عمل میں لائیں اور اس طرح ما یحتاج فی الحیات میں ایک نئی شان پیدا کریں۔ جس قدر ناز پروردگی بڑھتی جائیگی اور عیش و تنعم کا سامان بہم پہنچتا جائیگا اور محفوظ رہنے کے وسائل قوی ہوتے جائینگے اُسی قدر تمدن کا پلہ گران ہوتا جائیگا وہی قوم جو اشیاء کا استعمال ابتدا میں اس طرح کرتی تھی کہ صنعتِ عبد کا اُس میں کوئی حصہ نہ ہوتا تھا انتہا میں اگر اُن کے طریقِ استعمال کو دیکھا جائے تو صنعتِ عبد نے اس کی حقیقت بالکل گم کر دی ہوگی۔ اگر متمدن و غیر متمدن قوم کے مآکل و مشارب، ملابس و مساکن کو دیکھا جائے تو بہت اچھی طرح یہ حقیقت منکشف ہو سکتی ہے۔ بعینہ یہی حال ایران کی شاعری کا سمجھنا چاہیے۔

حقیقت یوں ہے کہ پہلے پہل جس زبان میں شاعری کا آغاز ہوتا ہے اُس میں ابتدائی رفتار بہی آہستگی و سادگی سے ہوتی ہے۔ ورنہ نظم کمالِ سخن کی جگہ اہمال و لغویت کا دفتر بے معنی ہو جائے۔ ابتداءً شعرا کلام کو موزوں کرنے کی مشق کرتے ہیں پھر بہ تدریج ترقی کرتے جاتے ہیں، ورنہ اگر آغاز ہی میں بلند پروازی کی جائے تو یہ بجائے ملاءِ اعلیٰ پر پہنچانے

کے تحت الثریٰ تک لے جانے والی ہو۔

اُردو شاعری کی حالت بطور مثال کے

مثال کے لئے اُردو شاعری کی ابتدا اور پھر مرتبہ کمال تک پہنچنے پر غور کرنا کافی ہی۔ شاعری نے جب ہندوستان کی اُس زبان میں جو اب یہاں پیدا ہو گئی تھی اپنی جلوہ آرائی کی اُس وقت اُردو میں شعر کہنے والے وہ باکمال حضرات تھے جن کی نگاہوں میں دونوں شاعریاں عرب و عجم کی موجود تھیں۔ لیکن اُردو میں چوں کہ کوئی نمونہ موجود نہ تھا اس لئے سادگی ہی کا جامہ اُس کے لئے مستحسن سمجھا گیا۔

اُردو میں ولی کا وہی مرتبہ ہی جو رودکی کا فارسی میں ہی۔ یہ کون کہہ سکتا ہی کہ ولی نے فارسی و عربی شاعری کا کافی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ پھر جو ولی کے کلام میں سادگی ہی اور الفاظ بغیر تراش و خراش کے ادا ہوتے ہیں، دور کے استعارات اور تشبیہات بھی نہیں پائی جاتیں وہ بجز اس کے اور کس کا نتیجہ ہی کہ اُردو میں شاعری اپنی طفولیت کا عہد بسر کر رہی ہی گویا بچوں کی طرح گھٹنوں گھٹنوں چل رہی ہی جس طرح کوئی رہ رو اُس راستے کو طے کرے جو قبل سے قدموں کے نیچے نہ آیا ہو یا کوئی اجنبی ایسے مکان میں داخل ہو جس میں پہلے گیا نہ ہو، تو وہ قدم سنبھل سنبھل کر رکھے گا تیز روی و سرعت اس کے لئے بجائے منزل رساں ثابت ہونے کے سنگِ راہ ہو جائیگی۔

اسی وجہ سے ابتدا میں ایران کی شاعری محض موزوں فقرات سے شروع ہو کر بہت جلد اس قابل ہو گئی کہ اُس کو بزم شعرا میں پیش کیا جا سکے۔ فارسی شاعری پر یہ رودکی کا احسان ہی جس کی دایۂ فکر نے اس طفلِ شیرخوار کو اپنی جودتِ طبع اور حدت

ذہن سے پرورش کر کے عالمِ تمیز تک پہنچایا لیکن ابھی اس کو جوان اور جوانی کے ساتھ سنجیدہ ومتین ہونا باقی ہے۔

سادگی کی تاثیر | طبقۂ اوّل کے وہ شعرا جو دورِ اوّل میں گزرے اُن سب کا کلام ایک ہی انداز رکھتا ہے۔ بندش کی چستی نہیں مضمون کی بلند پردازی نہیں۔ ان کی نظم میں صرف محسوسات اور ان کے اصلی حالات ہیں۔ سادہ الفاظ میں سیدھی باتیں جو آپس میں بولتے ہیں اکثر و بیشتر اُسی کو نظم کر دیتے ہیں۔ استعارہ و تکلفات سے بہت کم کلام کو آراستہ کرتے ہیں۔ مثلاً رودکی جب کہ بڈھا ہو جاتا ہے اور اُس کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں، ضعیفی اعضا پر چھا جاتی ہے، اُس وقت جوانی کی یاد میں ایک قصیدہ کہتا ہے۔ عمر کے آخر حصے میں جو کچھ کہتا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے سیدھی سادی باتیں ہیں جو نہایت سادگی سے وزن و قافیہ کے محاصرہ میں لے آئی گئی ہیں۔ مثال کے لئے تین پہلے شعر اس قصیدے سے حاضر ہیں

مرا بسود فرو ریخت ہرچہ دندان بود — بنود دنداں ہا بل چراغ تابان بود

یکے نماند کنون زان ہمہ بسود و بریخت — چہ نحس بود ہمانا کہ نحسِ کیوان بود

نہ نحس کیواں بود و نہ روزگار دراز — چہ بود منت بگویم قضائے یزدان بود

وزن و قافیہ کے ساتھ عہدِ شباب کا مرثیہ ہے اس لئے اسے شعر کہئے۔ مگر جو شعر کی حقیقت ہے اُس کا نام و نشان تک نہیں۔ اگر آج کوئی اس طرح کا شعر کہے تو ہمارے شعرا اُس کی طرف بھول کر بھی ایک نگاہ غلط انداز نہ ڈالیں۔ مگر چونکہ یہ رودکی کا کلام ہے جس نے شاعری کو بزمِ شعرا تک آنے کے قابل بنایا ہے، اس لئے یہ اشعار کتابوں میں اربابِ ذوق کی زبانوں

پر جاری و مکتوب ہیں۔ رودکی کے کلام میں سب سے مشہور اور بہترین نمونہ وہ اشعار ہیں جو شاہ بخارا کو ہرات سے مضطربانہ بخارا لے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اُن اشعار میں لذت ہے اور لطف و ذوق سے بھی خالی نہیں لیکن شبنم سے ایک پیاسے کی کیا تسکین ہو سکتی ہے۔ واقعہ اُن اشعار کا یوں ہے کہ شاہِ بخارا ہرات پہنچتا ہے اُن اطراف کی نزہت فزا آب و ہوا اُس کے دامن گیر ہو جاتی ہے۔ ایک خوش گوار و روح پرور موسم جب گزر جاتا ہے تو دوسرے موسم کا اشتیاق پاؤں کا زنجیر ہو جاتا ہے۔ ہرات کے سرسبز و شاداب خطے اور سیستان و مازندران کے لذیذ و خوش بو میوے چار برس تک بادشاہ کی مہماں نوازی کرتے رہے۔ اس مدت دراز میں اعیانِ دولت و وابستگانِ سلطنت وطن کی دوری اور سفر کی زندگی سے چیخ اُٹھے رعبِ شاہی سے کسی کو لب ہلانے کی طاقت بھی نہ تھی۔ رودکی دربارِ شاہی کا شاعر تھا اور گانے میں بھی بدرجۂ کمال ماہر تھا۔ سبھوں نے مل کر پانچ ہزار اشرفیوں کا وعدہ رودکی سے اس شرط پر کیا کہ وہ اپنی نظمِ دل گداز اور نغمۂ داؤدی سے بادشاہ کو وطن کی یاد دلائے۔ رودکی بادشاہ کی مجلس میں اُس وقت جب کہ وہ جام و صراحی سے داد انبساط دے رہا تھا حاضر ہوا اور اپنے درد بھرے لحن میں اپنا برجستہ کلام یادِ وطن میں گانا شروع کیا۔ یہ سحرِ حلال بادشاہ پر چل گیا۔ اُس کی بے چینی بڑھی اور ایسا مضطربانہ گھوڑے پر سوار ہوا کہ موزہ بھی پہن نہ سکا۔ رہوار تیز رفتار کو خیز کیا اور جب تک ایک منزل طے نہ ہوئی گھوڑے کی باگ نہ روکی۔ وہ اشعار بہت تھے لیکن افسوس کہ اب بجز چند اشعار کے جو تذکروں میں منقول ہیں، یاد نہیں ملتے ہے

بوے جوے مولیاں آید ہمی — یادِ یارِ مہرباں آید ہمے

ریگِ آموں با درشتی ہاے او — زیرِ پایم پرنیاں آید ہمے

آبِ جیحوں باہمہ پہناوری — خنگِ ما را تامیاں آید ہمے

اے بخارا شاد باش و شاد زی — شاہ سویت میہماں آید ہمے

شاہ سروست و بخارا بوستاں — سرو سوئے بوستاں آید ہمے

شاہ ماہ ہست و بخارا آسماں — ماہ سوے آسماں آید ہمے

یہ دلکش قصیدہ ایک مدت تک مقناطیس کی طرح لوگوں کے قلوب کو اپنی جانب کھینچتا رہا۔ بعض شعرا نے اس پر طبع آزمائی بھی کرنی چاہی لیکن اس کے مقابل میں نہ آسکے۔ وجہ اس کی صاف ہے۔ شاعر خود چار برس تک وطن سے دور رہا، یادِ وطن جس جس طرح دل میں چٹکیاں لیتی ہوگی اس درد کی لذت کسی غریب الوطن سے پوچھنی چاہیے۔ اس پر پانچہزار اشرفیوں کا وعدہ

طمع زر کا اثر جذبات پر

حطیہ جو عرب کا مشہور شاعر ہے اس سے کسی نے سوال کیا کہ سب میں بڑا شاعر کون ہوتا ہے، تو اس نے اپنی زبان باریک مثل سانپ کے نکال کر کہا کہ یہ جس وقت طمع سے لذت آشنا ہو جائے۔ اسی طرح احمد بن یوسف نے ابو یعقوب شاعر سے کہا کہ کاتب برامکہ محمد بن منصور بن زیاد کی شان میں تیرے مدائح بھی ہیں اور مراثی بھی۔ لیکن جو جودت اور شاعرانہ تخیل کہ مدح میں ہے مراثی اس سے بالکل خالی ہیں۔ ابو یعقوب نے کہا کنا یومئذ نعمل علی الرجاء ونحن الیوم نعمل علی الوفاء وبینہما بون بعید (یعنی اس وقت جو ہم مدح کہتے تھے تو امیدیں وابستہ تھیں اور اب جو مرثیہ کہتے ہیں یہ تو محض وفاداری ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے)

پھر پانچ ہزار اشرفیوں کی جھنکار نے اگر رودکی کے شاعرانہ جذبات و احساسات کو تیز کر دیا ہو تو کیا تعجب ہے۔ وطن کی یاد پردیس کی تکلیف اور اشرفیوں کی اُمید نے تڑپ تڑپ کر ان اشعار کی صورت اختیار کی۔ اس لئے ان میں اُس وقت بھی لذت و لطافت تھی اور آج بھی ذوق سے خالی نہیں۔ ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

لیکن اگر تامل صادق سے کام لیا جائے تو دور اوّل کے پہلے شاعر کی خصوصیت یہاں بھی نمایاں ہے۔ رودکی نابینا ہے وہ پانی کی لہروں اور موج کے تلاطم کو دیکھ نہیں سکتا اُس کی حس باصرہ لب دریا کے سبزہ زار اور وہاں کی شادابی سے خنک نہیں ہوتی پس اُس کا دماغ اُس تخیل سے بالکل صاف ہے۔ قوت شامہ موجود ہے وہ اپنا کام کرتی ہے پانی کی مہک سونگھتا ہے لیکن اُس کی روانی وسیلاب کا پتہ بھی نہیں دریا کے ریگ پر گزرتا ہے لیکن یہاں بھی آنکھ کا کام وہ اپنے قدم سے لیتا ہے۔ موٹے موٹے ریت کے دانے نہ سخت معلوم ہوتے ہیں نہ پاؤں جلاتے ہیں نہ تلووں میں چبھتے ہیں بلکہ نرم ہو کر قدموں کے نیچے پرنیاں کے فرش ہو جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ حب وطن کا ہے۔ دیگر اشعار کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے لیکن کیا اگر طبقۂ ثانی کے شعرا ہوتے تو اپنے وطن کا راگ اسی سادے لحن میں گاتے نہیں کبھی نہیں۔ وہ کم از کم ریگ کے ایک ایک ذرہ کو آفتاب اور ہر ایک سبزہ کو گلستان ارم و باغ جناں بنا دیتے۔ موج وحباب کو جب بیان کرتے تو ایک دریا بہا دیتے رودکی بڑا پرگو شاعر گزرا ہے۔ اُس پر بادشاہوں کی قدردانی و عزت افزائی، درہم و دنیار کی بارش نے کبھی اُس کو خاموش بیٹھنے نہ دیا۔ ایک لاکھ تک اُس کے اشعار کا شمار بعضوں

نے کیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب اشعار کی تعداد اس قدر ہو تو پھر اُس میں سب طرح کے مضامین ہونگے۔ تذکروں میں جو رودکی کا کلام منقول ہے اُس میں ہر جنس موجود ہے۔ جا بجا مضمون آفرینی بھی ہے۔ کہیں کہیں تشبیہ و استعارے کا بھی لطف ہے۔ اخلاق و موعظت کے پاک و شیریں مضامین بھی موجود ہیں۔ کہنہ مشق دیرینہ سال شاعر کا جب جی چاہتا ہے تو عشق و حسن کے ناز و نیاز بھی کر لیتا ہے۔ قصیدے کی تشبیب میں غزل کا لطف آجاتا ہے۔ اور گریز میں بھی اس کی قوت و قابلیت نمایاں ہے۔ لیکن با این ہمہ شاعری کو ابھی بہت کچھ ہونا ہے اس لئے وہ اپنا قدم نہایت سرعت و تیزی سے آگے بڑھائے جاتی ہے۔

فردوسی اور اسدی طوسی

اس دور کا آخر شاعر فردوسی ہے۔ اُس نے شاہنامہ کیا لکھا اپنی اُس قوتِ دماغی اور جودتِ ذہن کا جو بشر میں ایک عطیۂ الٰہی ہے کامل ثبوت دیا ہے۔ اس نے یہ یہ مثنوی لکھکر ثابت کر دیا کہ انسان کی دماغی قوت اعلیٰ نمونہ صانع بیچوں کے صنعت کا ہے۔ میدانِ جنگ کی تصویر تو ایسی کھینچتا ہے کہ ہو بہو فوٹو ہوتا ہے۔ اس کا کلام و کمال کسی کی تحسین اور روشناسی کا محتاج نہیں۔ ع

حاجتِ مشاطہ نیست روے دل آرام را

یہ کہنا ایک امر واقعی کا بیان کرنا ہوگا کہ فردوسی ہی کی بدولت معانی کی کمی انتہائے کمال پر پہنچکر اپنی شان کا جلوہ دکھانے لگی۔ لیکن الفاظ اپنے بناؤ سنوار کے لئے ہنوز مضطر ہیں۔ گو بہت سے الفاظ متروک ہو چکے محاورات بھی بدل گئے لیکن پھر بھی شعر کی نزاکت و لطافت ان ثقیل الفاظ کے بوجھ سے دبی جاتی ہے۔ مثلاً فردوسی کہتا ہے ؎

برستم دہم تخت و گنج و کلاہ   نشانمش برجاے کاوس شاہ

یہاں متحرک کا ساکن ہونا فصاحت پر کس قدر ناگوار ہے۔

سیا مک برآمد برہنہ تنا   بیاویخت باپور اہرمنا

الف کی زیادتی قافیہ میں کیسی بدنما ہے۔

ایک موقع پر چاند سے خطاب کر کے بہت سے شعر لکھے ہیں اُن میں کا ایک شعر یہ ہے

بہ سی روز گیتی بہ پیمایدا   دو روز و دو شب روے ننمایدا

یہاں فعل میں الف کی زیادتی اُسی طرح بھدّی ہے۔

کہ درمانِ این کار یزداں کند   مگر کیں غماں بر تو آساں کند

اگر عمر باشد مرا سالیاں   بہ خدمت بہ بندم کمر برمیاں

جمع کا الف جہاں چاہتا ہے لگا دیتا ہے چاہے فصاحت اس زیادتی کو برداشت کرے یا نہ کرے اگرچہ ضرورتِ شعری ایک ایسی ضرورت ہے جس کے لئے ہر نا روا روا ہے لیکن الفاظ کا یہ بھدّا پن آخر دور میں قطعاً ناجائز قرار دیا گیا۔ اسی دورِ اوّل کا شاعر اسدی طوسی ہے جس کے کمال نے یہ بے بنیاد روایت وضع کرائی کہ یہ فردوسی کا اُستاد ہے اور شاہنامہ کی تکمیل اسی کے زبردست قلم کا نتیجہ ہے۔ اسدی طوسی فردوسی کا اُستاد تھا یا نہ تھا اس وقت اسے جانے دیجئے لیکن یہ تو محقق ہے کہ شاہنامہ اُس کے زورِ قلم کا مرہون نہیں بہرحال دو چار شعر اُس کے بھی ملاحظہ ہوں۔ اسدی طوسی ؎

چو خورشید آں چادرِ قیر گوں   بدرّید و از پردہ آمد بروں

ہوا ابر گشت از بخور عبیر   بخندید بمّ و بنالید زیر

الفاظِ فارسیہ میں تشدید زبان پر کس طرح اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ اسدی طوسی سبب تالیف کتاب میں کہتا ہے ؎

بسازم یکے بوستاں چوں بہشت   کہ خندد ز خوشّی بر اردے بہشت

یہاں بھی وہی تشدید کی ثقالت فصاحت کو دبائے دیتی ہے۔

پہلا دور ختم ہوا۔ رودکی۔ اسدی طوسی۔ عنصری۔ فرخی۔ فردوسی اس دور کے باکمال شعرا تھے جن میں رودکی کو اوّلیت کی فضیلت حاصل ہے اور فردوسی کو خاتمیت کا فخر ہے۔

دوسرا دور | اب شاعری کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس طبقے میں خاقانی، انوری، نظامی، حکیم سنائی۔ مولانا روم و عمر خیام وغیرہ گزرے۔ دونوں دور کے شعرا میں یہ فرق ہے کہ پہلے طبقے کے شعرا قدرتی طبیعت سے شعر کہتے تھے پاس کی چیزوں سے تشبیہ لاتے اور پیش نظر اشیا سے استعارہ لیتے لیکن دورِ ثانی میں انھوں نے زیادہ غور پیدا کیا۔ عرب کے علوم ملک میں عام ہو گئے تھے۔ بلاغت کی کتابیں فارسی میں لکھی جا چکی تھیں اس لئے عربی الفاظ کا قبضہ زیادہ ہوا پھر الفاظ و معانی کو صنائع و بدائع نے علمی رنگ دیا۔ دورِ اوّل میں سادگی سنگینی و استواری تھی اب رنگینی لطافت اور ملائمت پیدا ہو گئی۔

خاقانی۔ خاقانی ابتدائی کیفیت اور خاتمۂ مطالب کو نہایت خوبی کے ساتھ نظم کرتا ہے قصائد اس کے لاجواب ہیں حسّان العجم کا اس کو لقب حاصل تھا۔

نظامی ۔ نظامی مثنوی کے بادشاہ ہیں ان کے کمال کی شاہد ان کی پانچ مثنویاں ہیں جو خمسۂ نظامی کے نام سے مشہور ہیں۔ اُنھوں نے نظم نگاری میں نیا رنگ پیدا کیا۔ تشبیہہ و استعارے کو رنگینی و قوت کے ساتھ برتا۔ ان کے پیچ میں بھی بانکپن ہے ان کا کلام تمام لطافت و نزاکت سے لبریز ہے۔ فردوسی کے بعد رزمیہ مضمون کوئی دوسرا ان سے بہتر تو کیا برابر بھی نہ لکھ سکا۔

انوری ۔ انوری نے کلام میں مضمون آفرینی پیدا کی استعارہ کو لیا اور خوش ادائی سے برتا۔ قصیدہ کہنے میں اُستاد ہے۔

حکیم سنائی ۔ حکیم سنائی پہلے شخص ہیں جنھوں نے تصوف کو مستقل طور پر نظم میں لکھا ہے۔ حدیقہ ان کی مشہور کتاب ہے۔ پختگی برجستگی اور صفائی میں ان کا کلام تمام معاصرین سے ممتاز ہے۔

مولانا رومی ۔ مولانا رومی تصوف کے بادشاہ ہیں علم کلام و تصوف کے اہم ترین مسائل دل گیر و دل پذیر طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ مثنوی آپ کی چھ جلدوں میں شش جہات عالم میں فیض رساں ہے۔ عربی فارسی میں متعدد شرحیں لکھی گئیں اربابِ سلوک آج تک اس کا درس دیتے ہیں۔ اور حق تو یوں ہے کہ مرد راہِ رفتہ کے سوا کوئی دوسرا اُسے سمجھ بھی نہیں سکتا۔

عمر خیام۔ عمر خیام علوم عقلیہ میں کمال رکھتا تھا اقسام شعر میں اس کی رباعیاں ہیں جنہوں نے اس کو زندہ رکھا ہے مسلمانوں سے بڑھکر اہل یورپ نے اس کے ساتھ اعتنا کیا۔

تیسرا دور — دوسرا دور بھی ختم ہوتا ہے معانی والفاظ دونوں ترقی پاکر اس دور میں کامل ہو چکے ہیں اب تیسرا دور شاعری کا شروع ہوتا ہے۔ اس طبقے کے بہترین نمونہ سعدی۔ امیر خسرو اور حافظ ہیں۔ اس عہد میں غزل خوانی کی بڑی دھوم مچی سلاطین و اُمرا کی خوشامدوں میں خوب خوب قصیدے لکھے جانے لگے عاشقانہ مثنویوں کا رنگ گھٹا ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چنگیز خاں کے مشہور حملہ نے جو ۶۱۷ھ میں واقع ہوا دلوں کو ایسا سرد کر دیا تھا کہ بہادری و شجاعت کا خیال سروں سے جاتا رہا شعرا غزل و قصائد سے دلوں کو خوش کرنے لگے۔ مردانہ خیالات اس وقت سے جو مٹنے لگے تو آخر نیست ہو کر ہی رہے۔

پانچویں صدی کی شاعری — پانچویں صدی میں حسینوں کی بزم ہر طرح کے سامان اسلحہ سے آراستہ پائی جاتی تھی۔ ابرو کمان تھے جن سے تیر مژگاں چل کر دلوں میں ترازو ہو جاتے تیوری بدلی اور ابرو خنجر ہو گئے۔ مژگاں نیزے بن گئے غرض معشوقوں کی بزم میں عشاق کے پہنچنے کی دیر تھی۔ یہ پہنچے اور رستم اور اسفندیار کے میدان جنگ گرد برد لیکن چھٹی صدی میں رنگینی و نزاکت بڑھی، مزاجوں میں تغیر پیدا ہوا طبیعت میں چستی و شجاعت نہ رہی راحت پسندی غالب آئی۔ آخر اس کا اثر کلام پر بھی پڑا رفتہ رفتہ ایک وہ وقت پہنچا کہ رزمیہ کلام میں بھی ساغر و مینا کے دور چلنے لگے تشبیہیں بدل گئیں۔ اب سپاہی میدان کارزار میں بھی جو پہنچتا ہے تو عشق کے نشہ میں چور جاتا ہے۔ قدسی، قاسم، کلیم، علی قلی

تسلیم کی رزمیہ مثنویاں اس پر گواہ ہیں۔ بہرکیف یہ دور بھی ترقی سے خالی نہ رہا۔ زبان زیادہ صاف ہوگئی اور مضمون آفرینی نے بہت ترقی کی۔ خاقانی وانوری وغیرہ جو علمی اصطلاحات سے زبان کو زیربار کرتے تھے یہ بات جاتی رہی۔

سعدی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ اس طبقے کے نہایت شیریں کلام شاعر ہیں ان کا مضمون آج تک پھیکا نہوا نظم ہو یا نثر اصنافِ سخن پر قدرت رکھتے ہیں ان کے کلام میں استعارے بھی ہیں لیکن پیچیدہ نہیں۔ صفائی دکھاتے ہیں اور لطف بڑھاتے ہیں مبالغہ واستغراق سے کام نہیں لیتے۔ ان کا کلام دین و دنیا کی سودمند نصائح سے پُر ہے۔ اخلاقی مضامین کو ان کے مثل کسی نے نہیں ادا کیا۔ مخلوق کی دردمندی ان کے ہر رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ تجربہ کامل تھا اور سیاحت وسیع اس لئے جو ان کی زبان سے نکلتا ہو وہ دل میں جا بیٹھتا ہے۔ گلستاں، بوستاں، دادین وقصائد ان کی مشہور تصانیف ہیں لیکن غزل کا رنگ بدلنے والے، اور سوز و گداز کے ساتھ وقوعہ گوئی کی بنیاد ڈالنے والے بھی شیخ سعدی ہی ہیں اس لئے من حیث شاعر انھیں غزل کا استاد تسلیم کیا گیا ہے۔

امیر خسرو۔ امیر خسرو کے والد امیر سیف الدین ترکستان سے آئے تھے۔ امیر خسرو نے گو ہندوستان میں ولادت اور تربیت پائی تھی، مگر دماغ یدِقدرت سے وہ ودیعت ہوا تھا کہ ایجاد مضامین کا طلسم خانہ تھا۔ انہوں نے صنائع لفظی و معنوی کا عجائب خانہ کھول دیا۔ تصانیف کی یہ کثرت ہے کہ ہمیشہ اُن کا سمیٹنا دشوار رہا اور آج دشوار تر ہے۔

حافظ۔ خواجہ حافظ کا دیوان مشہور ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ چند قصیدے

برلے نام ہیں مگر غزل ایسی لکھ گئے کہ آج تک اُن کا جواب نہیں۔ نہ تصنع ہے نہ تکلف جیسی گزری ہے ویسا لکھا ہے۔ عرفان وحقائق کا ایک بے بہا گنجینہ ہے جس پر نقوش حروف کے قفل چڑھے ہوئے ہیں۔ ارباب بصیرت عینک کی طرح اپنی نگاہوں پر لگائے پھرتے ہیں۔

جامی۔ جامی علیہ الرحمہ کا زمانہ سنہ ۹ ہجری ہے۔ ناظم ہروی نے امیر خسرو کے بعد شاعری کو ان پر ختم کر دیا ہے جیسا کہ اُس کے ایک شعر سے ظاہر ہے ؎

زخسرو چو نوبت بجامی رسید زجامی سخن را تمامی رسید

علاوہ عام شاعری کے صوفیانہ طرز میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ نقشبندیہ طریق کی تعلیم و مراقبات کی طرف عجب لطف سے اپنے کلام میں اشارہ کرتے ہیں۔

چوتھا دور | اب تیسرا دور بھی ختم ہوا اور شاعری کے لئے گرانمایہ متاع چھوڑ گیا۔ سنہ ۹ ھ کے بعد چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔ فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، ابوطالب کلیم، مرزا صائب اس دور کے ممتاز ارکین ہیں۔ اگرچہ اس دور میں قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی ان تمام اصناف کا بڑا ذخیرہ پیدا ہوگیا لیکن فی الحقیقت یہ عہد ترقی غزل کا انتہائی اور آخری زینہ تھا اس دور کی یہ خصوصیت ہے کہ جو بات کہتے ہیں وہ پیچ دیکر کہتے ہیں۔ دُور کی راہ سے سامعین کی فہم کو مطالب تک لاتے ہیں اور داد لیتے ہیں استعارہ کو استعارہ در استعارہ اور مجاز کو مجاز اندر مجاز کر کے معنوں میں نزاکت اور باریکی پیدا کرتے ہیں اس لئے بہت سے اشعار کی باریکی معشوقوں کی کمر کو بھی بار نزاکت سے خم کر دیتی ہے۔ اور کبھی گم بھی ہو جاتی ہے مثال کے لئے کسی شاعر کا ایک شعر کفایت کرتا ہے ؎

تا کے از عکسِ تو آئینہ گلستاں گردد   سوئے عاشق نگہے تا ہمہ تن جاں گردد

اس شعر کے سمجھنے کے لئے پہلے ان باتوں کو ذہن میں مجتمع کر لیجئے۔ معشوق کا قد سرو شمشاد ہے، آنکھیں نرگس کے پھول ہیں، رخسار گلابِ شگفتہ ہے، زنخداں سیب ہے، خط سبزہ ہے، زلف تختۂ سنبل ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب جو معشوق آئینہ دیکھتا ہے اور اُس کا عکس شیشے پر آتا ہے تو گویا آئینہ گلستان ہو جاتا ہے یہ تو پہلے مصرع کا حال ہوا۔ دوسرا تو اس سے بھی زیادہ دشوار ہے۔

اسی طرح اس دور میں مضامین کی بنیاد محالات اور دور از قیاس ایہام پر ہے۔ الفاظ کی نئی تراشیں اور نئی ترکیبیں کثرت سے پیدا ہو رہی ہیں حقیقت و قعیت سے بیگانگی اور بے بنیاد خیالات سے رشتہ جوڑا جا رہا ہے۔ مثلاً پہلے مے کدہ و آتش کدہ وغیرہ مستعمل تھے اب نشتر کدہ و مریم کدہ وغیرہ ترکیبیں پیدا ہوئیں۔ پہلے "یک گلشنِ گل" کہتے تھے اب "یک آغوشِ گل" کہنے لگے۔ اس طرح کی ترکیبیں فیضی اور عرفی نے کثرت سے پیدا کیں مثلاً

مصرع شکن بروے شکن خم بروے خم چینند

مصرع موج بر موج شکستم چو بہ عماں رفتم

مصرع روے بروے حسن کن دست بدستِ نازدہ

اس دور میں عرفی کی قصیدہ خوانی ایک خاص خصوصیت رکھتی ہے۔ غزلیں بھی اس کی باسوز و گداز ہیں لیکن صائب کا کلام پھیکا اور سیٹھا ہے۔ اس نے شاعری کیا کی ہے خشک علمی مباحث ردیف و قافیہ میں بیان کئے ہیں۔ یہ دور بھی ختم ہوا اور اس کے ساتھ ہی ایران میں شاعر

بھی ختم ہوئی۔ اب ہند کی سرزمین میں حافظ و سعدی کا انداز آگیا تھا۔ لیکن الفاظ ایک ہی طرح میں گردش کرتے کرتے اپاہج ہو گئے تھے۔ کسی طرح کی کوئی ترقی نہ ہو سکی۔ ہندیوں نے ایرانی انداز کو زندہ رکھا مگر زندگی کے آثار اس میں نہ پیدا کر سکے۔ پھر بھی فارسی شاعری اہل ہند کی ایرانیوں سے زیادہ مرہونِ منت رہی۔ دہلی، بلگرام، پٹنہ وغیرہ میں ایسے باکمال شعرا اُٹھے جن کا کلام اپنے اپنے وقت میں سکۂ رائج الوقت سمجھا گیا۔ مرزا عبدالقادر بیدل، میر غلام علی آزاد بلگرامی اور یادش بخیر خاتم الشعرا غالب دہلوی۔ کیا کچھ احسان فارسی زبان پر نہ کر گئے۔ مدتوں بعد ایران میں قاآنی پیدا ہوا۔ اور اُس نے شاعری کی کایا پلٹ کرنی چاہی لیکن اس کی شاعری کوئی نئی شاعری نہ تھی۔ وہی چبائے ہوئے نوالے تھے جو پھر منہ میں پھیرے جاتے تھے۔ اس نے قصیدے خوب خوب کہے۔ شوکت الفاظ کا بادشاہ ہے۔ بہاریہ مضمون خوب ہی کہتا ہے۔ بہرحال ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند　　　تہی خم خانہا کردند و رفتند

فارسی شاعری کی لفظی و معنوی خصوصیات

اس کے بعد کہ نظم فارسی کی آفرینش اور عہد بعہد ترقی و کمال اور پھر اس کے زوال کی تاریخ معلوم ہو چکی اب ایک اجمالی نظر اُن خصوصیات پر ڈالنی چاہیے جو فارسی شاعری میں باعتبار معانی و الفاظ پائی جاتی ہیں۔ ایران میں شاعری نے جب آنکھیں کھولیں تو اس وقت عرب کی شاعری بالکل متبدل و متغیر ہو چکی تھی اس کی یہ وجہ تھی کہ مقدس اسلام جب سرزمین عرب پر بارانِ رحمت ہو کر برسا تو کلام مجید کی فصاحت و بلاغت شیرینی و لطافت دل آویزی و روح پروری کے سیلاب نے شاعری کو

خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت کا مشہور شاعر لبیدؔ بن ربیعۃ العامری جو سبعہ سیارگان معلقات میں مثل آفتاب کے درخشاں ہے مشرف باسلام ہو کر نظم قرانی کا ایسا والہ و شیفتہ ہوا کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جب کہ اُس شاعر غرا کے پاس یہ پیام بھیجا کہ کچھ تازہ کلام اپنا بھیجو تو اُس نے جواب دیا کہ جاہلیت کے رزمیہ و بزمیہ ہر طرح کے کلام موجود ہیں جس قدر آپ فرمائیں بھیجدوں لیکن اب کہ قران میرے سامنے ہے اس کے آگے تمام شاعری عرب کی بے مزہ اور پھیکی ہے۔ اُس کی تلاوت میں وہ حلاوت ہے کہ شعر گوئی سے طبیعت سیر ہے۔ اس واقعہ سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسلام کی برکتوں نے حکمت نظریہ و عملیہ کی طرف عربوں کو ایسا مصروف کرلیا کہ شاعری کے بازار سرد ہو گئے لیکن بوقت ضرورت جب کوئی کچھ کہتا تو اُس میں وہی عربی شان ہوتی۔ بنو اُمیّہ کے عہد میں خلافت نے صورت سلطنت کی اختیار کی۔ اس کا بہت ہی بُرا اثر ملک اور اہل ملک کے جذبات پر پڑا لیکن پھر بھی سلف کا ایک دھندلا سا نشان ہنوز باقی تھا۔ مگر جب کہ خلفاے عباسیہ کا دورہ آیا اور ان کے عہد میں عجمی معاشرت اور اہل عجم کی ہمہ گیری تمام دربار پر چھاگئی مسلمانوں کا امیر عجمی سلاطین کے نقش قدم پر گام فرسا ہونے لگا تو پھر اُس وقت شاعر شاعر نہ رہا۔ بلکہ بھانٹ بن گیا۔ اور یہی وہ عرب تھے جو اہل ایران کو شاعری کا سبق دیتے تھے۔

جوہر ذاتی کا فقدان فارسی شاعری جب اپنے قدموں پر کھڑے ہونیکے قابل ہوئی تو اُس نے نظر اُٹھاکر جو دیکھا تو اپنے ہی عجمی اخلاق و سیرت کو عربی لباس پہنے ہوئے نظموں میں

چلتے پھرتے پایا۔ اساتذہ کو اُنہوں نے دولت و سلطنت قوّت و طاقت کے آگے شرافت انسانی و کرامتِ ذاتی کو نہایت فیاضی سے نثار کرتے ہوئے پایا۔ پھر اہل ایران تو صدیوں سے محکوم رہکر فضائلِ انسانی کو نہایت بے جگری سے تصدّق کرنے کے عادی ہی ہو رہے تھے اور اس میں ان کی مشق پشتہا پشت سے چڑھی ہوئی تھی۔ اُنہوں نے سلاطین و اُمرا کی شان میں قصیدے کہے اور بے ضغطۂ زبان جو چاہا وہ کہہ گزرے اور جس حد تک قوّتِ بشری نے اُن کی یاوری کی قصائد میں اپنی پستی و تذلل کا اظہار کیا۔ اس لئے فارسی شاعری میں جوہر ذاتی کا بیان آپ کو خال خال بھی نہ ملے گا۔ کوئی نظم ایسی نہ ہوگی جس نے ملک کے حق میں یا قوم کے حق میں شریف و باوقار انقلاب پیدا کیا ہو۔ کسی شاعر کا کلام باوجود جستجو کے بھی ایسا نظر سے نہیں گزرے گا جس سے خودداری غیرت حمیت ابا نفس زندگی کے صحیح آثار پائے جائیں۔ غرض کہ عربی شاعری کی وہ خصوصیات معنوی جو اوپر گزر چکیں اُس کا نام و نشان بھی ایران کی شاعری میں نہیں۔ اور حق تو یوں ہے کہ ہو بھی کیوں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ محکوم و مفتوح قوم اپنے لئے نہیں پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کے وجود اور کمال کا صرف یہ مقصد رہ جاتا ہے کہ وہ سلطنت اور اُس کے ارکان و اعیان کی گردشِ چشم و ابرو کو دیکھا کرے۔ اُس کو اپنی ذات سے نہ کسی سے جنگ ہے نہ صلح اُس کے کمالاتِ اکتسابیہ نہ ملک کے لئے ہیں نہ قوم کے لئے بادشاہ کا حکم اُس کو میدانِ قتال میں پہنچاتا ہے اور اُس کا قہر و غضب اُسے شجاع و بہادر بناتا ہے۔ پھر اُسی کا حکم اُس کو صلح پر آمادہ کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کے کمال کا تعدیہ اور نفع اُسی جگہ اور اُسی مقدار میں پہنچتا ہے جس قدر

اور جس جگہ منشاء سلطانی ہو۔ پس ایران کی شاعری اگر ایسے مضامین عالیہ سے خالی و عاری رہی تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔ صدیوں کی مسلسل محکومیت اسی کی مقتضی تھی کہ اُن کی زبانیں ثنائے ملوک و اہل دول و ارباب سطوت کے لئے وقف ہوں حکومت کے مقابلہ میں ہمیشہ وہ اپنے نفس کو ذلت و پستی میں دیکھکر خوش ہوں۔

(۱) پند و موعظت

ایرانی شاعری کی خصوصیات ایجابی

ہاں بعض مضامین فارسی میں ایسے بھی ہیں جن سے نظمِ عربی کا سلک خالی ہے، اور یہی فارسی نظم کی ایجابی خصوصیت ہے اور بہت بڑی خصوصیت ہے۔ اور وہ تاریخ موعظت و اخلاق اور صوفیانہ کلام ہے۔ فارسی شعرا میں کثرت سے ایسے باکمال آپ کو ملیں گے جنہوں نے اپنی شاعری کی قوت انھیں مواعظ حسنہ پر خرچ کی۔ اور ان پاکیزہ مضامین کو کچھ ایسے اخلاص اور درد بھری آواز سے کہہ گئے ہیں کہ نفوسِ قدسیہ اُس کو پڑھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔ نظم میں تاریخیں لکھ گئے جن سے واقعات اور اُس کے ساتھ بہت سے جزئیات معاشرت تمدن و طرز جنگ کے متعلق حیاتِ جاوید پا گئے۔ ایسے مضامین کا بیان مثنوی کا مقتضے تھا۔ اور یہ صنف عرب کی شاعری میں نہ تھی۔ اس لئے عربی شاعری ایسے مضامین سے محروم رہی۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے کلام پاک کے مجموعے یا ابن الفارض و محی الدین عربی و ابن الوردی کے کلام سے ہم ناآشنا نہیں۔ لیکن فیمانحن فیہ سے اُس کا کیا علاقہ۔

قصائد عربیہ بہت کچھ وضع لباس معاشرت ملکی جغرافیہ صلح و جنگ پر روشنی ڈالتے

ہیں مگر تاریخ کا منصب اُنھیں کسی طرح نہیں دیا جاسکتا۔ اس کی وجہ جو کچھ بھی ہو۔ لیکن یہ کہنا کہ مثنوی کی ایجاد اہل ایران کی خصوصیات میں سے ہی ایک امر واقعی کا اظہار ہوگا۔

(۲) غـزل

دوسری خصوصیت نظم فارسی کی غزل سرائی ہی۔ اس کے ایجاد و ایزاد کا سہرہ بھی اہل فارس ہی کے سر بندھا۔ عربی زبان میں غزل تو اُس راز و نیاز کی گفتگو کو کہتے ہیں جو خود عورتوں سے کی جائے یا اُن کے متعلق کی جائے لیکن فارسی میں نظم کی ایک صنفِ مستقل کا نام ہی جس میں واقعات و کیفیات و جذبات عشق و عاشقی کو سوز و گداز سے بیان کرتے ہیں۔ عربی میں قصائد کی تشبیب و نسیب کو چاہے غزل کہدیا جائے۔ لیکن حق تو یوں ہی کہ وہ غزل نہیں ہی۔ یہ اہل ایران کی ایجاد ہی۔ اور وہی اس کو کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ بوالہوس اپنی ہوسناکیوں کو غزل میں الاپتے ہیں اور اہل دل صوفی اپنی واردات قلبیہ کو اسی عشق و حسن وصل و فراق کے استعارے میں کہہ گزرتا ہی۔ عارف کو اُن اشعار سے راہ ملجاتی ہی اور ناآشنا خط و خال میں اُلجھ کر اُس سے بے خبر رہ جاتا ہی۔ سچ فرمایا مولانا روم علیہ الرحمہ نے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔۔۔ گرچہ ماند در نبشتن شیر و شیر

مدارج محل محبت مختلف ممالک میں

یوں تو عشق کی عالمگیری و ہمہ گیری ظاہر ہی ہی۔ لیکن اس نے جو وسعت کہ ایران میں آکر پائی وہ اسے کسی دیار میں نصیب نہوئی۔ ہند کی سرزمین میں عورت مرد پر عاشق ہی۔ اور اکثر وہ مرد اُس کا شوہر ہی ہوتا ہی۔ اس سرزمین کا خاصہ

ہے کہ عورت میں وفاداری واطاعت شعاری بے انتہا ہو جب تک شوہر زندہ ہے اُس کی راحت
خدمت میں وقف ہے۔ جب وہ مرا تو اُس کے ساتھ جل کر اپنی وفا و عشق کا ثبوت دیا۔ پس
یہاں کی شاعری میں قبل اسلام جو عورت مرد پر عاشق ہوتی ہے وہ یہاں کی عورت و
مرد کے تعلقات اور اس کے لوازم کی روشن برہان ہے۔

عرب میں مرد عورت پر عاشق ہے جو بالکل فطرتی و خلقی ہے۔ لیکن ایران کا عشق فطرت پر
کب قناعت کرنے والا تھا یہاں اُس نے یہ سب مراحل و منازل طے کرتے ہوئے مرد کو مرد پر
عاشق کیا اور اس طرح عشق و لوازمات عشق کے لئے گوناگوں رنگینیاں پیدا ہوئیں
جن کا قبل میں نام ونشان بھی نہ تھا۔ پھر کیا تھا ؎

یہ عشق کی بیبا کی سب تجھکو سکھا دیگی   اے حسن حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی

کمالِ عشق تو یہ ہے کہ لڑکا ابھی مکتب میں ہے حرف شناسی بھی اُسے نہیں آتی لیکن
عشاق ہیں کہ پروانوں کی طرح گرے پڑتے ہیں شعر ملاحظہ ہو ؎

تعلیمِ جفا کردہ وفا ہیچ نیاموخت   زیں درسِ غلط بحث بر اوستادِ تو دارم

دوسرا شعر ؎

بمکتب میرود طفلِ پری زاد   مبارک باد مرگِ نو باُستاد

اب معشوق کے عہد طفلی سے متعلق انواع و اقسام کے مضامین پیدا ہو گئے۔

خدا خدا کرکے وہ لڑکا جسے شعور سے پہلے معشوق بننا پڑا تھا اور علم شروع کرنے سے بہت
قبل اُسے سند معشوقیت بارگاہِ عشاق سے دی گئی تھی جوان ہوتا ہے۔ مسیں بھیگتی ہیں

خط نمودار ہوتا ہی اُس وقت عشاق آتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر کہتے ہیں

گفتم زغمت دارِ ہم از سبزہ و میدان — دردا کہ زخطِ حسن رخت گشت وبالا

دیگر

حسنِ سبزِ بخطِ سبز مرا کرد اسیر — دام ہمرنگِ زمیں بود گرفتار شدم

خط و سبزہ کے مضامین | اسی خط اور سبزہ سے شعرا نے گوناگوں مضامین پیدا کئے۔ عرب غریب ان باتوں کو کیا جانے یہ تو خصوصیات ایران ہیں۔ اب اس سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو بچہ بدو شعور سے پہلے معشوق بنا ہو اور جوانی تک معشوق رہا ہو وہ جب عاشق بن کر شعر و سخن کے میدان میں اُترے گا تو بالیقین اُس کے کلام میں نزاکت و لطافت اور ایک طرح کی لچک و شیرینی ہوگی۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جن سے ایک غزل کی آرایش ہوتی ہی یہ ظاہر ہی کہ ایسے شاعر کے منہ سے جو بات نکلے گی وہ نازک و لطیف ہی بن کر نکلے گی عشق اور اُس کے معاملات و واقعات کو اس سے بہتر کون جان سکتا ہی مصرع

باشیر اندروں شد باجاں بدر برآید

اثمہا اکبر من نفعہا | یوں تو عاشق و معشوق کے ناز و نیاز کو ہر دل جانتا ہی۔ مگر اس جاننے اور اُس جاننے میں آسمان و زمین کا فرق ہی۔ یہاں خود حدیثے نقد حال ماست آں کا قصہ ہی وہاں دوسروں کی سُنی سُنائی باتوں پر اکتفا ہی۔ اس میں شک نہیں کہ غزل کی ایجاد اور وقوعہ گوئی کی ایزاد نے فارسی شاعری میں چار چاند لگادئے زبان سے الفاظ کیا نکلتے ہیں فصاحتِ شیراز کا شیرہ بہتا ہی۔ شہد و شیر کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہی۔ لطیف سے لطیف تر محاورات پیدا ہوتے جاتے ہیں لیکن دوستو انصاف شرط ہی۔ اسی شاعری د

عشقبازی نے اخلاق کا آخرین خاتمہ کر دیا۔ بوالہوسوں کی آتش ہوس اس سے بھڑک اٹھی
تمام دفاتر اخلاق و موعظت کی کتابوں میں یادرس میں رہ گئے۔ رفتہ رفتہ عملی زندگی
پر تو اسی شاعری کا قبضہ ہوتا گیا۔ اس کا نتیجہ ملک کی بے رونقی علم کا فقدان تمدن کا فنا
ہونا لازمی تھا۔ وہ ایران کے لئے نوشتۂ تقدیر ہو کر اسی شاعری کی بدولت سامنے آیا۔
خیر یہ ایک اور ہی بحث ہے جس کا یہ محل نہیں۔

رقیب و رقابت کے مضامین

یہاں تو یہ بیان کرنا ہے کہ عشق کے لئے سرزمین ایران کی آب و ہوا بہت
ہی موافق آئی اگر مرد مرد پر عاشق نہ ہوتے تو یہ مضامین کہاں سے شعر
کی صورت میں آج دکھائی دیتے۔ شعرا کو مردوں کے معشوق ہونے سے ایک رقیب ملا۔
عربی میں رقیب کے معنی نگہبان کے ہیں۔ خیام و اہل خیام کی محافظت پر جو مقرر ہوتے انھیں
رقیب کہتے تھے لیکن فارسی میں اس کا استعمال جن معنوں میں ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس تبدیل
معنی نے آفرینش مضامین کے لئے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ رقیب و رقابت سے
ایسے ایسے تخیل پیدا ہوئے کہ اُن کی داد نہیں دی جاسکتی۔ فارسی اشعار کے مطالعہ
کرنے والوں سے اُس کا لطف مخفی نہیں۔ عرب جاہلیت کی شاعری اس وسیع مضمون
سے بھی خالی ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کے وہ چند اشعار خصوصیت کے ساتھ شہرت رکھتے ہیں
جو اُس نے قاصد کو مخاطب بنا کر کہے ہیں لیکن اہل ایران کے اشعار سے اُن اشعار کو کیا نسبت
مرد معشوق ہے بازاروں میں نکلے گا۔ محفل و مجلس میں پہنچے گا مجامع میں اُس کا گزر ہوگا
پھر رقیبوں کی کثرت ہوگی اور رقابت میں تنوعات ہونگے۔ وہاں یعنی عرب میں باوجود

آمیزش ایران بہت جدت کی تو قاصد کی قسمت پر رشک آ گیا۔ مامون الرشید کے وہ اشعار یہ ہیں ؎

بَعَثْتُكَ مُشْتَاقاً فَفُزْتَ بِنَظْرَةٍ ۔۔۔ وَاَغْفَلْتَنِي حَتّٰى اَسَأْتَ بِكَ الظَّنَّا

(میں نے تجھے کس اشتیاق سے قاصد بنا کر بھیجا پس تیری نظریں تو اُس کے دیدار سے بہرہ اندوز ہوئیں اور میری جانب سے تو ایسا غافل ہو گیا کہ اپنے بارے میں تو نے میرا خیال بُرا کر دیا)

وَنَاجَيْتَ مَنْ اَهْوٰى وَكُنْتَ مُقَرَّباً ۔۔۔ فَيَا لَيْتَ شِعْرِي عَنْ دُنُوِّكَ مَا اَغْنٰى

(تو نے اُس سے سرگوشیاں کیں جسے دل چاہتا ہے۔ اور اُس سے نزدیکی حاصل کی۔ اے کاش تیری اس نزدیکی کی مجھے خبر ہوتی اور میں اس سے بے پروا ہوتا)

وَرَدَّدْتَ طَرْفاً فِي مَحَاسِنِ وَجْهِهَا ۔۔۔ وَمَتَّعْتَ بِاسْتِمَاعِ نَغْمَتِهَا اُذْناً

(تو نے بار بار اپنی نگاہ اُس کے چہرے کی خوبصورتیوں کی طرف ڈالی اور تو نے اپنے کان کو اُس کے خوش آیند نغمات سے لذت گیر بنایا)

اَرٰى اَثَراً مِنْهَا بِعَيْنَيْكَ لَمْ يَكُنْ ۔۔۔ لَقَدْ سَرَقَتْ عَيْنَاكَ مِنْ وَجْهِهَا حُسْناً

(تیری آنکھوں میں ایسی علامت میں دیکھتا ہوں جو پیشتر نہ تھی البتہ تیری آنکھوں نے اُس کے زیبا چہرے سے حسن چُرایا ہے)

خلاصہ یہ کہ عرب کی شاعری جب مٹ گئی اور عجم کی تقلید اُس میں آ گئی اُس وقت بھی عشق کو وہ رتبہ نہ ملا جو اُسے ایران میں حاصل تھا۔ یہ ایرانی ہی شاعر میں کمال ہے کہ وہ اداے معشوقانہ کو بیان کرتا ہے بیان کرتا ہے۔ جب تھک جاتا ہے تو ضیق بیان کو اس طرز میں کہہ جاتا

ہی کہ ہزاروں وسعتِ بیان اُس پر قربان ہیں مثلاً ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست ‏ ‏ ‏ ‏ بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

اب ہم بھی اس بیان سے تھک گئے ؎

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز و دم درکش ‏ ‏ ‏ ‏ حسنؔ ایں قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

(۴) باغ و راغ

اب مضمون کی دوسری قسم لیجئے جسے خصوصیت ملکی نے اہل ایران کے ساتھ مخصوص کر دیا ہی۔ وہ باغ و بہار کا مضمون ہی۔ ایران کا خطہ ہرا بھرا۔ لہکتا مہکتا چمن ہی۔ بہار کا موسم وہاں عجب مستی و حسن و جمال کے ساتھ آتا ہی۔ اُس وقت وہاں کا ایک ایک چپہ سو سو چمن پر خندہ زن ہوتا ہی۔ دلوں پر موسم کی کیفیت سے سرور و مستی چھا جاتی ہی۔ خوشنوا چڑیوں کا چہچہانا، بلبل کا چہکنا درختوں کا سرسبز و شاداب ہونا اور پھولوں کی شگفتگی پھر اُن کی شامہ نواز لپٹ صلِ و جلّ اُس وقت اُن کی تازگی و رنگا رنگی سے دلوں میں سُرور دماغ میں راحت آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہی۔ ایرانی شاعر اپنے گرد و پیش باغ جناں کا نقشہ دیکھتا ہی۔ اپنے ملک اپنے وطن کو جب ایک عروس زیبا کی طرح بنا سنورا پاتا ہی تو بے اختیار مست و سرشار ہو جاتا ہی۔ پھر اُسی کیف میں جو اُن چیزوں کا بیان شروع کرتا ہی تو اس قوت و قدرت سے الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہی کہ سننے والا بھی تھوڑی دیر کے لئے مدہوش و بے ہوش ہو جاتا ہی۔

عرب ریگستانی و کوہستانی ملک کے رہنے والے باغ و بہار کا نام و نشان تک نہیں جانتے۔ اس لئے وہاں آپ نہ تو سنبل سونگھیں گے، نہ نرگس کی مستی دیکھیں گے نہ لالہ کا ساغر آپ کو ملے گا۔ چوں کہ اُن کا جزیرہ نما ملک ان چیزوں کے پیش کرنے سے قاصر ہے اس لئے عربی شاعری میں نہ تو ان چیزوں کا بیان ہے نہ ان سے تشبیہ اور استعارے کا نشان۔ بہاریہ مضمون ایران کا حصہ ہے۔

بہار کا نمونہ خزاں میں

اس دورِ آخر میں جب کہ ایران ایران نہ رہا، نہ ملک کی طرف توجہ رہی نہ اس کی آبادی و شادابی کا خیال رہا، سلطنت غافل، اہل ملک کاہل۔ اُس پر بھی قاآنی نے جو بہاریہ قصائد لکھے ہیں اُس سے سمجھنا چاہیئے کہ ایران جب زندہ ہوگا تو شعرا کیسے کیسے مضامین کا چمن کھلاتے ہونگے۔ ہم چند شعر قاآنی کے محض لطفِ ناظرین کی غرض سے پیش کرتے ہیں ؎

بہار آمد کہ از گلبن ہمی بانگِ ہزار آید
بہر ساعت خروشِ مرغ زار از مرغزار آید

تو گوئی ارغنوں بستند بر ہر شاخ و ہر برگے
زمیں بانگِ تدرو و صلصل و درّاج سار آید

بجو شد مغزِ جاں چوں بوئے گل از گلستاں خیزد
بپرّد مرغِ دل چوں بانگِ مرغ از شاخسار آید

یکے گیرد بکف لالہ کہ ترکیبِ قدح دارد
یکے بر گل کند تحسیں کز و بوئے نگار آید

یکے با دلبرِ سادہ بطرفِ بوستاں گردد
یکے با ساغرِ بادہ بطرفِ جوئبار آید

یکے بر لالہ پا کوبد کہ ہے ہے رنگ مَی دارد
یکے از گل بوجد آید کہ وہ وہ بوئے یار آید

یکے اینجا گسارد می یکے آنجا نوازد نے — صدائے ہائے و ہوئے ہی ز ہر سوئے ہمی آید
ز ہر سوئے صدائے ارغنون و چنگ و نے خیزد — ز ہر سوئے صدائے بربط و طنبور و تار آید
یکے بر لالہ می غلطد یکے در سبزہ می رقصد — یکے گاہے رود از ہوش یکے گہ ہوشیار آید
الا یا ساقیا مے دہ بجانِ من بیا پے دہ — دمادم می خور و می دہ کہ می ترسم خمار آید

یہ ہیں خصوصیات فارسی شاعری کی جنھیں نہایت اختصار کے ساتھ میں نے اس مختصر تحریر میں بیان کیا۔ اب دو ایک باتیں الفاظ کے متعلق بھی گزارش کر دوں تو یہ تمہید ختم ہو اور آغازِ مقصد ہو جائے۔

فارسی الفاظ

فارسی زبان میں الفاظ کم ہیں اور مصادر بہت ہی کم۔ اس لیے انھوں نے اپنے الفاظ کی کمی مرکبات سے پوری کی ہے۔ ایک ہی اسم کو مختلف مصادر سے ترکیب دے کر طرح طرح کے دل فریب مطالب یا ایک اسم کو دوسرے سے ملا کر معانی مختلفہ پیدا کیے ہیں۔ مثلاً ان کا ملک رنگین ہے۔ طبیعتیں بھی رنگین پائی ہیں اس پر تعلیم و تمدن نے اور بھی رنگ گہرا کر دیا ہے۔ اب جو بات منہ سے نکلتی ہے رنگین ہو کر نکلتی ہے۔ رنگ انھیں بہت مرغوب و محبوب ہے۔ اس لفظ کو مختلف مصادر سے ترکیب دیتے اور رنگا رنگ معنی پیدا کرتے جائیں گے۔ مثلاً رنگ ریختن، رنگ بردن رنگ برخاستن وغیرہ۔ اسی طرح ان کا ملک سرد ہے۔ گرمی اور آگ انھیں محبوب اور راحت رساں ہیں۔ دو مہینے سرما کے ایسے بسر ہوتے ہیں کہ انسان تو انسان چرند و پرند کا کہیں نشان تک نہیں ملتا ہے۔ کار و بار بند آمد و رفت مسدود۔ اہل صنعت و حرفت کے پیشے

اُن کے ہاتھوں سے سوا ٹھنڈے۔ اُس وقت یہی آگ انھیں راحت پہنچاتی ہی۔ اور حیات کو خوشگوار رکھتی ہی۔ اب لفظ آتش کو وہ مختلف اسماء سے ترکیب دینگے اور ایسے معانی پیدا کرینگے جن سے چستی رونق و قدر وغیرہ کے مفہوم سمجھے جائیں مثلاً آتش بیان آتش لباآتشِ بے دود وغیرہ۔ اس گرمی کی ضد سردی ہی۔ وہ انھیں نامرغوب ہی۔ تو اس سے جس قدر مرکب بنائیں گے اُن میں بے رونقی و سستی و کاہلی کا مفہوم ہوگا۔ مثلاً سرد مہر۔ سرد نفس سرد رو وغیرہ۔ یہ الفاظ کی ترکیب اہل فارس سے مخصوص ہی۔ عربوں کو اس طرح ترکیب دے کر الفاظ میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اولاً اُن کے پاس اس قدر اکثار الفاظ ہی جو انھیں ایسی ضرورتوں سے محفوظ رکھتا ہی پھر اُن کی زبان ایک بولتی زبان ہی۔ لفظ اپنا مفہوم اور فلسفہ اس طرح بیان کرتا ہی کہ آج حیرت ہوتی ہی کہ خداوندا وہ بھی آخر بشر ہی تھے جنھوں نے ایسی زبان وضع کی۔ ثانیاً ایک ہی مادّے کو مختلف ابواب میں لے جاکر عجیب معانی پیدا کرتے ہیں۔ ثالثاً اسم ظرف و اسم آلہ وغیرہ مشتقات اپنا وسیع دامن رکھتے ہیں۔ اِنھیں وجوہ سے عربوں نے دیگر السنہ کو عجم کہا اور سچ کہا۔ عربی الفاظ کی بحث بہت ہی نادر و لطیف بحث ہی لیکن یہاں جس قدر بیان کرنا ضروری سمجھا گیا اُس قدر عرض کردیا۔ تفصیل کے لئے دوسری ملاقات چاہیئے ؎

مل رہینگے ترے کوچے میں کبھی دل او ہم   یار باقی ہی تو صحبت ہی دل آرا باقی

حضرت امیر خسرو کی شاعری

فارسی شاعری اور اُس کے عروج و نزول کی تاریخی بحث اور اُس کے ہر دَور کی خصوصیات وغیرہ ایک مختصر طریقے پر جب کہ معلوم ہو چکیں تو اب اصل مدعا یعنی امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری پر ایک تنقیدی نظر ڈالنی چاہیئے۔

خسرو اور انواع کمال

خسرو علیہ الرحمہ کو جو جامعیت کہ مبدءِ فیاض سے عطا ہوئی ہی اس طرح کی بخششیں صفحات تاریخ میں بہت ہی کم یاب و نادر ہیں۔ خصوصاً سرزمین ہند کے لئے تو ان کی ذات ایک بے مثل مایۂ ناز و فخر ہی مختلف پہلوؤں سے ان کی ذات باکمالوں کی صف میں صدر نشین پائی جاتی ہی۔

اگر صوفی کی حیثیت سے دیکھو تو فانی فی اللہ۔ ندیم کی حیثیت سے دیکھو تو ارسطوِ زمانہ۔ عالم کی حیثیت سے دیکھو تو متبحر علامہ۔ موسیقی کی حیثیت سے دیکھو تو امام المجتہد۔ مورّخ کی حیثیت سے دیکھو تو بے نظیر محقق۔ شاعری کی حیثیت سے دیکھو تو ملک الشعرا۔ ان کے ہر کمال کا دامن نہایت وسیع ہی اور اپنے بیان میں نہایت طوالت پذیر۔ سچ ہی ؎

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

(قدرت خداوندی سے کیا بعید ہی اگر وہ ایک عالم ایک ہی شخص میں جمع کر دے)

اب ہر حیثیت اور کمال کے ہر پہلو سے بحث تو ان کے سوانح نگار کا فرض ہو گا۔ مجھے تو صرف ان کے ایک کمال یعنی شاعری کا ایک ایسا نمونہ پیش کر دینا ہی جس سے خسرو علیہ الرحمۃ

کی خسروی تمام اصنافِ نظم پر من وجہٍ ظاہر ہو جائے۔

اربابِ فن نے کلام منظوم کی جو قسمیں کی ہیں اُن میں پانچ قسمیں اصل ہیں۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی اور قطعہ پھر ان میں بھی باعتبار مضامین تنوعات گوناگوں پائے جاتے ہیں۔ جن کا بیان اپنے اپنے موقع پر آیندہ آئے گا۔ لیکن ناصحانہ، حکیمانہ، عشقیہ، رزمیہ اخلاقی جذبات کی مصوری اور مناظر کی نقاشی یہ وہ اقسام ہیں جہاں شاعر کی طبیعت کا اصل جوہر کھلتا ہے۔

کلام خسرو اور ہر دور کے محاسن

خسرو علیہ الرحمۃ میں یہ کمال ہے کہ نظم کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جس میں ان کے قلم کی روانی دریا کی موجوں کی طرح لہریں نہ مارتی ہو۔ اگرچہ ان کا وجود دَورِ ثالث کے شعرا میں پایا جاتا ہے لیکن ان کے کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر دَور کے محاسن ان کے کلام میں موجود ہیں۔ سادگی سنگینی و استواری جو دَورِ اوّل کی ممتاز خصوصیت ہے ان کے کلام میں بکثرت اس کے نمونے پاؤ گے رنگینی لطافت اور ملایمت جو دَورِ ثانی کا کمال ہُنر ہے اس آرایش سے بھی کلام خسرو بہ تمام و کمال مزین و مرصع ہے۔ ہر طرح کے اساس مضامین فراوانی و اکثار کے ساتھ خزانۂ خسروی میں پائے جاتے ہیں۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ خسرو کا دَور ایسے زمانے میں آتا ہے جب کہ نظم پوری آرایش سے آراستہ و پیراستہ ہو چکی ہے۔ اسلاف نے ہر طرح کے مضامین کا احاطہ کر لیا ہے زبان بھی

صنائع و بدائع سے مرصع ہو چکی ہی۔ شاعری کی بحث میں ابھی تم پڑھ چکے ہو کہ معانی کی کمی فردوسی نے پوری کردی۔ الفاظ میں تراش و خراش اور رنگینی دورِ ثانی کے شعرا کر چکے اب اس تیسرے دور کے لئے کیا رہ جاتا ہی۔ بقول خود امیر خسرو ؎

درمحفلِ وصالت دریا کشند مستاں
چوں دورِ خسرو آمد مے در سبو نماند

باوجود اس تنگی و کشاکش کے یہ صرف خسرو ہی کا کمال ہی کہ نہایت قادر الکلامی سے ایسا سدا بہار چمن کھلا گئے جس کے پھول آج تک نہ کمھلائے اور اُس کی شامّہ نواز لپٹ عطر مجموعے کی طرح گوناگوں خوشبو سے اربابِ ذوق کے دماغ کو معطّر کرتی رہی۔

خسرو شاعر گر تھے | اگر خسرو علیہ الرحمہ کی صرف شاعرانہ حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بحث و نقد کا سلسلہ چھیڑا جائے تو اچھی ضخیم اور پُر مغز و مفید کتاب طیار ہو سکتی ہی اس لئے کہ کل انواع شاعری پر صرف انھیں کا قلم ہی جس نے حسن و لطافت زور و قوّت کے ساتھ سیر کی ہی۔ ان کی اسی ہمہ گیری کو دیکھتے ہوئے ایک سخن شناس جب ان کے مجموعۂ کلام کا امعان نظر سے مطالعہ کرتا ہی تو وہ اس نتیجے پر پُہنچتا ہی کہ خسرو صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ شاعر گر۔ گو یہ اپنی تصانیف کے ہر پڑھنے والے کو شاعر نہ بناتے ہوں تاہم اس میں کوئی کلام نہیں کہ جو شخص فطرتاً شاعری کا مادّہ رکھتا ہی اُس کے اُس مادّے میں یہ ایک تحریک سی ضرور پیدا کر دیتے ہیں۔ چوں کہ نظم کی ہر صنف ان کے کلام میں موجود ہی اور طرح طرح

کے اسلوب سے بیان ہوئی ہی اس لئے جس کی طبیعت جس سے مناسبت رکھتی ہوگی
اُس میں ایک جنبش کا پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہی اس حساب سے ان کو شاعر گر کہنا کچھ بیجا
نہ ہوگا سے

فیض پہنچاتا ہی ہر اقلیم کو اُس کا قلم　　　نفع بخشِ خلق ہی جو کچھ کیا اُس نے رقم

اب ہم بعض نمونے کلام خسروی کے نمونۃً پیش کرتے ہیں۔ تاکہ اس اجمال کی تفصیل ہو جائے
اگرچہ ان کا سارا کلام بجائے خود نمونہ ہی جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھ لو، کچھ انتخاب کرنے کی
حاجت نہیں۔ لیکن چوں کہ اس کتاب کے پڑھنے والے کی سہولت اور خسرو کی شاعری سے
اُس کی ایک عام واقفیت مقصود ہی۔ اس لئے جا بجا سے مختلف نمونے لے کر یکجا
جمع کر دیے جاتے ہیں۔

کلام خسرو کا ناصحانہ پہلو

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہی کہ نصیحت گری بادی النظر میں جس قدر سہل و
آسان معلوم ہوتی ہی فی الحقیقت اُسی قدر اہم و معرکتہ الآرا ہی۔ ناصح اگر ان
نکات سے آگاہ نہیں ہی جس سے نصیحت کی تلخی و ناگواری دُور ہو کر گوارا بلکہ خوش گوار
ہو جاتی ہی تو ہمیشہ اُس کی نصیحت مقبولیت سے محروم رہیگی بلکہ بعض اوقات اُس کا سننا بھی
گراں گزرے گا۔

خسرو علیہ الرحمہ کے ناصحانہ اشعار میں قطع نظر شاعرانہ صنائع بدائع کے یہ بھی بڑا کمال
ہی کہ ہر نصیحت ایسی دل گیر و دل پذیر طرز میں پیش کرتے ہیں کہ بے اختیار دل لبیک کہہ اُٹھتا

ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکیمانہ آنکھ سے ہر جزوِ عالم پر نظر رکھتے ہیں اور ہر دلچسپ نکتے کا ٹُلا اثر لیتے ہیں ان کی طبع رسا عجائب عجائب باتیں گھڑتی رہتی ہے۔ یہ ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں سے بھی اخلاقی سبق لیتے ہیں اور پھر ان کو نہایت قبول صورت میں اپنے ناظرین کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ تعلیم اخلاق کا دامن ان کے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوٹتا اور پند و نصائح کا دروازہ اُن کے ہاں برابر کھُلا رہتا ہے۔ قدم قدم پر پند و نصائح کے موتی رولتے جاتے اور سلکِ نظم میں اُسے پروتے جاتے ہیں۔

مثال اول تواضع و خاکساری

مثلاً انھیں یہ کہنا ہے کہ انسان کو فرائضِ انسانیت سے غفلت نہ چاہیے باوجود بے شمار دولت کے بھی متواضع و خاکسار ہی رہنا زیور انسانیت ہے کام وہی کرنا چاہیے جس میں صلاح و فلاح ہو۔ ان مضامین کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

سرمایۂ مردمی مکن گم — کز مردمی ست نورِ مردم

گرچہ زرت از عدد بود بیش — درویش نواز باش و درویش

در ہرچہ ترا شمار باشد — آن کن کہ صلاحِ کار باشد

بینائیِ عقل پیش می دار — بینا شو و پاسِ خویش میدار

مثال دوم ہنر کی رغبت اور کاہلی کی بُرائی

یا مثلاً اُنہیں ہُنر کی طرف مائل کرنا ہے تو اُسے عطیہ کو بے کار و معطل رکھنے سے منع کرنا ہے تو اُس کو اس طرح کہتے ہیں ؎

آں کو بہ ہنر نہ شد طلب گار — چوں بے ہنراں بود قفا خوار

آں خواجہ کہ کاہلی ست خویش — کاہل ترا ز دست آرزو یش

جاں کُن کہ غرض بہ چنگ یابی | کاں کُن کہ گہر بہ سنگ یابی
زاندیشہ دقیقہ نغز خیزد | وزبجستن آرد مغز ریزد
یک شاخ کہ میوہ وہد تر | بہتر ز ہزار باغِ بے بر

مثال سوم - بلندی ہمت و پستی حرص

یا مثلاً انہیں ہمت کی بلندی اور حرص و پست ہمتی کی مذمت مقصود ہی تو اُسے اس طرح پیش کرتے ہیں ؎

ہیچ کسے رہ سوئے بالا نیافت | تا قدم از ہمتِ والا نیافت
پرّیِ دل سوئے بلندی کشد | پستیِ ہمت بہ نژندی کشد
تشنگی آبِ رود ز آب جو | تشنگی چشم برد آبرو

دیکھو یہ پیش پا اُفتادہ مضامین ہیں۔ شعرائے سلف انھیں طرح طرح سے بیان بھی کر چکے ہیں پھر اب اس انداز سے بیان کرنا کہ طبائع متوجہ ہو جائیں اور سامع اسے فرسودہ سمجھ کر غفلت نہ کرنے پائے بیان کا کمال نہیں ہی تو کیا ہی؟ ہر شخص جانتا ہی کہ کاہلی اچھی چیز نہیں مگر خسرو نے جس شان سے اس کی بُرائی دکھائی ہی وہ ایک بے نظیر فلسفہ ہی ؎

آں خواجہ کہ کاہلی ست خویش | کاہل تر از دست آرزو یش

یعنی قوائے عملیہ کے تعطل کا اثر جذبات پر پڑتا ہی انسان جب سست و کاہل ہو جاتا ہی تو یہی نہیں کہ کام نہیں کرتا ہی بلکہ آرزو و تمنا حوصلے و ولولے یہ سب فنا ہو جاتے ہیں نہ دل میں اُمنگ باقی رہتی ہی نہ حوصلہ۔ جس قدر اس شعر پر زیادہ غور کیا جائے

اُسی قدر اُس کا لطف زیادہ آئے گا۔ دیگر مضامین کا بھی یہی حال ہے کہ باتیں وہی معمولی ہیں جنھیں ہر شخص جانتا ہے۔ مگر اُن سے جو نتائج نکالے ہیں یا جو اُن کی مثالیں دی ہیں یا جس انداز سے الفاظ باہم ترکیب و ترتیب دیتے ہیں اور بیان کا جو اعجوبہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے ان باتوں نے قدیم خیالات کو ایک نیا جامہ پہنا دیا ہے۔ اور یہی شاعر کا اصل کمال ہے۔

مثال چہارم شرافت انسانی اور ایک جاں نواز نصیحت

دیکھو ایک جگہ اسی بات کو کہ انسان کو منہیات شرعیہ سے بچنا چاہیے اس کے عبادات و معاملات میں فتور نہ آنا چاہیے کس دردمندی سے سمجھاتے ہیں۔ پہلے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کو جتاتے ہیں عالم علوی سے عالم سفلی تک کی اشیاء کو اُس کا خدمت گزار و مطیع ثابت کرتے ہیں پھر اُس دولت کی جو بارگاہ خداوندی سے خاص اُس کے لئے مخصوص ہوئی ہے یاد دلاتے ہیں۔ اس قدر کہہ لینے کے بعد اب نصیحت کرتے ہیں اور صرف ایک مصرعہ میں ایک دفتر کا دفتر کہہ جاتے ہیں۔ اس مضمون کے اشعار التقاط کرکے یہاں درج کئے جاتے ہیں ؎

اے ز ازل گوہر پاک آمدہ — گوہر تو زیورِ خاک آمدہ
چنبرِ نُہ چرخ بسے بیخت خاک — تا تو بروں آمدی اے دُرِّ پاک
آں خلفے تو کہ زروزِ نخست — کون بہ مہمانیِ شش روزہ ہست
خود ز پدر گرچہ کنوں آمدی — با پدر از جملہ بروں آمدی
دفترِ معنی نہ زبر خواندۂ — تختۂ اسمار ز پدر خواندۂ

عرصۂ عالم بہ مسافت تراست | دولتِ عالم بہ خلافت تراست
حبلِ وریدِ تو فگندہ بلند | در شرفِ کنگرۂ اللہ کمند
نورِ تو ہنگامۂ انجم شکست | دستِ تو تسبیح ملائک گسست
جانِ جہانِ ہمہ عالم توئی | وانچہ نگنجد بجہاں ہم توئی
تو شہے اقلیم تو ہر دو سرائے | تو ملکے تختِ تو شد چار پائے
گنج خدا را تو کلید آمدی | نہ از پے بازیچہ پدید آمدی
چرخ کہ از گوہر احسانت ساخت | آئینۂ صورتِ رحمانت ساخت
آئینہ زیں گونہ کہ داری بہ چنگ | آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ

اشعار مذکورۂ بالا میں جو صنائع عجیبہ و تلمیحات لطیفہ ہیں اُس کے بیان کا کہاں موقع شعر و سخن سے اگر کچھ بھی مذاق آشنا ہی تو خود ہی سمجھ لو۔ کرامتِ انسانی کا جو فلسفہ بیان کیا ہی وہ شاعر کے غواص سخن و تنشا ورفن ہونے کی دلیل ہی۔ اس حکیمانہ انداز سے اس بیان کی ابتداد نہایت کی گئی ہی کہ جس کی داد دی نہیں جاسکتی۔ صرف اسی ایک پہلو کو لو کہ جس طرز سے اس نصیحت میں مرصع کاری کی گئی ہی اس سے فلسفہ نفسیات پر خسرو کا کیسا ملکہ ظاہر ہوتا ہی۔ عالم فلسفۂ نفسیات سے یہ امر مخفی نہیں کہ جب کسی کے ساتھ محقرانہ برتاؤ و رسوا کن انداز سے گفتگو کی جاتی ہی تو اُس سے مخاطب میں قطع نظر نفرت کے ایک طرح کی پست ہمتی اور پست ہمتی سے شریف جذبات کا فنا اور اُس کے فنا سے کمینہ عادتوں کا نشو ونما شروع ہوجاتا ہی۔

برخلاف اس کے اگر کسی کی عادات رذیل بھی ہوں لیکن جماعت اور اُس کے احباب اگر اُس سے اس طرح ملنا شروع کریں کہ کسی کے انداز میں یہ نہ پایا جائے کہ وہ اُسے رذائل سے آلودہ جانتا ہے اور اخلاقی حیثیت سے اُسے حقیر سمجھتا ہے تو یہ طریقہ اُسے شریف عادات کی طرف مائل کردے گا۔

تاریخ کی کتابوں میں ایسے واقعات بہت ملیں گے جن سے فلسفۂ نفس کے اس اہم مسئلہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس مقام پر خسرو علیہ الرحمہ کی اس طرزِ خاص سے نصیحت گری بھی اسی نکتہ کو مشعر ہے۔

پہلے فرزندِ آدم کی کرامتوں کا ایسا پُرجلال وجمال مرقع کھینچا ہے کہ بے ساختہ دل اُسے دیکھ کر کھنچ جاتا ہے۔ پھر آخر کے دو شعر عجب کمال کے نمونے ہیں ؎

آئینۂ صورتِ رحمانت ساخت	چرخ کہ از گوہر احسانت ساخت
آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ	آئینہ زیں گونہ کہ داری بہ جنگ

پہلے شعر کا مدعا یہ ہے کہ حقیقتاً انسان تو وہی ہے جس کے دیکھنے سے غافل کو بھی خدا یاد آجائے انسان کا مجسمہ ایک آئینہ ہے جس میں رحمان کی صورت دکھائی دیتی ہو۔ اب اگر ایسا آئینہ کسی کے پاس ہو اور اُس کی غفلتوں سے وہ زنگ آلود ہو جائے تو یہ کیسی مصیبتِ عظمیٰ ہے

ع آہ ہزار آہ کہ داری بزنگ

صرف اس ایک مصرع کے زورِ بیان اور اسلوبِ ادا کو دیکھو بلاغت و جوش کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

مثال پنجم۔ جوہر ذاتی چاہیے نہ آبائی

ایسے ایسے مضامین کو کہ صرف تمنا پستی سے بلندی تک نہیں پہنچا سکتی دوسرے کے بھروسے کام نہیں چلتا استخوان فروشی دون ہمتی ہی کچھ ایسے دل میں گھر کر جانے والی ادا اور روانی سے بیان کر جاتے ہیں کہ بے خواستہ واہ واہ نکل آتی ہی ؎

پست نہ گردد بہ تمنا بلند　　گرچہ بہ انگشت کند پا بلند
تکیہ چہ آری بعصائے کساں　　زندہ نشد کس بہ بقائے کساں
چند زباد پدر و جد پری　　باد بود ہرچہ نہ از خود بری

خسرو کا تصوف

تصوف کے اہم و معرکۃ الآرا مسائل کو جس صفائی و روانی سے اُنھوں نے نظم میں بیان کیا ہی اُس سے قطع نظر کمال شاعری زور کلام اور حسن ادا کے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اس راہ کا منزل شناس کہہ رہا ہی۔

اکثر و بیشتر شعرا نے یہ سمجھا کہ مثل گل و بلبل اور معاملات ناز و نیاز کے مسائل تصوف بھی صرف زبان و بیان چاہتے ہیں حالانکہ بقول سعدی شیرازی ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　کہ اصلے ندارد دم بے قدم

ایسے شعرا جو خود مقامات تصوف کے طے کرنے والے نہیں ہیں صرف الفاظ و مصطلحات صوفیہ لیکر اشعار میں نظم کر دیا کرتے ہیں۔ اہل دل گروہ اُسے خوب پہچانتا ہی کہ یہ قال ہی حال نہیں۔ مولنٰنا رومی علیہ الرحمہ ایسے ہی شعرا کے متعلق مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

لفظِ درویشاں بدزدد مردِ دوں　　تا بخواند بر سلیمے ایں فسوں

خسرو علیہ الرحمہ جہاں کہیں مسائل تصوف بیان کرتے ہیں وہ اُن کی حالت کا آئینہ ہوتا ہی اُس پر بیان کا ایک خاص زور وضاحت کلام کا ایک لطیف انداز ایسا ہوتا ہی کہ حسن بیان پر بلاغت، بلاغت پر فصاحت اور فصاحت پر ہزار شیرینی قربان ہی۔

تصوف کا پہلا شعبہ یعنی الٰہیات

مسائل تصوف میں الٰہیات کا حصہ خاص اہمیت رکھتا ہی۔ خواجہ فریدالدین عطار، حکیم سنائی، مولنا رومی، نظامی گنجوی ان سے قبل اور سعدی ان کی حیات میں اس طرح ان مسائل کو بیان کر چکے تھے کہ عقل حیران تھی کہ اب ان مسائل کے بیان کا کون سا جدید عنوان ہوگا۔ لیکن خسرو علیہ الرحمہ نے جب انھیں مسائل کو بیان کیا ہی تو معلوم ہوا کہ بیان کا یہ پہلو خسرو کا منتظر تھا۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ انسان جو عالم امکان میں سب سے افضل ہی اور اس کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں یہ اگر اس کی کوشش کرے کہ حقیقتِ الٰہ سے آگاہ ہو جائے تو یہ ناممکن و محال ہی۔ علمِ ممکن حقیقت واجبہ کا احاطہ تو کہاں کر سکتا ہی وہاں تک اس کی رسائی بھی محال ہی۔ اسی مضمون کو سعدی نے کہا ہی ؎

توان در بلاغت بسحبان رسید ۔۔۔ نہ در کنہ بیچونِ سبحان رسید

لیکن اب خسرو کو دیکھو کہ کس نئے انداز سے بیان کرتے ہیں ؎

ہرچہ از تو گماں برم بہ چونی ۔۔۔ آں من بوم و تو زاں برونی

انسان کی عقل جد و جہد کرتی ہی مقدمات ترتیب دیتی ہی۔ حقائق اشیائے سے بحث کرتی ہی۔ صفات و خواص سے آگاہ ہوتی ہی۔ قدم وحدوث کا مسئلہ تحقیق کرتی ہی۔ ان سب مراحل کے بعد ایک نتیجے پر پہنچتی ہی اور چاہتی ہی کہ اُسے حقیقۃ الٰہ قرار دے لیکن جب

اُس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ ساری گردش گردشِ پرکار تھی دائرہ امکان سے ذرہ برابر بھی قدم آگے نہ بڑھا تو بسیاختہ کہہ اُٹھتا ہی سبحان ربک رب العزت عما یصفون - اب اس ایک شعر کو دیکھو چند سادے الفاظ میں کس وضاحت سے آیۃ کریمہ کی معنی خیز تفسیر کی ہی کس طرح دریا کو کوزہ میں بند کیا ہی - یہ ہی زورِ کلام اور حسنِ بیان -

دوسری مثال اور دوسرا مسئلہ

اس عقیدے کو کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہی اور جو کچھ عالم کون میں ظاہر ہوتا ہی وہی مقتضائے مصلحت ہی - وجود و عدم دونوں اُس کے تحت حکم ہیں نیستی و ہستی کوئی بھی حکمت سے خالی نہیں، کس صفائی و روانی سے نظم کا جامہ پہنایا ہی ~

دانندۂ توئی ہر چہ راز ست　　سازندہ توئی ہر چہ ساز ست
از بودنی ہر چہ بود دارد　　از تو رقمِ وجود دارد
وانچہ از عدم ست نام او نیز　　از حکمتِ تست ماندہ ناچیز
بود ہمہ گشتہ از تو موجود　　حکم تو رواں بہ بود و نابود

تیسری مثال اور تیسرا مسئلہ

صرف عقل علۃ معرفت باری تعالیٰ ہی یا نہیں اس کا یوں جواب دیتے ہیں ~

لوامع صفتش ہست چشم پوشِ عقول　　چو آفتاب کہ نورش حجابِ ابصار ست
حکیم گفت شناسم بعقل یزداں را　　زہے کمالِ حماقت وہ ایں چہ گفتار ست

کنہِ باری تعالیٰ تک عرفا کی رسائی ہی یا نہیں اس کا کیسا خوبصورت جواب دیا ہی ~

بکنہِ حق نرسد عارف ار چہ دانندہ ست ۔۔۔ بر آسماں نہ پرد جعفر ار چہ طیار ست

چوتھی مثال اور چوتھا مسئلہ | اس مسئلہ کو کہ دنیا کی ہر شئے سے معرفتِ حق حاصل ہے یوں بیان کرتے ہیں ؎

ہر صحیفہ برگ ہست از حکمتِ او ۔۔۔ نوشتہ چوں لقبِ شہ بروئے دینار ست

اسی مضمون کا شعر سعدی علیہ الرحمہ کا بھی نہایت مشہور ہے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ۔۔۔ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

تصوف کا دوسرا شعبہ | تصوف میں الٰہیات کے بعد وہ مسائل ہیں جن کا تعلق سالک کی ذات سے ہوتا ہے۔ مثلاً رضا و تسلیم، ریاضت و مجاہدہ، عشق و محبت، ذکر قلب و حیاتِ دل وغیرہ وغیرہ۔ چند نمونے اس شعبۂ تصوف کے بھی ملاحظہ ہوں۔

مثال اول | انسان کو راضی برضا رہنا چاہئے اور کسی حالت میں شریعت کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکلنے پائے۔ ان باتوں کو یوں سمجھاتے ہیں ؎

انچہ مقدر شدہ ہست چوں نبود بیش و کم ۔۔۔ گر برسد خرمیم ور نہ رسد باک نیست

حرص بخاکت کشد شارعِ دیں گیر زانکہ ۔۔۔ بے روشِ مصطفٰی راہ بر افلاک نیست

مثال دوم | ریاضت کی تصوف میں کتنی ضرورت ہے بغیر مجاہدہ کچھ نہیں ہوتا قدم قدم پر ایثار و قربانی کرنا چاہئے۔ اسے عمدہ مثالیں دے کر نہایت خوبصورتی سے سمجھاتے ہیں ؎

گاہِ وغا در صفِ مردانِ مرد ۔۔۔ نام نبرد آں کہ خدنگے نخورد

طبل کہ سوراخ کنندش بہ پوست | بہر برون رفتنِ آوازِ اوست
تا نشود خستہ بصد جا دلت | نورِ حقائق نشود حاصلت
چہرہ سنگ ار نہ کنی گو بگو | دانہ کجا سود شود جو بجو

مثال سوم | دل کیا ہے۔ اس کی کیا قدر ہے۔ اس کی زندگی کیا ہے۔ اس کی موت کیا ہے ان امور کو جس شاعرانہ پیرایہ میں اور جس محققانہ طریقے سے اُنھوں نے بیان کیا ہے اُنھیں کا حصّہ ہے کہتے ہیں ؎

چوں تنِ آدم بگل آراستند | خانہ جاں بہرِ دل آراستند
آدمی آن ست کہ در وے دل ست | ورنہ علف خانۂ آب و گل ست
دل نہ ہماں قطرۂ خون ست و بس | کز خور و آشام برآرد نفس
دل اگر ایں مہرۂ آب و گل ست | خر ہم از اقبالِ تو صاحب دل ست
لیک دل آں شد کہ ہوائے دروست | وز طرفے بوئے وفائے دروست
زندہ بجاں خود ہمہ حیواں بود | زندہ بدل باش کہ عمر آں بود
زندگی دل چہ بود سوز و چاک | زندگیِ کالبدی چیست خاک
غمزدہ بہ جاں کہ غم اندوز نیست | سوختہ بہ دل کہ در و سوز نیست
سردیِ دل مردگیِ دل بود | خوں چو بہ تن سرد شود گل بود

مثال چہارم | عشق کی کیا شان ہے عشاق کی کیا روش ہے۔ عشق کا کیا درجہ ہے ان باتوں کو اس وجد و کیف میں بیان کرتے ہیں کہ اگر ذرا غور کرو تو دل روحانی سرور سے

یکیف ہو جائے ؎

عشقِ زبانی زہر افسردہ پرس　　سوزش آں از دلِ آزردہ پرس

ذوقِ نمک گرچہ زبان را خوش ست　　چوں بجراحت فگنی آتش ست

موم بود دل کہ ز عشق ست زار　　کو بگداز او فتد از یک شرار

شعلۂ عشق چو شد خانگی　　سوختہ شد عقل بہ پروانگی

زندہ نہ آنست کہ جانے درو ست　　اوست کہ از عشق نشانے درو ست

جان کہ نہ عشقش بود آں بازی ست　　عشق نہ بازی ست کہ جان بازی ست

چند بری عشق بہ بازی پسر　　عشق دگر باشد و بازی دگر

مرد کہ در عشق ز جاں فرد نیست　　گر صفِ کافر شکند مرد نیست

چوں تو فغاں از سرِ خارے کنی　　بہ کہ جز از عشق شمارے کنی

مثال پنجم | مرد وہی ہے جو مصائب میں گھبرا نہ جائے۔ ابتلا و امتحان کے میدان میں جرأت و استقامت سے مقابلہ کرے اور آخر میں کامیاب ہو کر رہے ؎

مرد نہ ترسد ز قفر شیر نہ ترسد ز زخم　　مذہبِ عیّار نیست بیمِ عسس داشتن

عذرِ عروساں بود دعوئِ مردی و بس　　گاہ وغا پیشِ خصم روے بہ پس داشتن

اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں ؎

شیر شو و صید را در تہِ چنگال کش　　مرد شو و خصم را بر سرِ میدان طلب

تصوف کا تیسرا شعبہ | سب سے وسیع ترین تصوف کا وہ حصہ ہے جس میں عشقیہ روش کی

آمیزش ہوتی ہی۔اس کی بنیاد سعدی علیہ الرحمۃ نے ڈالی تھی جس پر ایک قصرِ عالی شان خسروِ اقلیم سخن نے تعمیر کر دیا۔

تخیل کا کمال اور کلام میں درد — بیان کی اس صنف میں خصوصیت کے ساتھ ان کا تخیل بہت ہی بلند پایہ رکھتا ہی۔ اپنے تخیل کو یہ جسمانی جامہ پہنا کر اس طرح پیش کر دیتے ہیں جس سے ان کا تخیل تخیل باقی نہیں رہتا بلکہ وہ گوشت و پوست و استخواں سے درست ملکوتی روح پھونکی ہوئی مورتیں ہوتی ہیں۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار دیکھو ؎

مثال اوّل
گل اندر خوابگاہِ نرگس افتد چوں وزد بویت	ولیکن عشق بازاں را خسک در خوابگاہ افتد
ز چشمت کاروانِ صبرِ من تاراج کا خر شد	مسلماناں کسے دیدست کا ندر شہر راہ افتد

مثال دوم
فصلِ نوروز کہ آورد طرب بر ہمہ خلق	چشم بد دور مرا موسم باراں آورد
ہر سحر باد کہ بر سینۂ من کرد گذر	در چمن بوئے کباب از پےِ مستاں آورد

انھیں اشعار کو دیکھو تخیل کیسا اعلیٰ ہی اور پھر کلام میں کس طرح درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہی کہ دل تڑپ کر رہ جاتا ہی یہ شاعرانہ حیثیت سے بھی اعلیٰ مظہرؓ ملکوتی عالم میں حسن و عشق حقیقی کے خیالات میں محو اور دوسرے نازک تر جذبات و لطائف میں غرق زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ان کے لئے بقول انہیں کے ؎

(یک بلبلِ خوش نوائے و دل کش — بہتر ز دو صد کلاغ ناخوش) ہی۔

صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ اوائل میں جب امیر خسرو شعر کہتے تو اس کو اپنے شیخِ طریقت حضرت سلطان المشائخ (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کو دکھایا کرتے تھے۔ ایک

روز حضرت نے فرمایا کہ "طرز صفاہانیاں بگو یعنی عشق انگیز و زلف و خال آمیز۔" اُسی روز سے خسرو زلف و خال کے پھندے میں ایسے پھنسے کہ تمام ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو گئے اور آج تک اُن کا عاشقانہ کلام مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا کام کر رہا ہے۔ ثبوت کے لئے ان کے کلام کا دفتر بھرا پڑا ہے۔ جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھو ایک چھوڑ ہزار ثبوت پاؤ گے۔ یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں ؎

مثال سوم

بروائے یار پیشِ دیگراں دہ جلوہ بستاں را
مرا بگزار تا می بینم آں سروِ خراماں را
گرفتارِ خیالات لبش گشتم یقیں باشد
اثر ہر کہ مگس در خواب بیند شکرستاں را
میرس از من کہ چوں می باشد آخر جانِ غمناکت
کہ من دیریست کز یادش فرامش کردہ ام جاں را

مثال چہارم

تنِ پاکت کہ زیر پیرہن ست — وحدہ لا شریک لہ چہ تن ست
اندر آ۔ درمیانِ جاں بنشیں — کہ تو جانی و جانِ من بدن ست
تا زیم در غمِ تو جامہ درم — وز پسِ مرگ نوبتِ کفن ست
دلِ خسرو خوش ست با تنگی — کہ مرا یادگار زاں دہن ست

کلام میں درد آگینی کی وجہ

اس درد آگینی کی وجہ صاف ہے۔ "آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔" ان کو اہل دل گروہ سے واسطہ تھا۔ ناسوت و ملکوت جبروت و لاہوت اور

ان چاروں سے ماورا جو عالم ہیں ان کی سیر سے ان کی چشم بینا بصارت حاصل کئے ہوئے تھی اور انھیں عالموں کی آب و ہوا میں ان کے قوائے باطنی نے پرورش پائی تھی۔ دل خستہ تھا اور آتشِ عشق سے برشتہ زبان صرف دل کی ترجمان تھی اور بس خسرو دل کی برشتگی وسوختگی کچھ ازل سے ہی لیکر آئے تھے جس کو چشتی نسبت نے اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ اس پر شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین اولیا سلطان المشائخ محبوب الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کی توجہ ظاہری و باطنی جب پڑتی تو اس آتش کی شعلہ فشانی افسردہ دلوں کو اور بھی جلا کر خاکستر کر دیتی۔

لطائف اشرفی، سفینۃ الاولیا، سیر الاولیا، سبع سنابل، نفحات الانس وغیرہ میں خسرو علیہ الرحمہ کے شرر افشاں دل کے متعلق حضرت سلطان المشائخ کے یہ کلمات نقل کئے ہیں:۔

ایک بار آپ نے فرمایا کہ "کل قیامت میں جب خداوند عالم پوچھے گا کہ میرے دربار کے لئے کیا تحفہ لائے تو میں خسرو کو پیش کردونگا" پھر کسی وقت ارشاد ہوا کہ "کل قیامت میں ہر ایک شخص کسی شے پر ناز کریگا اور اے ترک میں تیرے سوز سینہ پر ناز کرونگا" اکثر دعا میں یوں فرماتے کہ "الٰہی بسوزِ سینۂ ایں ترک مرا ببخش" اور ایں کا اشارہ حضرت خسرو کی طرف فرماتے۔ اللہ اللہ وہ کیا دل تھا اور دولت عشق سے کیسا مالا مال تھا۔

اسی سوز و گداز نے خسرو کو حضرت سلطان المشائخ کا ایسا محبوب بنا دیا تھا کہ

آپ اکثر فرماتے کہ "اے ترک میں سب سے تنگ آ جاتا ہوں یہاں تک کہ کبھی خود اپنے آپ سے بھی تنگ آتا ہوں لیکن تجھ سے کبھی تنگ نہیں آتا"۔ کبھی یوں اظہارِ محبت فرماتے کہ "اگر ایک قبر میں دو شخص مدفون ہو سکتے تو میں وصیت کرتا کہ خسرو کو میری قبر میں دفن کرنا"۔

حضرت سلطان المشائخ کا یہ شعر ؎

گر برائے ترکِ ترکم آرہ بر تارک نہند　　　ترکِ تارک گیرم واما نہ گیرم ترکِ ترک

اسی محبت کو مشعر ہے۔ ایک اور آپ کی رباعی کلام خسرو کے مدح میں ہے جس سے ان کے کلام کی مقبولیت معلوم ہوتی ہے وہو ہذا ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست　　　ملکیتِ ملکِ سخن آں خسرو راست

آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست　　　زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

دربارِ شیخ سے خسرو کو ترک اللہ کا لقب عطا ہوا تھا۔ اور اکثر صرف لفظ ترک سے خطاب ہوتا۔ خسرو علیہ الرحمہ کو اس خطاب پر ناز تھا۔ چنانچہ ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

برزبانت چوں خطابِ بندہ ترک اللہ رفت　　　دستِ ترک اللہ بگیر و ہم باللہش سپار

یہ چند کلماتِ طیبات جو حضرت سلطان المشائخ کے نقل کئے گئے ہیں ان سے مدعا یہ ہے کہ ایک وہ شخص جو فطرتاً آتشِ عشق دل میں دبی رکھتا ہو جب اُسے کامل و مکمل شیخ طریقت مل جائے اور پھر شیخ کی محبت و عنایت اُس پر ایسی ہو کہ مرید کے مرتبے سے مراد کے مرتبے میں پہنچ جائے تو اُس کے مقاماتِ سلوک و تصوّف کا کیا پوچھنا اور اُس کے کلام کی تاثیر کا کیا کہنا۔

تاثیر کلام | اہل دل جو کچھ کہتا ہے اُسے ایک اہل دل ہی سمجھ سکتا ہے۔ تزک جہانگیری و دیگر تذکرے مثل داغستانی وغیرہ میں یہ روایت معتبر موجود ہے کہ جہانگیر نے صوفیہ کی دعوت سماع کی مجلس گرم ہوئی۔ قوال نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کا یہ شعر گانا شروع کیا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے   من قبلہ راست کردم برسمت کج کلاہے

مولانا علی احمد مہرکن نشانی تخلص اُس وقت وجد و رقص میں آئے۔ جہانگیر نے اس شعر کا مطلب پوچھا مولانا اُسی طرح رقص کرتے ہوئے جہانگیر کے سامنے گئے اور فرمایا کہ ہنود اپنی کسی عید میں عورت مرد سب کے سب جوق در جوق نہایت شان و شوکت سے دریا کنارے جمع ہو رہے تھے اور بموجب اعتقاد غسل کر کے ثواب حاصل کر رہے تھے حضرت سلطان المشائخ بھی اُس وقت سیر کرتے ہوئے اُس طرف گزرے۔ اُن کے اس شغف مذہبی و انہماک کو دیکھ کر آپ نے خسرو علیہ الرحمہ کی طرف جو ہمرکاب تھے اشارہ کر کے فرمایا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

اُس وقت ٹوپی حضرت سلطان المشائخ کے سر مبارک پر اتفاقاً کج تھی۔ خسرو علیہ الرحمہ نے فوراً دوسرا مصرع

من قبلہ راست کردم برسمت کج کلاہے

عرض کر کے پورا شعر کر دیا۔ مولانا علی احمد روایت ختم کر کے چاہتے تھے کہ اپنے سر پر ہاتھ لے جائیں تاکہ ٹوپی اپنی اُسی طرح کج کر کے جہانگیر کو دکھائیں کہ اس شان سے کلاہ مبارک حضرت سلطان المشائخ کی کج تھی لیکن ہاتھ کا اُٹھنا تھا کہ وجد کا وہ عالم طاری ہوا کہ ایک

نعرہ کے ساتھ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

سیرالاولیا جس کے جامع امیرِ خُرد خلیفہ حضرت سلطان المشائخ ہیں۔ اُس میں ایک نقل لکھی ہے کہ ایک روز حضرت سلطان الاولیا محبوبِ الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کے حضور میں امیر خسرو کے صاحبزادہ نے امیر کی ایک غزل پڑھنی شروع کی۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے کہ ؎

خسرو تو کیستی کہ درآئی دریں شمار   کیں عشق تیغ بر سرِ مردانِ دین زدہ است

حضرت سلطان المشائخ کی روتے روتے یہ حالت ہوئی کہ آپے سے گزر گئے۔

اسی سیرالاولیا میں ایک وقت کی اور نقل لکھی ہے کہ امیر خسرو خود سلطان جی کے حضور میں اپنی ایک غزل پڑھنے لگے جونہیں اُنھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

رخ جلہ را نمود و مرا گفت تو مبیں   زیں ذوق مست و بیخبرم کیں سخن چہ بود

حضرت سلطان المشائخ نے گوشۂ چشم سے (کہ چشمۂ محبت تھا) خسرو کی جانب دیکھا اور بیخود ہو گئے۔

الغرض ایسی بہت سی معتبر روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل دل گروہ میں خسرو کا کلام کیا مرتبہ رکھتا ہے۔

خسرو کی غزل سرائی اس میں کچھ شبہ نہیں کہ غزلیات کے اُن انقلابات و ایجادات کے سبب سے جو سعدی نے شاعری کی اس صنف میں کئے تھے خسرو بہت کچھ سعدی کے مقلد و متبع ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سعدی سے قبل نظم کے لئے بہت سے کام تھے۔ صرف اوقات فرصت میں عشق و عاشقی اور اُس کے لوازم سے تفریح کر لی جاتی تھی اور باقی اوقات دوسرے کاموں کے لئے تھے۔ قدما میں تو غزل کوئی نظم کی قسم ہی نہ تھی۔ تشبیب میں کچھ عاشقانہ مضمون

ادا ہو جاتے تھے۔ آخر دور قدما میں غزل نے اپنا مستقل وجود اختیار کیا لیکن اُن غزلوں کا یہ رنگ تھا کہ چمن سے گزرے ایک نگاہ پھولوں کے خوش رنگ تختے پر بھی ڈالی۔ اور بڑھ گئے۔ اچھی صورت سامنے آ گئی۔ آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ کبھی کبھی دل میں ایک گدگدی سی ہو گئی اور بس۔ جام و صراحی محفل میں رکھی گئی تو شاعری نے دو ایک گھونٹ سے تبدیلِ ذائقہ کر لیا۔ یہی انداز دوسرے دور تک رہا۔

لیکن تیسرے دَور میں نظم محض تفریح کے لیئے رہ گئی۔ جوش اور ولولے ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ اصل مردی مٹ رہی تھی۔ اس لئے اس دَور میں نظم اور کاموں سے فارغ تھی۔ صرف ایک غزل سرائی تھی جس سے بزمِ سخن کی گرمی تھی۔ زبان زیادہ منجھ کر صاف ہو گئی تھی۔ سعدی اسی تیسرے دَور کے رنگین بیان شاعر تھے لیکن یہ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک عالم و ولی کامل بھی تھے۔ اُنہوں نے غزل میں تصوف کی آمیزش کی اور نہایت لطف سے حقائق و واردات قلبیہ کو غزل میں کہنا شروع کیا۔ عشق و حسن کے راز و نیاز اور اُس پر تصوف کی چاشنی پھر زبان کی صفائی و شیرینی۔ کلام میں پختگی و گھلاوٹ ان چیزوں نے سعدی کو غزل کا امام بنا دیا۔

خسرو بھی اسی دَور میں مسندِ شاعری پر جلوہ افروز ہوئے۔ قاعدہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں کسی ناظم یا ناثر کا طرز اہلِ زمانہ کے مذاق و خیال کے مطابق ہو تو پھر وہی طرز رائج الوقت و عام پسند ہو جاتا ہے اور خواہی نخواہی اُس زمانے کے ناظم یا ناثر کی نظم و تحریر کا جزوِ لاینفک بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ بلا آورد ویسی ہی عبارات مضامین و خیالات ہر ایک ذی جوہر کے

قلم سے نکلنے لگتے ہیں۔ خاصتہً جب کہ اُس ایجاد میں واقعی پاکیزگی اور لطف بیان بھی ہو تو پھر اُس کی ہمہ گیری کا کیا پوچھنا۔

سعدی جن کے عہد پیری میں خسرو کی شاعری جوان ہوئی ہے کچھ اس شیرینی وحلاوت سے شیراز میں بیٹھے ہوئے غزل کی نغمہ سرائی کر رہے تھے کہ ان کی اس تازہ روش نے اپنا سکہ بٹھا رکھا تھا۔ عام مذاق کی پسندیدگی گرویدگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ جو جو انقلاب و ایجاد کہ اس صنف میں انہوں نے کئے وہ مثل عناصر کے ضروری مان لئے گئے تھے۔ اور حق تو یوں ہے کہ سعدی کی غزل گوئی اسی کی مستحق تھی اور ہے۔ پس خسرو جیسا صحیح مذاق رکھنے والا خلقی شاعر کیوں اُسے نمونہ نہ بناتا۔ لیکن اسی کے ساتھ جہاں سعدی کی تبعیت ضروری مان لی وہاں اپنے اختراعات و اضافات کا بھی ایک کافی ذخیرہ فارسی داں عالم کے لئے چھوڑ گئے۔

صنف غزل میں خسرو کے اضافے

غزل کی صنف میں کس طرح کے اضافے ہیں جو خاص دماغ خسرو کے مرہون ہیں اُن کی مجمل فہرست یہ ہے۔ بحروں کی موزونی، تشبیہ و محاورات کی جدت، بیان کا اعجوبہ اسلوب۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے غزل میں جان پڑ جاتی ہے۔ غزل کا کمال یہ ہے کہ درد، سوز و گداز، شکستگی و نیاز، عشق کی ہنگامہ آرائی، حسن کی دلکشی و دلربائی، اس طرح عام محاورہ اور روزمرہ کی بول چال میں ادا ہو جس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہ پائی جائے۔ ہاں اسلوب بیان ایسا ہو جس سے دل شگفتہ ہو جائے۔ تشبیہ ایسی لطیف ہو کہ جذبات میں ہلچل پڑ جائے۔ واقعات عشق اس طرح کہے جائیں کہ سننے والے کو بھی عاشق

پر رحم آجائے۔ غزل میں شاعر کا بس یہی کمال ہے۔ اس جگہ چند اشعار لکھے جاتے ہیں تاکہ ہر ایک کی مثال ناظرین کے سامنے ہو۔ مثلاً :

ایک وہ شخص جس کے مسلمہ فضل و کمال نے اُسے محسودِ خلائق بنا رکھا تھا عاشق ہو کر سب کچھ کھو بیٹھتا ہے اب وہ حاسدوں سے کہتا ہے خوش ہو کہ تمہاری مرادیں پوری ہوئیں دیکھو میں وہی یکتائے زمانہ ہوں لیکن اب نہ فضل مجھ میں رہا نہ کمال۔ اس مضمون کو خسرو اس درد سے ادا کرتے ہیں کہ سُننے والے کا دل بھر آتا ہے ؎

حسد می بردی اے دشمن بعقل و دانشِ خسرو بیا تا بر مرادِ خاطرِ خود بینی اکنونش

معشوق جن کو اپنے بناؤ سنوار کے سوا کسی سے کوئی غرض نہیں ہوتی اُن کے اس استغنا اور خود آرائی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

گل چہ داند کہ حالِ بلبل کیست او ہمیں کارِ رنگ و بو داند

معشوق سامنے سے گزرتا ہے عاشق کے دل پر ایک بجلی گرتی ہے۔ اب نہ طبیعت پر قابو ہے نہ دل پر اختیار استغاثہ کرتا ہے تو دارالقضا و دارالافتا کوئی بھی اس مظلوم کی داد رسی نہیں کرتا اس مضمون کو دیکھو ؎

کافرے رفت و دلم غارت کرد شہرِ اسلام و مرا داد نہ بود

معشوق کی ہر ہر ادا ہے کہ دل چھینے لیتی ہے۔ عاشق کا ایک دل کس کس کا مقابلہ کرے۔ بھاگنا چاہے تو یہ بھی ممکن نہیں۔ آخر گھبرا کر اُسی سے تدبیر پوچھتا ہے ؎

لب و دہان و رخت ہر یکے بلائے دل اند یکے دلم چہ کند جانبِ کدام شود

بخت بیدار معشوق کو عاشق پر مہربان کرتا ہی۔ معشوق حالت پوچھتا ہی۔ عاشق جس کی تباہی و بربادی شرح و بیان سے مستغنی ہی وہ کہے تو کیا کہے۔ اپنا دل جو معشوق کے پیچھے کھو چکا ہی اور اب وہ معشوق کا ہی نہ عاشق کا۔ اُس کا گلہ کیوں کر کرے۔ اُسے معشوق سے کیوں کر مانگے ان پُر کیف معاملات کو دیکھو ؎

مرا غمے ست کہ پیدا نمی توانم کرد　　شکایتِ دلِ شیدا نمی توانم کرد
تو حالِ من خود ازیں روے زرد بیں ورنہ　　کہ من بروے تو پیدا نمی توانم کرد
مگر تو خود بکرم باز بخشیم دلِ ریش　　کہ من ز شرم تقاضا نمی توانم کرد

عشاق کے آنسو کبھی دریا ہیں اور کبھی سمندر ان کے جوش و طغیانی کا یہ عالم ہی کہ کبھی سکون آنے ہی نہیں پاتا لیکن خسرو نے جس انداز سے اس مضمون کو ادا کیا ہی وہ اپنی جدت میں آج تک نیا ہی ؎

میروی و گریہ می آید مرا　　صبر کن چنداں کہ باراں بگزرد

اس شعر کی جدت و جامعیت قابل لحاظ ہی معشوق جانا چاہتا ہی اس لئے کہ لازمۂ معشوقیت ہی یہ ہی۔ عاشق کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلتے ہیں اب وہ معشوق سے کہتا ہی کہ گو میرے پاس بیٹھنا ناگوار سہی لیکن زرا صبر کر پانی تھم جائے تو چلے جانا لطف یہ کہ اس پانی کی علت معشوق کا جانا ہی ہی۔ دیکھو صرف ایک چھوٹے سے شعر میں کتنے مضامین ہیں۔ معشوق کے جانے سے جو صدمہ کہ عاشق پر گزرتا ہی اُس کا بیان ہی معشوق کو عاشق کے پاس بیٹھنا جبر ہی جس کے لئے تلقینِ صبر ہی۔ آنسو بارش کی طرح آنکھوں سے

جاری ہیں جب تک یہ بارش نہ تھمے اُس وقت تک کے لئے معشوق سے التماس توقف ہی طولِ قیام کی آرزو کس لطف سے پیش کی گئی ہی۔ افسوس ہم سطریں کی سطریں لکھ گئے لیکن وہ مزہ کہاں جو خسرو کے ایک شعر میں ہی۔

اسی اشک کے مضمون کو ایک دوسرے شعر میں نظم کرتے ہیں۔ اور ایک عجیب خیال کا اظہار کرتے ہیں ؎

اشکم بروں می افگند رازِ درونِ پردہ را | آرے نشکا تیہا بود مہمانِ بیروں کردہ را

شعرا نے معشوق کے قامت کو کیا کیا کچھ نہیں کہا ہی لیکن ذرا اندازِ خسرو دیکھنا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کس طرح کہتے ہیں ؎

یارب آں بالا مگر از آبِ حیواں ریختند | یا مگر جانِ کساں بگداختند آں ریختند
شیرۂ جانہائے شیریں برکشیدند از نہاں | ویں تنِ شیریں از آں شیرینیِ جاں ریختند

آتشِ عشق سے سوختہ و برشتہ عاشق جب اپنے معشوق کو دیکھتا ہی تو اس میں ایک حیاتِ تازہ آجاتی ہی۔ اب وہ اس اثر سے متعجب ہی۔ حیات بخشی کی وجہ پوچھے تو کس سے پوچھے خالقِ عالم کو پکارتا ہی۔ اور پوچھتا ہی کہ تو ہی بتا۔ اس کا خمیر آبِ حیات سے ہی جس کی تاثیر سے مجھ میں جان پڑ جاتی ہی یا بہت سی جانوں کو پگھلا کر یہ ایک جسم بنا ہی یا شیریں جانوں کا شیرہ و روح کھینچکر یہ ایک جسمِ شیریں بنا ہی۔ دیکھو کیسا لطیف و شیریں خیال ہی۔

نظم کے پرکھنے والے اربابِ بصیرت کا یہ فیصلہ ہی کہ بعض بعض اشعار خسرو کے ایسا بلند پایہ رکھتے ہیں کہ ہر شعر ایک دیوان کی قوت رکھتا ہی۔ مثلاً ؎

زلفت زہر دو جانب خونِ ریزِ عاشقان ست | چیزے نمی تواں گفت روئے تو در میان ست

رُخ خود بپوش ورنہ رقم منجمان را | بحساب ہشتم آخر بشمار خواہی آمد

خلاصہ یہ کہ غزلوں میں ان کا مستانہ وار نعرہ دل ہلا دیتا ہے اور یہاں ان کا تیر بے خطا ثابت ہوتا ہے کہیں کہیں ان کی نمکینی سعدی کی شیرینی پر چشمک زن ہے۔ اپنی تمنا، اپنی مایوسی، اپنا انتظار، اپنی ناکامی، اپنی بیقراری، اپنی پریشانی کی جو تصویریں اپنی غزلوں میں اُنھوں نے کھینچی ہیں وہ گویا جیتی جاگتی بولتی چالتی چڑیاں ہیں جو اپنی دردانگیز آواز سے دل ہلائے دیتی ہیں چند غزلوں کے مسلسل اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں ؎

از جانِ من آرام رفت آرام جانِ من کجا | ہجرم نشانِ فتنہ شد فتنہ نشانِ من کجا

آمد بہار مشک دم سنبل دمید و لالہ ہم | سبزہ بصحرا زد قدم سرو روانِ من کجا

در کارِ غم شد سوریم بے پردہ شد مستوریم | تلخ ست عیش از دوریم شکر فشانِ من کجا

ہردم جگر در سوز و تاب از دیدہ ریزم خونِ ناب | اینک مے و اینک کباب آں میہمانِ من کجا



گل نو رسید و بوئے ز بہارِ من نیامد | چہ کنم نسیمِ گل را چو ز یارِ من نیامد

دلِ من چرا چو غنچہ نہ شود دریدہ صد جا | کہ صبا رسید و بوئے ز بہارِ من نیامد

اگر اے حریف داری نظرے بروے یارے | تو بہارِ خویش خوش کن کہ بہارِ من نیامد

بہ شبِ نشاط یارا چہ خبر ترا ز خسرو | کہ بہ جانبِ تو روزے شبِ تارِ من نیامد

زندگی کی بے ثباتی، دنیا کی بے وفائی، زمانہ کا جور، یارانِ رفتہ کی جدائی کا گلہ

اکثر شعرانے کیا ہی مگر جس درد انگیز لہجہ میں یہ راگ خسرو الاپ گئے ہیں انھیں کا حصہ ہی ؎

یاراں کہ بودہ اند ندانم کجا شدند　　یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند
گر نوبہار آید و پرسد ز دوستاں　　گو اے صبا کہ آں ہمہ گلہا گیا شدند
اے گل چو آمدی ز زمیں گو چگونہ اند　　آں لالہ و بہا کہ در تہِ گردِ فنا شدند
آں سروراں کہ تاجِ سرِ خلق بودہ اند　　اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاکِ پا شدند
خورشید بودہ اند کہ رفتند زیرِ خاک　　آں ذرّہا کہ ہر ہمہ اندر ہوا شدند
بازیچہ ایست طفل فریبِ متاعِ دہر　　بے عقل مردماں کہ بریں مبتلا شدند

غزل میں خسرو کی قادر الکلامی احاطۂ انضباط و تحسین سے باہر ہی۔ ان کی عبارت میں الفاظ کو اپنے مضمون کے ساتھ غضب کا تناسب پایا جاتا ہی۔ جو لفظ جہاں کے لئے مناسب ہوتا ہی وہی یہ استعمال کرتے ہیں بحروں اور قافیوں کے یہ بادشاہ ہیں چاہیے کہ بحور و قوافی انکی روانی طبع کے سد راہ ہوتے ہوں ہرگز نہیں بلکہ یہ اور بھی ان کی طبیعت میں جولانی پیدا کر دیتے ہیں مثلاً ذیل کی غزل پڑھو۔ کیسا سر توڑ قافیہ ہی۔ مگر ہوار قلم اس روانی سے جاتا ہی کہ زمین ہموار و مسطح معلوم ہوتی ہی ؎

سروے چو تو در حدیقہ و در نبتہ نباشد　　گل شکلِ رخِ خوبِ تو البتہ نباشد
دوزند قبا بہرِ قدت از گل سوری　　تا خلعتِ زیبائے تو از لتہ نباشد
در جنتِ فردوس کسے را نہ گزارند　　تا داغِ غلامیِ تو اش پتہ نباشد
لقمانی مسکیں نکند میل بہ جنت　　در صحنِ بہشت ار طبقِ پتہ نباشد

این حسن و لطافت کہ تو کافر بچہ داری
درچین و خطا و ختن و خیتہ نہ باشد

اب ایک دو نمونے عام عاشقانہ جن میں معشوق سے خطاب عشق کی واردات مستی و بیخودی کی باتیں ہیں درج کرتا ہوں ؎

ساقیا مے دہ کہ امروزم سرِ دیوانگیست
دور بر گرداں کہ مرگم از تہی پیمانگیست

من برغبت جاں دہم تو رحمت آری بر تنم
این عنایت درمیانِ دوستاں بیگانگیست

شمع شیرینی چشیدست ار بسوزد باک نیست
لذت از آتش گرفتن مذہبِ پروانگیست

بہرِ تو خلقے می کشد ہر سو منِ بدنام را
بس می نیایم چوں کنم وہ این دلِ خودکام را

یکشب بہ بامے دیدمت و آنگہ بیاد پائے تو
رنگیں بساطے می کشم از خونِ چشم آں بام را

خواہم کہ خونِ خود دمے در گردنِ جانت کنم
دانی چہ دولت میدہی ہر ساعت از لب جام را

تا چند ہر دم از صبا در جنبش آید زلفِ تو
آخر دمے آرام دہ دلہائے بے آرام را

گر کشتہ شد خسرو ز غم تہمت چہ بر خوباں نہم
چوں چرخ خنجر میدہد در کشتنم بہرام را

شمعِ فلک بر آمد با آتشیں زبانہ
ساقیِ نامسلماں در دہ مےِ مغانہ

کشتیِ ما رواں کن تا کنارہ یابم
دریائے غم ندارد چوں ہیچ جا کرانہ

نے نے کہ از رخِ خود کن بیہشیم کہ بارے
یک دم خلاص یابم از محنتِ زمانہ

رو تا روم بیروں دستے بگردنِ تو
تو بیخودِ صبوحے من بیخودِ شبانہ

اے من غلامِ شکلت چوں در خمار باشی
نے روئے خواب شستہ نے موئے کردہ شانہ

مطرب بود خود بر دستے چو ابر باراں
وین نےِ خشکِ ما را تر کن بیک ترانہ

من نیم خوردہ خوردم وز بادۂ نرگجی | دل بر لبِ تو دارم می خواستن بہانہ
خسرو کہ ہست مطرب وا مستِ ناز ترخوا | ہاں در چنیں نشاطے یک رقصِ عاشقانہ

لشکر کشید عشق و دلم ترکِ جاں گرفت | صبر گریز پایے سر اندر جہاں گرفت
گفتی کہ ترکِ من کن و آزاد شو زغم | آساں بہ ترک ہمچو توئی چہ تواں گرفت
اے آشنا کہ گریہ کناں پند میدہی | آب از بروں مریز کہ آتش بجاں گرفت
نظّارہ ہم نہ کرد گہِ سوختن مرا | آنکس کہ آتشم زد و از من کراں گرفت
در طوقِ بندگیش رود جاں بعافیت | ہر فاختہ کہ خدمتِ سروِ رواں گرفت

کج کلہا ستمگرا تنگ قبائے کیستی | لا بہ گراے دلبرا عشوہ نمائے کیستی
زیر کلاہِ جعد تر تا کمرت کشیدہ سر | بستہ بہ چابکی کمر چست قبائے کیستی
مرکبِ ناز کردہ زیں دادہ بغمزہ تیغ کیں | ساختہ آمدہ چنیں تا زبرائے کیستی
سینہ بند جائے تو دیدہ بزیرِ پائے تو | با ہمہ در ہوائے تو تو بہ ہوائے کیستی
خسروِ خستہ را سخن بستہ شد از تو در دہن | طوطیِ شکرینِ من نغمہ سرائے کیستی

اگرچہ غزل میں مسلسل کلام نہیں ہوتا اُس کا ہر شعر ایک الگ مضمون ہوتا ہے اور اسی لئے شعرا نے غزل ایجاد کی، لیکن یہ عاشق کی گفتگو ہے۔ کبھی کبھی وہ ایک مسلسل کلام بھی کرتا ہے۔ اس لئے اساتذۂ غزل کے دیوانوں میں ایسی غزلیں بھی بکثرت موجود ہیں جن کا مضمون مسلسل ہے خسرو کی آخری غزل جو میں نے درج کی ہے وہ تسلسل ہی کا نمونہ ہے۔

شوخی و ظرافت پر جب آتے ہیں تو ایک ایک جملے میں سو سو چمن کھلا جاتے ہیں

طبیعت اس بلا کی چلبلی پائی ہے کہ خود حسنِ بیان مُنہ چومنے دوڑتا ہے مثلاً ؎

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب — کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خمار دارد

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

مست آمدہ باز مہمان کہ بودی — دانم شکری در شکرستان کہ بودی

اے یارِ جدا ماندہ دلِ تنگ کہ جستی — اے یوسفِ گم گشتہ بہ زندان کہ بودی

دیوانۂ من بر سرِ کوے کہ گزشتی — تشویش دہِ حالِ پریشان کہ بودی

می دوش کجا خوردی و ساغر بہ کہ دادی — در ظلمتِ شب چشمۂ حیوان کہ بودی

جعدت کہ کشیدست و لبت را کہ گزیدست — بیش کہ نشستی شب و مہمان کہ بودی

آراستہ و مست در آغوش کہ خفتی — این بخت کرا بود بفرمان کہ بودی

چھوٹی بحروں میں یہ جب کہتے ہیں تو آبِ حیات کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہے۔ مثلاً
اس غزل کو دیکھو ؎

دیوانہ شدم در آرزویت — اے چشم ہمہ جہاں بسویت

ما ئیم و تحیر و خموشی — و آفاق ہمہ بہ گفتگویت

وے روے تو دیدم و نمردم — شرمندہ بماندہ ام ز رویت

پرسی کہ چگونۂ ز من دور — دور از تو چہ پرسیم چو مویت

خسرو بکمندِ تو اسیر ست — بیچارہ کجا رود ز کویت

اگر غزل گو شعرا کی فہرست طیار کی جائے تو صرف اُن کے اسما سے ایک ضخیم جلد طیار ہو سکتی

ہے۔ لیکن غزل کا حق جس نے ادا کیا ہو اگر اس نقطۂ نظر سے فہرست طیار کیا چاہو تو بجز
چند ناموں کے اور کچھ نہ پاؤ گے جن میں اُستادِ غزل سعدی ہیں اور ان کے بعد خسرو و حسن
دہلوی۔ سعدی نے جن اصول و مضامین پر غزل کی بنیاد رکھی وہ محض شاعری نہ تھی بلکہ
حقائق و معارف کی چاشنی بھی اُن میں تھی اس لئے خسرو و حسن دہلوی کے سوا کوئی شاعر
سعدی کے تتبع میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ان دونوں میں بھی خسرو کو مرتبۂ اوّلیت حاصل ہے
خسرو کی غزلوں پر اگر ایک مختصر و جامع تنقید چاہتے ہو تو صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ وہی
بادۂ شیراز ہے جو دوبارہ کھینچ کر دو آتشہ ہو گئی ہے۔

غزل کا دوسرا دور اس کے بعد ایک دوسرا دور غزل کا آیا جس میں خواجو کرمانی و حافظ شیرازی
ہیں اگرچہ یہ کوئی نیا دور نہ تھا لیکن بعض مضامین مثلاً ساقی و صراحی بادہ و جام میخانہ و
پیرمغاں رندو خراباتی کی مدح زاہد و واعظ کی ہجو۔ دنیا کی بے ثباتی انکا نہایت ہی جوش و
بلند آہنگی سے ترانہ گایا گیا تھا۔ یہ باتیں سعدی کی غزلوں میں اُسی انداز خاص سے جو اُنکا
طرز تھا موجود تھیں لیکن ان کا مرتبہ بنیاد کا تھا۔ خواجو کرمانی نے اُنھیں بنیادوں کو ذرا نمایاں
کیا اور حافظ نے اُسے آسمان تک پہنچا دیا۔ اُنھوں نے اپنی سُریلی آواز سے فارسی دان
دنیا میں ایک مستی و مدہوشی کا عالم پیدا کر دیا جس کا نشہ آج تک باقی ہے۔ خواجہ حافظ نے
جس وقت شاعری شروع کی ہے اُس وقت سلمان ساوجی و خواجو کرمانی کا رنگ چھایا ہوا تھا
خود ان کی طبیعت میں بھی فطری جوش و مستی بھری ہوئی تھی۔ اُنھوں نے اپنے کلام کی بنیاد انھیں
دونوں کی داغ بیل پر ڈالی جیسا کہ اُن کے بعض اشعار سے ظاہر ہے ؎

شہنشہِ فضلا بادشاہِ ملکِ سخن　　　جمال ملت و دیں خواجۂ جہاں سلماں

چہ جائے گفتۂ خواجو و شعرِ سلمان ست　　　کہ شعرِ حافظِ شیراز بہ ز شعرِ ظہیر

اوستادِ غزل سعدی ست پیشِ ہمہ کس امّا　　　دارد غزلِ حافظ طرز و روشِ خواجو

لیکن ان کی طبیعت کے اصلی جوہر نے اُسے ایسا چمکایا جس کے سامنے سلمان و خواجو دونوں کے گوہرِ فکر بے آب معلوم ہونے لگے۔ سلمان کی غزلوں میں تو کچھ نہیں۔ ہاں ان کے قصائد ہیں جن سے ان کی شاعرانہ قوت ظاہر ہے۔ البتہ خواجو کے دیوان میں ایسی بہت سی غزلیں ہیں جو حافظ کی ہم ردیف و ہم قافیہ و ہم بحر ہیں۔ اسی کے ساتھ اکثر مضامین اور اسلوب ادا کا بھی اتحاد پایا جاتا ہے جس سے حافظ کا تتبع صحیح ثابت ہوتا ہے۔ خواجو کا دیوان نایاب ہے جس نے نہ دیکھا ہو گا اُس کو تعجب ہو گا کہ حافظ اور خواجو کا تتبع۔ لیکن جس نے خواجو کا دیوان دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ وہی صہبائے مستی ہے جس کی تندی و تیزی بڑھا دی گئی ہے۔

مقصود اس سے یہ ہے کہ خسرو کا مقابلہ غزل میں حافظ شیراز سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں کا طرز ہی جداگانہ ہے۔ جہاں ایک ود و سرود زلف و خال باغ و راغ کوہ و صحرا دشت و دریا میں شاہدِ معنی کے جمال جہاں آرا سے مست ہو رہا ہے وہاں دوسرا میخانۂ رومی کا دلدادہ بن کر مے کی لہروں میں معشوقِ حقیقی کے رخ و عارض کا جلوہ دیکھ کر مدہوش ہے اگرچہ دونوں یکساں عشق کے پھندے میں پھنسے ہیں مگر دو رنگ سے ؎

ہر دو شاعر ہم سبق بودند در دیوانِ عشق　　　یک بصحرا رفت و دیگر با مغاں مستانہ شد

حافظ کا صحیح مقابلہ خواجو کرمانی سے جو ان کے عہد میں تھے اور حکیم سنائی و عمر خیام سے جو

ان سے بہت قبل تھے کیا جا سکتا ہی۔ اس لئے کہ ان تینوں کا ایک ہی رنگ ہی۔ ورنہ یوں تو دس بیس شعر متحد المعنی انتخاب کر کے لکھ دینا کچھ دشوار نہیں مگر یہ فی الحقیقت اپنی بد مذاقی کا ثبوت دینا ہوگا مثلاً خسروکا ایک شعر ہی ؎

ازپسِ مرگ اگر بر سرِ خاکم گزری بانگِ پایت شنوم نعرہ زناں برخیزم

اسی مضمون کو اسی بحر و قافیہ میں حضرت حافظ و سلمان ساوجی نے کہا ہی۔

حافظ ؎

بر سرِ تربت من بامی و مطرب بنشیں تا من از کنج لحد رقص کناں برخیزم

سلمان ؎

چوں شوم خاک بخاکم گزرے کن چو صبا تا بہ بوئے تو زمین رقص کناں برخیزم

خسرو نے جس سادگی اور صفائی کے ساتھ خوش نما پیرایہ میں مضمون بیان کیا ہی وہ مذاقِ سلیم رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہی۔ یہ امر مسلم ہی کہ عاشق جو فراقِ یار میں ہمہ تن انتظار ہی اُس سے اتنا صبر نہیں ہوسکتا کہ معشوق کے پہونچنے کا انتظار کرے۔ پاؤں کی آہٹ پاتا ہی اور استقبال کو کھڑا ہو جاتا ہی۔ چوں کہ یہ مضمون فطرت سے بہت نزدیک ہی بدیں وجہ کلام نہایت بلیغ ہوگیا۔ ''بانگ پا'' اور ''نعرہ زناں'' نے شعر کے لطف کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔

حضرت خواجہ حافظ نے برخیزم کی کیفیت کو رقص سے اور بھی مکیف کردیا۔ مگر ان کو لحد سے اُٹھانے کے لئے ساز و سامان چاہئے۔ مے ہو مطرب ہو اور اس کے ساتھ یار کی

نشست ہو۔ صرف آمد کافی نہیں۔ ان تینوں کے مجموعۂ قوت کا یہ اثر ہو کہ لحد سے رقص کناں اُٹھیں۔

سلمان کا شعران دونوں کے مقابل ہیچ ہے۔ اگرچہ سادگی وصفائی ہے مگر کوئی لطف نہیں۔ جو ہوا کہ خاک کو رقص میں لاتی ہے اور بگولا بناتی ہے وہ صبا نہیں ہے۔ صبا لطیف پُروائی ہوا کو کہتے ہیں یہاں بو کی وجہ سے صبا کا ہونا ضرور تھا۔ اگر شاعر صبا کی جگہ کسی تند و تیز ہوا کو لاتا تو بو اُڑ کر غائب ہو جاتی۔ یہاں صبا سے بو پہنچانے کی خدمت لی گئی ہے رقص کناں برخیزم کو اُس سے کوئی تعلق نہیں۔

غرض یہاں بحث خسرو کی تغزل سے ہے کہ یہ کس رنگ میں غزلیں کہتے ہیں اور ان کا پایہ غزل میں کیا ہے اور یہ بحث اس مختصر رسالے کے تحمل سے زیادہ ہو چکی اب ہمیں صرف ایک بات اور کہنی ہے کہ شاعری میں موسیقی کا بھی دخل بعضوں نے تسلیم کیا ہے چنانچہ سعدی و حافظ کی غزلوں میں جہاں اور لطافتیں بیان کی گئی ہیں وہاں بحور کی نغمہ و ترنم سے موزونی و مناسبت بھی بیان ہوئی ہے۔ اب میرا یہ کہنا کہ اگر شاعری کے محاسن میں موسیقی کا دخل ہے اور لطیف نظم کے الفاظ تال وسم سے مطابقت رکھتے ہیں تو اس باب میں خسرو علیہ الرحمہ کا کوئی بھی مقابل و مساوی نہیں۔ ایک کھلے راز کا اظہار ہو گا

قصائد امیر خسرو سے قبل ظہیر رشید کمال اسمٰعیل الملقب بہ خلاق المعانی خاقانی الملقب بہ حسان العجم انوری وغیرہ مشہور قصائد نگار گزر چکے تھے۔ لیکن جس طرح کہ غزل میں یہ شیخ سعدی کے قدم بقدم رہے اور بہت سی غزلوں میں اپنی شان خسروی بھی

ظاہر کر گئے۔ اُسی طرح قصائد میں بھی ان باکمالوں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں اور جب ان کا خاص میدان آتا ہے تو سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتے ہیں۔

یہ ایک زمانہ دراز تک چونکہ شاہزادوں اور بادشاہوں کے دربار کے زیور رہے ہیں اس لئے قصائد نویسی کا موقع ان کو بہت ملا جس نے ان کی طبیعت پر اور بھی جلا کر دی۔

قصیدہ میں شاعر کا جوہر دو جگہ کھلتا ہے۔ ایک تو مخلص یعنی گریز جہاں سے مقصد شروع ہوتا ہے دوسری تشبیب و مقصد میں توازن و لطف کا اس طرح قائم رکھنا کہ دونوں حصوں میں سے کوئی بھی بدمزہ نہ ہونے پائے۔

نصر بن سیّار جو بنی اُمیّہ کی طرف سے خراسان کا والی تھا اُس کے سامنے کسی نے مدحیہ قصیدہ پیش کیا جس میں سو شعر تو تشبیب کے تھے اور صرف دس شعر میں پوری مدح تھی۔ نصر نے جو کہ خود سخن فہم تھا قصیدہ سُن کر کہا ما بقیت کلمۃ عذبۃ ولا معنی لطیفاً الا وقد شغلته عن مدیحی بتشبیبك یعنی الفاظ شیریں اور معنی لطیف تو سب تشبیب میں ختم ہو گئے اب مدح کے لئے گیارہ گیا تب اُس نے دوبارہ قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا۔

هل تعرف الدار لام العمر   دع ذا وحبّر مدحه فی نصر

یعنی کیا تو ام عمر کے مکان کو پہچانتا ہے اس ذکر کو چھوڑ اور نصر کی مدح لکھ۔ اسے سُن کر نصر نے کہا۔ لا ذالك ولا هذا ولكن بين الامرين۔ یعنی نہ وہ افراط نہ یہ تفریط۔ بلکہ ان دونوں کے بین بین کلام ہونا چاہیئے۔

اس واقعہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جہاں گریز میں شاعر کی قوت دیکھی جاتی ہے کہ

سلسلہ کلام کو باقی رکھتے ہوئے کس طرح مطلب و مقصد کی طرف آتا ہے وہاں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ لطف بیان اور زورِ کلام میں بھی توازن رہا یا نہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے قصائد سیکڑوں ہیں اور ان دونوں کمالوں سے آراستہ و پیراستہ ہاں اربابِ دنیا کی مدح میں اُن کا بیان پھیکا ہو جاتا ہے چوں کہ وہ دل کی صدا نہیں ہوتی اس لئے ایسے قصائد میں ساری قوت تشبیب میں صرف کر دیتے ہیں۔ گریز اچھی کرتے ہیں لیکن مدحِ اہلِ دول ان سے نہیں بن آتی پھر بھی اگر کہیں اس پر متوجہ ہو گئے ہیں تو مبالغہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے مثال کے طور پر دو نمونے پیش کرتا ہوں۔

ظہیر فاریابی اپنے ایک قصیدہ میں قزل ارسلاں کی شان میں لکھتا ہے ؎

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیرِ پائے — تا بوسہ بر رکابِ قزل ارسلاں دہد

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اس پر یوں تعریض کرتے ہیں ؎

براہِ تکلف مرو سعدیا — اگر صدق داری بیار و بیا
تو منزل شناسی و شہ راہ رو — تو حق گوے و خسرو حقائق شنو
چہ حاجت کہ نہ کرسیِ آسماں — نہی زیرِ پائے قزل ارسلاں
مگو پائے عزت بر افلاک نہ — بگو روے اخلاص بر خاک نہ

خسرو نے سلطان جلال الدین کی شان میں جو قصیدے لکھے ہیں اُن میں سے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں ؎

ز آبِ حیات شست دہن را ہزار بار — تا بوسہ بر رکابِ شہِ کامراں دہد

اندیشہ کے رسد کہ بہ بوسد رکابِ شاہ | گر بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد
زاں سوے کوں گر پرد اندیشہ تا ابد | نتواند آنکہ بوسہ براں آستاں دہد

اسی بحر و قافیہ میں سلمان ساوجی کا بھی ایک قصیدہ شیخ اویس کی شان میں ہے اُس میں وہ کہتے ہیں ؎

در بوستاں بیادِ دہانِ تو غنچہ را | ہر دم ہزار بوسہ صبا بر دہاں دہد
ہست آستانِ حضرتت اقبال را حرم | مقبل کسے کہ بوسہ براں آستاں دہد
گشت ست پائے باز مشرف بدست تو | بر پائے خویش بوسہ بیاپے ازاں دہد

دیکھو ظہیر فاریابی امیر خسرو سلمان ساوجی تینوں ایک ہی مضمون کہہ رہے ہیں لیکن یہاں خسرو چونکہ مبالغہ کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں اس لئے ظہیر و سلمان دونوں سے ان کا مبالغہ بڑھ گیا۔

ماہ نو کی تشبیب مشاہیر قصائد نگاروں کی ایک موقع پر صاحب خزانہ عامرہ نے جمع کردی ہی ہم اُس میں سے بخوفِ طوالت صرف خاقانی و انوری و خسرو کی تشبیب درج کرتے ہیں۔ ظہیر کے ساتھ مقابلہ اوپر گزر چکا اب تکرار سے کیا حاصل۔

خاقانی ؎

دوش چوں خورشید را مصراعِ خاور ساختند | ماہِ نو را چوں حمائل حلقہ پیکر ساختند
محتسب گوئی بماہِ روزہ جامِ می شکست | آں شکستِ جام را رسولے خاور ساختند
چرخِ جادو پیشہ چوں زریں قوان کرد گم | دامن تحلیش راجیبِ مقور ساختند

در زبان چرخ را گوئی چہ سہو افتادہ بود
کاں زرہِ سیمیں بدیں دامن نہ در خور ساختند
یا شبانگہ قصد کردند اختران تپ زدہ
کاسماں طشت و شفق چوں ماہ نشتر ساختند
نیمۂ قندیل عیسےٰ بود یا محراب روح
یا مثالِ طوق اسپ شاہ صفدر ساختند

انوری ؎

دوش سلطانِ چرخ آئینہ فام
آنکہ دستور شاہ راست غلام
از کنارِ نبردگاہِ اُفق
چوں بدستِ غروب داد زمام
دیدم اندر سواد طرۂ شب
گوشوارہ فلک زگوشۂ بام
گفتم آں نعل خنگ دستور ست
قرۃ العین و فخر آل نظام

خسرو ؎

برآمد ماہِ عید از اوج گردوں
طرب چوں ماہِ نو شد ہر دم افزوں
بلوحِ آسماں نونے ست یا عین
کہ بیروں آمدہ از کلکِ بیچوں
بہ بیں اندر رکوع آں پارۂ نور
ہلالش گوئی خواہی خواہ ذوالنون
ہمانا حلقۂ گوشِ سپہر ست
کہ دارد از کواکب درِّ مکنوں
سواد شام در پیشِ مہِ نو
مگر لیلےٰ ست در پہلوے مجنوں
چنیں ماہِ نو و عیدِ خجستہ
مبارک باد بر ذاتِ ہمایوں

قصائد گوئی کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے وہ بوجہ احسن و اکمل خسرو میں موجود تھیں اور اُنھوں نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے اپنے قصائد میں اپنے جوہر کا اظہار کر دیا ہے۔

شوکت و ندرت الفاظ مسائل علمیہ مقدمات حکمیہ دقائق سلوک و تصوف اصطلاحات علوم مختلفہ دقت معانی صنائع و بدائع لفظی و معنوی (خصوصاً تجنیس و ترصیع) بلند پروازی مبالغہ وغیرہ۔ قصائد نویسی کے زیور ہیں۔

خسرو کا خزانۂ خیال ان سب متاع سے مالا مال تھا۔ پھر جس فراوانی سے وہ اس کو لٹا سکتے تھے وہ کچھ کہنے کی بات نہیں۔ ان کے کلیات کو اٹھا کر دیکھو۔ مختلف بحور و قوافی میں پچاسوں قصیدے پاؤ گے اور نہایت سیر۔

الحمد للہ کہ پیر جواں ہمت خادم اسلام و مخدوم قوم نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے چشمۂ فیض کی بڑھتی ہوئی موجوں میں قوم کو قصائد خسرو کے بھی مطالعہ کا موقع ملے گا۔

ہم یہاں محض ایک دو نمونے قصائد خسروی کے درج کرتے ہیں تاکہ ایک مجمل اندازہ ان کی قصائد نویسی کے متعلق ناظرین کرسکیں۔

موعظمت و اخلاق میں ان کا ایک قصیدہ ہے جس کا نام بحر الابرار یا دریائے ابرار ہے نہایت ہی سیر قصیدہ ہے اُس میں یہ التزام ہے کہ ہر شعر کا پہلا مصرع دعویٰ ہے اور دوسرا دلیل دو شعر اُس کے یاد ہیں اُنھیں کو لکھتا ہوں ؎

عاشقی رنج ست و مرداں را بسینہ راحت ست	سلسلہ بند ست و شیراں را بگردن زیور ست
راہ روچوں ز ریا کو شد مرید شہوت ست	بیوہ زن چوں سُرخ بیارایدبہ بند شوہر ست

چند قصائد ان کے صنعت لف و نشر مرتب میں ہیں جن میں علاء الدین کی مدح کی ہے۔ تین شعر نمونۃً اُس میں سے بھی لکھتا ہوں ؎

کجا خیزد چو تو سروے جوان و نازک و نوبر ۔۔۔ شکر گفتار و شیریں کار و گل رخسار و مہ پیکر
نباشد چوں لب و اندام و گیسو و رخت ہرگز ۔۔۔ شکر شیرین و گل رنگین و شب مشکین و صبح ازفر
بر اندیشۂ مہر و فراق و آرزوئے تو ۔۔۔ زشخصم تاب و رویم آب و چشمم خواب و جانم خور

خسرو کے بعد سلمان ساوجی و قاآنی نے اسی صنعت میں قصیدے لکھے ہیں جو اُن کے کلیات میں موجود ہیں لیکن سلمان ساوجی کا قصیدہ تو بہت ہی پھیکا رہا۔ بالکل آورد و تصنع معلوم ہوتا ہی۔ قاآنی جو شوکتِ الفاظ کا بادشاہ ہی یہ اپنے زورِ الفاظ سے بہت کچھ رنگ آمیزی کرنا چاہتا ہی۔ لیکن خسرو سے بمراحل دور ہی۔

خسرو نے اپنے ایک طولانی قصیدے میں جس قادر الکلامی کے ساتھ مسئلہ تخلیقِ عالم اور اُس کے متعلقات پر بحث کی ہی اُس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ ان فلسفیانہ مسائل میں وہ اس طرح تیرے ہوئے ہیں اور فلسفہ کے دقائق و نکات اُن پر اس طرح حل ہیں کہ طرح طرح کے اسلوب سے بیان کرنے پر اُنھیں قدرت تامہ حاصل ہی۔

پدید کرد جواہر مجرد از مادہ ۔۔۔ کہ در خزانۂ ملکش بسلکِ اظہار ست
یکی ست نفس کہ ہست او مدبر ابدال ۔۔۔ کہ بہر بہر بدنے روز و شب بتیمار ست
وگر دوم طلبی عقل جوہریست کہ آں ۔۔۔ نہ در تعلقِ کارِ دیار و دیار ست
زہے عجائب صنعش کہ در لوائح کن ۔۔۔ ولد سہ پشت نہ و مرد ہفت زن چار ست
نبات و معدن و حیوان ریں حدیقہ کنوں ۔۔۔ سہ میوہ ایست کہ از یک درخت آں بار ست
یکے ست سنگ جماد و ملون و سادہ ۔۔۔ کہ از مشابہتِ و شریک بیزار ست

دوم چو شعله دران تکیه کرد بر پایش | گهے بکنج حرم گه بصفهٔ نارست
سوم رونده و گردان خزانه خانهٔ جانست | که بهر نقب خزانه بسیعش هنجارست
دران خزینه چهارم گران بها گهریست | که قیمتش نه دو و دو عالمش خریدارست
ازان سه جاهل سود و زیان و لذت و ذوق | بریں یکے که یگانه ست جمله اشیارست
وجود آدمی از عین غرتش عکس ست | چو عکس آب که از آدمی نمودارست

اسی قصیدے میں انسان کی ترکیب جسمانی و حیوانی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

ز آب و گل تن مردم چو قلعهٔ آراست | بشکل تنگ و بمعنی جهان اسرارست
درو کشیده چو عنصر چهار بازارے | که رخت هر دو جهانش بچار بازارست
خزینه دار نفائس بسینه دل را ساخت | خرد وزیر شد و جان سپاه سالارست
نخست حس برون را به تجربه بنگر | که ذوق و فائده در هر یکے چه مقدارست
دگر حواس درون بینی آن خود اندر تن | هزار عالم مستور خاص ستارست
تو حس مشترک و وهم و فهم صورت کن | که هر یکے آئینهٔ جان بغیر زنگارست

شاعر کی جادوگری و سحرنگاری کے جو مواقع ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ خشک علمی مضامین کو اپنی رنگین بیانی سے ایسا آراستہ کرے کہ صحیح مسائل کا بیان دل آویز و دل پذیر ہو جائے جس نے فلسفہ و حکمت میں ان مسائل کو پڑھا ہوگا وہی سمجھ سکتا ہے کہ ان دقیق مسائل کو خسرو نے کس محققانہ طرز سے ادا کیا ہے۔ جو مسائل کتب حکمیہ میں چند صفحوں میں بیان ہوئے ہیں یہاں اُنھیں چند اشعار میں بیان کر رہے ہیں۔

خاقانی نے ایک نہایت طویل الذیل قصیدہ لکھ کر اُس کا نام مرات النظر رکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

دلِ من پیر تعلیم ست و من طفلِ زباندانش   دمِ تسلیم سرِ عشر و سرِ زانو دبستانش

یہ قصیدہ اُس کا بہت ہی مشہور قصیدہ ہے اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس قصیدے میں اُس نے بڑی داد قادر الکلامی دی ہے۔ مضامین اپنے علو مرتبت میں اور خیالات اپنی بلند پروازی و ندرت میں آپ اپنا جواب ہیں بعادت کے موافق خاقانی نے اس قصیدے پر بہت کچھ فخر و مباہات کئے ہیں اور کوس انا ولا غیری بجایا ہے۔ خسرو نے اس کے جواب میں ایک قصیدہ اسی بحر و قافیہ میں لکھا اور اُس کا نام مرات الصفار رکھا۔ خسرو کے بعد مولانا جامی نے بھی اسی بحر و قافیہ میں طبع آزمائی کی۔ اور اپنے قصیدے کا نام جلاء الروح رکھا۔

ان تینوں قصائد میں کیا فرق ہے۔ اس بحث کو میں یہاں چھیڑنا نہیں چاہتا کیونکہ ان پر بحث کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے جس کا یہاں موقع نہیں۔ اور چند اشعار کے مقابلہ سے پورے قصائد کی خوبیاں اور ایک دوسرے کا فرق ظاہر نہیں ہو سکتا تاہم اس خیال سے کہ سطحی طور سے بھی عام ناظرین اندازہ کر سکیں اپنے مقصد کے لئے مناسب ہو گا کہ تینوں قصائد میں سے تھوڑے تھوڑے اشعار ذیل میں درج کر دیے جائیں جس میں جامی کا قصیدہ خود تنقید کا مرتبہ رکھتا ہے اُنھوں نے آخر قصیدے میں فیصلہ کر دیا ہے کہ کس کے قصیدے کا کیا پایہ ہے۔

خاقانی ؎

دلِ من پیرِ تعلیم ست و من طفلِ زباندانش — دمِ تسلیم سرِ عشر و سرِ زانو دبستانش
نہ ہر زانو دبستان ست و ہر دم لوحِ تسلیمش — نہ ہر دریا صدف دارست و ہر نم قطرۂ نیسانش
سرِ زانو دبستان ست چوں کشتیِ نوح آں را — کہ طوفان خموش در داوست و جودی گرد دامانش
کسے کیں خضرِ معنی رہست دہنگیر چوں موسیٰ — کفِ موسیٰ و آبِ خضر بینی در گریبانش
مرا ہمت چو خورشید ست شاہنشاہ زندستا — کہ چرخش زیر رانست و سرِ عیسیٰ ست بر رانش
بلے خود ہمتِ درویش چوں خورشید می باید — کہ سامانش ہمہ شاہی ست او فارغ ز سامانش
زہے خضرِ سکندر دل ہوا تخت و خرد تاجش — خہے سرمست عاقل جاں بقا منزل و رضا خوانش
دو کون امروز دکاں نیست کحال شریعت را — کہ خود کحل الجواہر یافتند انصار و اعوانش
بہ بندار کحل دیں خواہی کمر چوں دستۂ ہاون — بہ پیشِ آنکہ ارواح اند ہاون کوبِ دکانش
ہمہ گیتی ست بانگِ ہاون اما نشنود خواجہ — کہ سیمابِ ضلالت ریخت اندر گوش خذلانش
فلک ہم ہاون کحل ست کردہ سرنگوں گوئی — کہ منع کحل سائی را نگوں کردند زیں سانش

حق یہ ہی کہ اس خاقانِ ملک سخن نے اپنی قادر الکلامی اور بلندخیالی کا بے مثال نقش صفحۂ قرطاس پر کھینچ دیا ہی۔ بلحاظ شکوہ الفاظ۔ رفعت خیال۔ زور کلام۔ استعارات و تشبیہات کی موزونی۔ بندش کی چستی۔ اشعار کی برجستگی۔ فصاحت و بلاغت و متانت اور صنائع شعری کے خاقانی کا یہ قصیدہ بے بدل ہی۔

امیر خسروؔ

دلم طفل ست و پیر عشق استاد زبان دانش — سواد الوجہ سبق و مسکنت کنج دبستانش
زبان دان پیر عشق آمد کہ ہر کہ آموخت زو — درونش لوح محفوظ ست و خاموشی ست بزبانش
ببازار فقیران رو اگر نقد لیست در کیسہ — کہ چندیں تحفہ گنج ست در ہر کنج دکانش
چو مرد از خود بروں آید گل و خارست یکرنگش — چو مست از ہوش فارغ شد شب و روزست یکسانش
ز دریاے شہادت گر نہنگِ لا برآرد سر — تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش
نہ من گفتارِ دانا را جوابے ساختم لیکن — جوے آوردم و کاہی کہ ریزم پیش یکرانش
سخن زاں گونہ گفتم من بلند امروز در دہلو — کہ از خوابِ گراں بیدار کردستم بشروانش
مرا انصاف مطلوب ست نے تحسین ازیں معنی — کسے کو بگزرد ز انصاف باشد خصم یزدانش

خسروِ اقلیم معانی نے بھی اپنے قصر مرات الصفا کی آئینہ بندی اور زیب و زینت میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے۔ اور جواہر زواہر معانی سے اُس کی آرائش و زیبائش اس طرح کی ہے کہ خاقان ملک سخن کے قصر معلّیٰ کی رفعت شان سے ہم رتبہ ہو سکے۔ اور انصاف یہ ہے کہ اگر ہمپلہ نہیں تو قریب قریب بام مراد تک رسائی حاصل کی ہے۔ لذت کلام نزہت خیال حسن ادا فصاحت و متانت اور صنائع شعری کے اعتبار سے ان کا قصیدہ بھی لاجواب جواب ہے۔

جامیؔ

معلم کیست عشق و کنج خاموشی دبستانش — سبق نادانی و دانا دلم طفلِ سبق خوانش

ز ہر کس ناید این وستاد و شاگردی نہ ہر کوہے ‏ ‏ بدخشاں باشد و ہر سنگ پارہ لعلِ رخشانش
زباں جز بے زبانی نیست این نادر معلم را ‏ ‏ دریغا در ہمہ عالم ندانم کس زباں دانش
دو شاخِ لا شود در کفر غلّ گردن سالک ‏ ‏ چو یکتاید در الاّ بوحدت چشمِ عرفانش
میانِ لا و الا یک الف فرق ست و زنبود ‏ ‏ در الاّ آں الف بالا شمارد عقل یکسانش
سخن آں بود کز اوّل نہاد استاد خاقانی ‏ ‏ بمہمان خانۂ گیتی پے دانشوراں خوانش
چو در سیرِ معانی یافت خسرو سوے آں خواں رو ‏ ‏ ملاحتہاے او فگند شورے در نمکدانش
اگر امروز ایں خادم زبحر شعر تر آبے ‏ ‏ پئے دست و زباں شستن بیارد نیست تاوانش

سخن سنج جام نے جو فیصلہ کیا ہے اُس سے بہتر فیصلہ اس زمانے کے لوگوں کا کیا ہو سکتا ہے۔ خاقانی نے خوانِ نعمت بچھایا۔ خسرو نے اُس کو نمک ڈال کر بامزہ بنایا جامی علیہ الرحمۃ نے کھانے والوں کے ہاتھ دھلوا دیئے اب ہم بھی قصائد کی بحث کو ختم کرتے ہیں۔

مثنوی | مثنوی میں بھی خسرو کا پایہ بہت ارفع ہے سادگی و صفائی کے ساتھ ساتھ ایک خاص جوش واثر دل آویزی و دل ربائی ان کی مثنویوں میں پائی جاتی ہے۔ بیان کی سلاست زبان کی شوخی الفاظ کی موزونیت و ندرت۔ بندش کی نفاست۔ خیالات کی ہمواری عبارت کی روانی مثالوں کی چاشنی تمثیلوں کی برجستگی مواعظ و پند کی لینت و شیرینی اہلِ ذوق کو والہ و شیدا بناتی ہے۔

اصناف نظم میں مثنوی کی قدامت اور اس کے اقسام | مثنوی نظم کی بڑی صنف اور بہت قدیم صنف ہے باعتبار مضامین

اس کی تین قسمیں ہیں رزمیہ۔ بزمیہ۔ اور اخلاقی و صوفیانہ۔

رزم اور فردوسی

فردوسی کا شاہنامہ جو اُس کی تمام شاعرانہ قوت کا خلاصہ و جوہر ہے اُس میں رزم کی تصویر ایسی ہو بہو کھینچی ہے جس کا مقابل آج تک کوئی پیش نہ کر سکا اگرچہ اُس کے اس التزام نے کہ عربی آمیزش سے حتی الامکان زبان فارسی محفوظ رہے بہت سے ثقیل و نامانوس الفاظ داخل کر دیئے۔ لیکن رزم کی مثنوی میں فردوسی کی زبان سے اُن الفاظ کی ثقالت بھی ایسی ہی خوش نما و پیکر آرا ہے جیسے ایک نبرد آزما جنگ جو کے جسم پر جوشن و زرہ۔

فردوسی و یوسف زلیخا

محمود کے دربار سے جب فردوسی شکستہ خاطر ہو کر بھاگا تو اُس نے اپنی اُس زندگی میں یوسف زلیخا لکھی اور چاہتا تھا کہ بزم میں بھی اپنی عروس سخن کو اس جلوہ گری سے ظاہر کرے کہ رزم و بزم دونوں کا سکہ فردوسی ہی کے نام کا جاری ہو لیکن یہ حصہ کسی آیندہ آنے والے کا تھا۔ اس لئے اس کی سعی یوسف زلیخا میں کچھ کامیاب نہو سکی۔ بعض اس کی علت اُس کی شکستہ خاطری اور پریشاں حالی قرار دیتے ہیں خیر سبب کچھ بھی کیوں نہو لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ رستم و سہراب۔ بہمن و اسفندیار کے خنجر و شمشیر کا بیان کرنے والا لیلےٰ کے تیغِ ادا اور کمندِ گیسو کو کیونکر جان سکتا ہے اس لئے اس کا لکھنا نہ لکھنے کے برابر تھا۔

ہاں اُس قدر عشق کا بیان جس میں سپاہ منشی کی آن بان قائم رہے وہاں تک تو اُس کا قلم بے مثل مصوری کرتا ہے لیکن اس سے جہاں عشق نے قدم آگے

بڑھایا۔ بس فردوسی کا قلم کانپ اٹھتا ہے اگر کوئی فردوسی کے کمالات پر خاک ڈالنا چاہے تو اس کی یوسف زلیخا سے جامی علیہ الرحمۃ کی یوسف زلیخا کا مقابلہ کرکے عوام کو بخوبی دھوکا دے سکتا ہے۔

صوفیانہ و اخلاقی مثنویاں مولانا رومی حکیم سنائی فرید الدین عطار کے رشحات قلم سے عالم وجود میں آئیں اور اس طرح مثنوی کی دو قسمیں بہ تمام و کمال زیور نظم سے آراستہ و پیراستہ ہو گئیں۔ لیکن ان کی ایک قسم یعنی بزم و عاشقانہ وہ اپنی پوری آرائش و زیبائش کے لئے کسی زبردست قلم کی ہنوز منتظر تھی۔

مولانا نظامی اور مثنوی یہاں تک کہ ۵۳۳ھ میں مولانا نظامی گنجوی پیدا ہوئے ان کا خاندان ایک علمی خاندان تھا اور اس کے ساتھ شعر و سخن کا بھی گھر میں شغل رہا کرتا تھا۔ مولانا طالب العلمی کے ساتھ اشعار کی بھی مشق کرتے جاتے تھے۔

پچیس یا چھبیس برس کی عمر میں پہنچکر مخزن الاسرار تصنیف فرمائی۔ اور بہرام شاہ کے نام سے اسے معنون فرمایا۔ پانچ ہزار دینار سرخ ایک قطار شتر اور مختلف قسم کے کپڑے انعام پائے۔ یہ مثنوی صوفیانہ ہے فلسفہ نظری و عملی کو صوفیانہ طرز میں بیان کیا ہے اگرچہ اس موضوع پر مولانا سے پیشتر اسلاف بہت کچھ لکھ چکے تھے لیکن رنگینی و مرصع کاری مولانا کے قلم سے ہونی تھی جیسا کہ مطالعۂ مخزن الاسرار سے یہ وصف ظاہر ہوگا

مخزن الاسرار کے بعد شیریں و خسرو تصنیف ہوئی۔ اس سے فارغ ہوکر داستان لیلیٰ و مجنوں کو نظم کا جامہ پہنایا۔ پھر ہفت پیکر کی آراستگی فرمائی۔ آخر عمر میں سکندر نامہ

لکھ کر اپنے زورِ قلم کا ایک نمونہ چھوڑ گئے۔

مولانا نظامی کی جامعیت اگرچہ مولانا کی ہمہ گیر طبیعت نے تمام اصنافِ سخن پر زورِ قلم دکھانا چاہا۔ غزلیں بھی کہیں قصائد بھی لکھے لیکن اصل مضمون مثنوی ہے جس میں مولانا کی طبعِ رواں عجیب عجیب خوش رنگ و خوشبو گل کھلاتی ہے۔

مثنوی میں نظامی کی خصوصیات یہ نظامی ہی کی جدت آفریں طبیعت تھی جس نے شیریں و خسرو اور لیلیٰ مجنوں لکھ کر شاعری کو عشق و حسن کے مراحل و منازل بھی مثنوی کے سہارے طے کرا دیئے۔ اور مثنوی کی تیسری قسم جو ہنوز تشنہ تھی وہ نظامی کے چشمۂ فیض سے اب ایسی سیراب ہوئی کہ آج تک اس راہ کے پیاسے اُسی چشمۂ صافی سے پیاس بجھاتے ہیں۔

مولانا نظامی سے قبل مثنوی کے لئے تین بحریں مخصوص تھیں شعرا جب مثنوی کہتے تو انھیں تین بحروں میں اُن کے کلام کی روانی پائی جاتی۔ مولانا نے دو بحریں اور اضافہ کیں۔ مخزن الاسرار و ہفت پیکر کی بحریں مثنوی کو نظامی ہی کے دبیرِ قلم کی عطا کردہ ہیں شعرائے مابعد نے ان دونوں نئی بحروں کو بھی ویسا ہی قبول کیا جیسا کہ اس سے پیشتر کی تین بحریں مقبول تھیں اس طرح اب مثنوی کی پانچ بحریں ہو گئیں۔

علاوہ اس کے کہ یہ دو امور خصوصیات بلکہ اولیات نظامی ہیں نفس بیان ترکیب و نشست الفاظ، زورِ تشبیہ اور ندرتِ استعارہ۔ ان محاسن سے مولانا کا گنجینۂ سخن مالا مال ہے۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جن سے دورِ اوّل کا کلام بہت کچھ خالی تھا اگرچہ ایک

خلقی حسین آرائش کا محتاج نہیں ہوتا لیکن جب وہی حسین آرائش کے ساتھ سامنے آتا ہی تو پھر دل پر کچھ اور ہی اثر پڑتا ہی۔

نظامی کے کلام میں وہ حسن بھی ہی جو قدما، کی مثنویوں میں تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُسے سولہ سنگار سے ایسا آراستہ کیا ہی کہ اہل نظر کی نگاہ اُن سے ہٹنے نہیں پاتی۔ مولنا کے اس کمال کا سخن سنجوں نے ایسا صحیح اعتراف کیا کہ بزم شعرا میں انھیں خدائے سخن کا لقب ملا۔ اور یہ لقب مولنا کے ساتھ مخصوص اور آپ کے تخلص نظامی کا مرادف ہو گیا ہی۔

اقسام سہ گانہ مثنوی میں جس قوت و جامعیت سے کہ مولنا کے قلم نے مضامین رنگین کے مینھ برسائے ہیں۔ اُن کا احاطہ ناممکن ہی۔ پھر جذبات کی مصوری و واقعات کی تصویر کشی مولنا نے کچھ اس کمال و خوبی سے کی ہی کہ فردوسی جیسا واقعہ نگار بھی کہیں کہیں پیچھے رہ جاتا ہی۔ مولنا کے اس کمال کے دو نمونے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

مثال اول | دارا جب غلاموں کے ہاتھ سے زخمی ہوتا ہی اور حالت نزع میں آخری سانس لے رہا ہی اُس وقت سکندر اُس کے پاس جاتا ہی اور دارا اُس سے کچھ کہتا ہی اس واقعہ کو فردوسی و نظامی دونوں نے بیان کیا ہی لیکن جو تصویر کہ مولنا کے قلم نے کھینچی ہی اُس کے خط و خال ایسے نمایاں ہیں کہ دارا کے جذبات جذبات معلوم نہیں ہوتے بلکہ گوشت و پوست سے درست ایک چلتی پھرتی صورت معلوم ہوتی ہی۔

فردوسی نے واقعہ یہ دکھانا چاہا ہے کہ مرتے وقت انسان کے تمام ولولے اور جوش فنا ہو جاتے ہیں بسترِ مرگ پر ایک فقیر و بادشاہ دونوں کے جذبات پہلو بہ پہلو ہوتے ہیں۔ اپنی بیکسی و بے مائگی۔ پس ماندوں کی حیرانی و تباہی دونوں پر یکساں چھا جاتی ہے۔

اس لئے فردوسی دارا سے ایسے کلمات نقل کرتا ہے جس سے صرف دنیا کی بے ثباتی اپنی مجبوری انقلابِ دہر کا عبرت ناک سماں سمجھا جاتا ہے۔

برخلاف اس کے مولانا نظامی علیہ الرحمۃ اُس لطیف فرق کو نہایت خوبی سے بیان فرماتے ہیں جو شاہانہ و خسروانہ دماغ کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی تاسف و تحسر کے کلمات دارا کی زبان سے بیان کرتے ہیں لیکن شاہنشاہی اور کیانی تاجداری کی شان اُس میں مضمر ہے اور یہی نکتہ بیان کا کمال بلکہ سخن کی جان ہے۔ دونوں کے کلام سے سات سات شعر اس جگہ ثبوت کے لئے نقل کرتا ہوں۔

فردوسی	نظامی
زمین و زماں بندہ بد پیشِ من	اگر تاج خواہی ربود از سرم
چنیں بود تا بخت بد خویشِ من	یکے لحظہ بگزار تا بگزرم
چو از من ہماں بخت بیگانہ شد	مگرداں سرِ خفتہ را از سریر
ہمہ کاخ و ایواں چو ویرانہ شد	کہ گردونِ گرداں برآرد نفیر

نظامی	فردوسی
تو اے پہلوان کآمدی سوئے من	زنیکی جدا ماندہ ام زیں نشاں
نگہ دار پہلو ز پہلوے من	گرفتار در دست دشمن کشاں
کہ با آنکہ پہلو دریدم چو میغ	زفرزند و خویشاں شدہ نا اُمید
ہمی آید از پہلویم بوئے تیغ	سیہ شد جہاں دیدگانم سفید
چہ دستت کہ با ما درازی کنی	زخویشاں کسے نیست فریادرس
بتاجِ کیاں دست بازی کنی	اُمیدم بہ پروردگارست و بس
نگہ دار دستت کہ دار است ایں	برین ست آئینِ چرخِ رواں
نہ پنہاں چو روز آشکار است ایں	اگر شہریاری و گر پہلواں
زمیں را منم تاج تارک نشیں	بزرگی بفرجام ہم بگزرد
مجنباں مرا تا نجنبد زمیں	شکارست مرگش ہمی بشکرد

دیکھو فردوسی نے بجز اس کے کہ پہلے شعر میں اُس کا صاحبِ تخت و اقبال ہونا بیان کیا ہے اس کے سوا اور کوئی کلمہ ایسا نہیں کہا جس سے ایک ایسے شخص کے جذبات کی خصوصیت معلوم ہوتی جس کا وجود ایک بہت بڑے شاہی خاندان کی یادگار تھا اور جس کی زندگی کی ہر حرکت و سکون سلطنت کیانی کا ایک تاریخی ورق تھا۔

برخلاف اس کے مولانا کا ہر شعر اس خصوصیت کے اظہار میں کیسا کامل ہے

جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ دم واپسیں تک بھی شاہی جذبات سے خالی نہیں ہوتا۔

مولانا نظامی کے کمال کی ایک دوسری مثال

اسی طرح اس واقعہ کو کہ خود سکندر قاصد کے لباس میں ایک دوسرے شاہانہ دربار میں جاتا ہے۔ پیام پہنچاتا ہے اور پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ قاصد نہیں بلکہ خود سکندر ہے۔ لیکن سکندر انکار کرتا ہے۔ آخر میں شاہانِ عہد کی تصویریں نکالی جاتی ہیں اور سکندر کے پاس کوئی حجت نہیں رہتی ہے۔

اس واقعہ کو دونوں نے بعینہٖ لکھا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ مولانا نظامی نے نوشابہ کے دربار میں پہنچایا ہے اور فردوسی قیدافہ کی بارگاہ میں لیجاتا ہے لیکن واقعات کا تسلسل جو نظامی کے یہاں ہے وہ فردوسی کے یہاں بالکل نہیں پایا جاتا۔

فردوسی نے سکندر کو جو قاصد بنایا تو تھوڑی دیر کے لئے اس کے شاہانہ حوصلے خسروانہ جذبات ملوکانہ اولوالعزمی شجاعانہ ہمت یہ سب سچ مچ فنا ہوگئے اور قاصدی کے جامہ میں آتے ہوئے حقیقتاً ہر طرح کا ضعف بھی اس میں آگیا۔ چنانچہ قیدافہ کے دربار میں وہ جب پہنچتا ہے تو دربار کی آراستگی اور شاہانہ جاہ وحشم اسے متحیر کردیتا ہے۔ سطوت وہیبت شاہی سے وہ مرعوب ہوکر تمام مراسم قاصدی پورا کرتا ہے۔ لیکن اثنائے گفتگو میں بادشاہ کو خود بخود خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت سکندر سے ملتی ہے اور وہ تصویر نکال کر دیکھتا ہے۔

مگر نظامی اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اگر بادشاہ کسی معمولی و کمتر شخص کے لباس میں بھی آجائے تو شاہانہ دماغ کے لوازم اُس حال میں بھی اسے اہل بصیرت کی نگاہوں میں ممتاز رکھتے ہیں۔

اس لئے سکندر جب نوشابہ کے دربار میں پہنچا تو سجدہ برسم قاصداں بجا نہ لاسکا طرز کلام میں اُس کے جو وقار و جرأت پائی جاتی تھی اُس میں شان قاصدوں کی نہ تھی۔ اس سے نوشابہ کو حیرت ہوتی ہے اور خیال گزرتا ہے کہ یہ جرأت بادشاہوں جیسی ایک قاصد میں کیونکر ہوسکتی ہے۔ اس خیال کی بنا پر وہ کہتی ہے ؎

کہ صد آفریں بر تو شاہِ دلیر　　　کہ پیغام خود میگزاری چو شیر
میانجی نہ شاہِ آزادۂ　　　فرستندۂ نہ فرستادۂ

سکندر انکار کرتا ہے۔ قاصد ہونے پر مصر ہے اور سکندر کی عظمت و جلال کا خطبہ پڑھتا ہے تب نوشابہ تصویر منگواتی ہے سکندر کی تصویر اُس کے روبرو رکھ دیتی ہے اب وہ حیران ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ فردوسی جو مثنوی کے باب میں پیغمبر تسلیم کیا گیا ہے اور جس کے کلام کی پختگی خیالات کی بلندی جذبات و احساسات کی مصوری ایک امر مسلم ہے نظامی نے اُس استاد مسلم کے ساتھ میدانِ رزم میں مسابقت کی اور اس میں

شک نہیں کہ اُن تمام مقامات پر جہاں اُس سے کچھ بھی کمی رہ گئی تھی نظامی نے اُسے پورا کرکے ایک قدم اپنا آگے بڑھالیا۔ بہت سی جگھوں میں اُس کے دوش بدوش رہے۔ لیکن جو میدان کہ فردوسی کا خاص ہوچکا تھا اور اُس کے کلام کی بلندی اُس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جس سے ترقی ناممکن تھی وہاں رزم میں البتہ نظامی سے اُس کے کلام کی فوقیت نمایاں ہی۔

بہرحال فردوسی و نظامی کا سکندرنامہ و شاہنامہ سے مقابلہ مقصود نہیں اور حق تو یوں ہی کہ ایک ایسے جوہر کا جسے حکاک نے تراش خراش کر مجلے بنایا ہو اُس کا ایک کان جواہر سے کیا مقابلہ۔ بلکہ مقصد یہ ہی کہ نظامی کی ہمہ گیر طبیعت کا صحیح اندازہ ناظرین کو ہوجائے اور یہ معلوم رہے کہ ان کی پُرزور طبیعت فردوسی کے چمن سے گزرتے ہوئے وہاں پہنچکر گل کھلاتی ہی جس جگہ فردوسی پہنچنے سے کانپ اُٹھتا ہی۔

مولنا نظامی کی جامعیت بمقابلہ فردوسی

مولنا نظامی قصائد لکھتے ہیں غزلیں کہتے ہیں۔ مثنوی عشقیہ اخلاقی و صوفیانہ تصنیف کرتے ہیں اور اپنی سحرالبیانی کا خراج تحسین باکمال اساتذہ سے وصول کرتے ہیں لیکن فردوسی کا قلم جب رزم سے کسی دوسری طرف کا قصد بھی کرتا ہی تو تھرا اُٹھتا ہی شق ہو ہوجاتا ہی یہی حال دوسرے مثنوی کہنے والے شعرا کا نظامی کے مقابلہ میں ہی۔ ہر ایک مثنوی گو ایک ایک صنف مثنوی پر قدرت

رکھتا ہے لیکن اقسام سہ گانہ مثنوی پر قوّت و شوکت کے ساتھ صرف نظامی ہی کا قلم رواں ہے۔

خمسہ نظامی کا سو برس تک جواب نہ ہو سکا

الغرض اس خدائے سخن کی پانچ مثنویاں جو خمسۂ نظامی کے نام سے مشہور ہیں ۵۹۷ھ میں مکمل ہو کر ایسی مقبول خاص و عام ہوئیں کہ ان کا جواب غیر ممکن سمجھا جانے لگا۔ اور اس طرح یہ خمسۂ نظامی سو برس تک انا ولاغیری کا مدعی رہا۔ اب سو برس بعد تلک الایام نداولها بین الناس کا یوں ظہور ہوتا ہے کہ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ اس میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اس جوش و مستی سے بادیہ پیمائے سخن ہوتے ہیں کہ باوجود مشاغل گوناگوں و تصانیف متنوعہ تین برس سے کم عرصے میں نہایت کامیابی کے ساتھ خمسہ نظامی کی منزل سے قریب اپنے خمسۂ خسروی کا خیمہ نصب کر دیتے ہیں۔ ذالك فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم

بیان مثنوی میں یہ صفحات جو فردوسی و نظامی کے متعلق لکھے گئے ان سے صرف اس امر کا ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اقسام نظم میں مثنوی اپنے ایسے مرتبۂ کمال پر پہنچ گئی تھی کہ سو برس کے عرصہ میں جس قدر بھی کہ شعرا گزرے انہوں نے قصائد کہے غزلیں کہیں اور اسلاف سے کہیں زیادہ اپنے کلام کو محاسن و لطائف سے آراستہ کیا لیکن مثنوی کے ارادے سے جب نظامی کے خمسہ پر نظر ڈالتے تو جوابِ خمسہ جواب دے جاتے۔

حالانکہ اصناف نظم میں سب سے زیادہ مفید مثنوی ہی کی صنف تھی مسلسل مضمون اسی میں بیان ہوسکتا ہے اور اسی لئے شعرائے ایران نے مثنوی کی قسم ایجاد کی تاکہ واقعات و حالات تاریخی نظم کی دل آویزی سے مرغوب و پسندیدہ ہوکر بقا کی صورت میں آجائیں لیکن نظامی کے کلام کی بلندی نے سب کے حوصلے اس طرح پست کر دیئے تھے کہ مثنوی کی صنف قریب تھی کہ معدوم ہوجائے۔

یہ خسرو علیہ الرحمۃ کے کمال و زور بیان کا احسان ہے کہ عالم نظم میں سو برس بعد پھر مثنوی کا دورہ آیا۔

خسرو کا احسان اور مثنوی کی دوبارہ زندگی

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس خزینۂ نظم کے ابواب اپنی خداداد قابلیت سے اس وسعت و فراخی سے مفتوح کر دئے کہ آج تک شعرا اپنے اپنے حوصلہ و استعداد کے مطابق اس سے حصہ پا رہے ہیں۔

مثنوی پر یہ احسان حضرت خسرو علیہ الرحمۃ کا ہے جن کے قلم اعجاز رقم نے پھر اسے ایسا زندہ کیا کہ آج تک یہ مردہ نہوسکی۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام میں اگر خمسۂ خسروی کے سوا اور کچھ نہوتا تو بھی اُن کے کمال کا مسلم ہونا ظاہر تھا۔ اس لئے کہ نظامی علیہ الرحمۃ کے بعد مثنوی گوئی کا ارادہ شاعری کے لئے کچھ آسان نہ تھا۔

مولانا نظامی کی تمام عمر کا جسے سرمایۂ ناز اور اُن کے چمن شاعری کا گل سرسبد کہا جاتا ہے وہ صرف مثنوی ہے۔

مولنا کی طبیعت میں نظم کی اس صنف سے خاص لگاؤ تھا اطمینان و فراغ

خاطر سے مشق اس کی بڑھاتے رہے یہاں تک کہ کلام کی بلندی اُس مرتبہ پر پہنچی
کہ خدائے سخن کا لقب ملا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ جنہیں اپنا وقت صبح سے شام تک
دربار شاہی میں بسر کرنا ہوتا تھا اور اُس کے بعد جب مہلت و فرصت ملتی تو اُسے
اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں سعادت اندوز فرماتے۔ اسی کشاکش و ضیق وقت
میں جو لمحات کہ مل جاتے اُن میں شاعری کی طرف توجہ ہوتی۔

انصاف شرط ہی کہ ایک ایسے شخص کا خمسۂ نظامی کے مقابل جو اُن کی عمر کا
سرمایہ ہی تین برس میں خمسہ طیار کرنا کیا کرامت نہیں ہی۔

اس بحث کو ہم یہاں چھیڑنا نہیں چاہتے کہ خسرو کا خمسہ کہاں تک کامیاب
ثابت ہوا۔ اس لئے کہ اس رسالہ کے آخری حصہ میں مبسوط بحث اسی مضمون پر ہی
ہفت پیکر و ہشت بہشت کا سیر کن مقابلہ کیا گیا ہی یہاں صرف اس قدر بیان
کرنا ہی کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے جب یہ دیکھا کہ شاعری کی ایک مفید صنف معدوم
ہوئی جاتی ہی نظامی کی ہیبت کسی کو قلم اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتی تو آپ نے
بسم اللہ کہہ کر ہمت مردانہ سے کام لیا۔ اور الحمد للہ کہ آپ کی سعی مشکور ہوئی جیسا کہ
خمسہ کی پہلی مثنوی مطلع الانوار میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ بملک سخن از پنج گنج — نوبت آں گنجہ نشیں گشت پنج
نوبت خسرو کہ بپیچش نواست — پنجہ زنِ نوبتِ آں خسرو ست
سازم ازاں ساں بسرا لے سپنج — پنج کلید از پئے آں پنج گنج

کانچہ بہر گنج بود ناپدید　　فتح شود ہم بزبانِ کلید
آں نمط آرم کہ ہمہ ناقداں　　فرق ندانند ازیں تابداں
ملکِ کہن راچو گرفتم بہ تیغ　　گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے خمسہ کو پانچ خزانے بتایا ہی اور اپنے خمسہ کو اُن خزائن کی کنجیاں یہ استعارہ اُس وقت اور بھی لطف دے جاتا ہی جب یہ دیکھا جائے کہ بعد خسرو علیہ الرحمۃ کے ستّر سے بھی زیادہ خمسۂ نظامی کی طرز پر مثنویاں لکھی گئیں۔

منقولۂ بالا اشعار کے پچھلے دو شعروں سے یہ مقصود ہی کہ نظامی کی روش لفظاً و معناً اس طرح اختیار کی جائے اور بیان ایسا رنگین و مرصع ہو کہ تابع و متبوع میں فرق نہ معلوم ہو۔ پھر صرف یہی نہیں کہ محض اتباع نظامی اس خمسہ کا کمال ہو بلکہ خود اپنی مجتہدانہ قابلیت کا بھی ثبوت اس میں دیا جائے۔ چنانچہ جہاں خسرو کی ہمہ گیر طبیعت نے نظامی کی روش فتح کی ہی وہاں خزائن خسروی کے خاص جواہر بھی آیندہ آنے والوں کے لئے مینھ کی طرح برسا دیئے ہیں پس خسرو کا یہ کہنا بالکل صحیح ہی کہ ؎

ملک کہن راچو گرفتم بہ تیغ　　گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

اس امر کا ثبوت کہ خسرو نے جو کچھ اپنی مثنویوں علی الخصوص خمسہ کے متعلق کہا ہی وہ صرف جذبات شاعرانہ کی نغمہ سرائی نہیں ہی بلکہ ایک امر واقعی کا سچّا اور حقیقی بیان ہی اُس حصۂ کتاب میں ثابت ہو جائے گا جہاں نہایت تفصیل سے نظامی و خسرو کے

اشعار کا مقابلہ کیا گیا ہے۔

صنف مثنوی پر احسان خسروی کی تفصیل

لیکن اس جگہ مجمل طور پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ صنف مثنوی پر وہ کونسا خاص احسان ہے جسے خسرو کی گوہر افشانی کہی جائے۔

(۱) ابھی یہ مضمون بیان ہو چکا ہے کہ قدما کے کلام میں مثنوی کے لئے صرف تین بحریں تھیں نظامی علیہ الرحمۃ نے دو بحریں اُس پر اضافہ کر کے مثنوی میں وسعت پیدا کی۔

بحور مثنوی میں ازدیاد

خسرو علیہ الرحمۃ کا جب زمانہ آیا تو آپ نے پانچ پر دو بحریں اور بڑھائیں اور اس طرح مثنوی کے لئے سات بحریں ہوگئیں پھر آپ نے ایک مثنوی لکھی جس کا نام نہ سپہر قرار دیا اور اُس میں دو نئی بحریں اور بھی اضافہ کیں اس طرح چار تازہ بحریں مثنوی کو خاص خزانۂ خسروی سے عطا ہوئیں۔

(۲) نظامی کے عہد تک یہ دستور تھا کہ عنوان محض سادہ ہوتے مثلاً حمد نعت مدح سلطان وقس علیٰ ہذا۔ اسی قدر عبارت عنوان کے لئے کافی سمجھی جاتی۔

عنوان میں جدت

لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے اس میں بھی ایک جدت پیدا کی۔ آپ نے اپنی مثنویوں میں عنوان کو ایک عجیب دلکش و رنگین نثر میں لکھا ہے دیکھو اسی ہشت بہشت کے عنوانات۔

چنانچہ مثنوی مطلع الانوار میں اپنی اس ایجاد کو خود فرماتے ہیں ؎

چوں شود آراستہ نظم چو دُر ۔۔۔ از گہرِ نثر کنم خانہ پُر

ہر چہ نویسیم بسر داستاں | رہت کنم رہ زپئے رہستاں
تا قلمِ ہر کہ دوا دو کند | پس روی این روش نو کند

اس طرح عنوان قائم کرنے سے ایک یہ لطف بھی پیدا ہو گیا کہ جب پڑھنے والا ایک مضمون ختم کر لیتا ہی اور دوسرا شروع کرنا چاہتا ہی تو عنوان جو نثر میں تحریر ہی اپنی عبارتِ رنگین سے ذوقِ مذاق میں چاشنی پیدا کر دیتا ہی اور اس تبدیلِ ذائقہ سے طبیعت میں تازگی آجاتی ہی۔ مسلسل ایک ہی بحر میں اشعار جو آتے جاتے ہیں اُن سے تکان و سیری پیدا ہونے نہیں پاتی۔ پھر عنوان کا بیان و مضمون پر حاوی ہونا اور اُن حدود سے کم و بیش نہ ہونا جو عنوان سے مفہوم ہوتا ہی ایک عجب متکلمانہ کمال ہی۔

مثنوی نہ سپہر و قران السعدین میں یہ طرز اختیار کیا گیا ہی کہ ہر عنوان پر ایک ایک شعر لکھتے چلے گئے ہیں۔ اگر اُن تمام عنوانوں کے اشعار مسلسل جمع کر لئے جائیں تو ایک پر زور قصیدہ ہو جاتا ہی۔ اس طرح بعض مثنویاں ضمن عنوان میں ایک فصیح و بلیغ قصیدہ بھی رکھتی ہیں۔

عنوان کا اپنے بیان و ماتحت مضمون پر حاوی و محیط ہونا یہاں بھی پایا جاتا ہی حال آنکہ قصیدہ نگاری نے اس راہ کو سخت سنگلاخ کر دیا تھا۔

فن تقریر و تحریر کے نقّاد اس کمال کی البتہ داد دے سکتے ہیں کہ عنوان و موضوع کے اندر رہ کر اس طرح لکھنا یا بولنا کہ نہ تو موضوع سے کلام بڑھکر نکلنے پائے نہ بیان کسی پہلو سے تشنہ رہ جائے، کس قدر اہم و معرکتہ الآرا ہی۔

غرض تحریرِ عنوان کا یہ جدید و دل پذیر طرز خاص ایجادِ خسرو علیہ الرحمۃ ہے۔ اگرچہ جس طرح اس کے موجد ہونے کا انتساب خسرو علیہ الرحمۃ کی طرف ہے اسی طرح اس کے خاتم بھی وہی ہیں (اس لئے کہ آیندہ آنے والے اس کی تقلید نہ کر سکے) لیکن اگر غالب دہلوی کی اُردو تحریر کی روِش پچھلے نہ اختیار کر سکے تو اس سے غالب کی ایجاد اور کمال میں کیا نقص لازم آتا ہے۔

(۳) واقعات تاریخی یا قصص ماضیہ کو جن شعرائے نظم کیا مثلاً شاہنامہ سکندرنامہ اور یوسف زلیخا وغیرہ ان کا مرتبہ نظم میں آکر بہت ہی گر جاتا ہے لوازم شاعری کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ واقعات کی صورت بالکل متغیر و متبدل ہو جاتی ہے ایسی مثنویوں سے شاعری کی ترقی زبان کی صفائی محاورات کی چاشنی بندش کی چستی البتہ حاصل ہوئی لیکن علمی و تاریخی فائدہ اُس سے حاصل نہ ہو سکا۔

مثنوی میں صحیح دلچسپی یا تاریخ

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی نگاری میں یہ بھی ایک کمال ہے کہ جہاں شعرائے سلف کی روش پر قصص منظوم فرمائے، وہاں شاعری و مثنوی گوئی سے ایک صحیح افادہ بھی فرما گئے۔ چند ایسی مثنویاں ہیں جن سے قطع نظر محاسن مثنوی کے تاریخی حالات نہایت محققانہ و ناقدانہ حیثیت سے معلوم ہوتی ہیں مثلاً خضر خاں و دیول دئی، تغلق نامہ نہ سپہر، قران السعدین وغیرہ۔

ان کتابوں میں اُس عہد کے واقعات و حالات سلطنت و سلاطین کی روش ارکین و اعیان دولت کا طرز اس تحقیق و خوبی سے نظم کیا ہے کہ آج اُس عہد کی بہت سی

تاریخی باتوں کا صحیح پتہ اُنھیں مثنویوں سے چلتا ہے۔ کتنی تاریخیں ہیں جن کی تصحیح کا ماخذ وہی مثنویاں ہیں۔

ہندوستان کے اُس عہد کی تاریخ کا جس نے ناقدانہ و محققانہ مطالعہ کیا ہے وہی شخص ان مثنویوں کو پڑھ کر صحیح داد خسرو کی شانِ مورخانہ کی دے سکتا ہے۔

سلاست | (۴) سلاست و صفائی اگرچہ دور ثانی کے کلام میں پیدا ہو چکی تھی لیکن نظامی علیہ الرحمۃ کی مثنوی میں کتنے مقامات ایسے پر پیچ ہیں جن کی گرہ شروح کے ناخن آج تک نہ کھول سکے مثلاً

سکندر نامہ میں جشنِ نوشابہ استعارات و تشبیہ کے ندرت میں ایک بے مثل بیان تسلیم کیا گیا ہے لیکن اُنھیں چند اوراق میں کتنے اشعار ایسے ہیں کہ آج تک اُن کا صحیح حل نہ ہو سکا۔ شارحین بہت کچھ لکھتے ہیں لیکن پھر بھی حضرت نظامی کی روح سے بہ ادب تمام معافی ہی مانگنی پڑتی ہے۔ لیکن خسرو کی مثنویوں کو پڑھو۔ باوجود کثرت صنائع و بدائع جو اُن کا روزمرہ ہے، بیان میں ایسی سلاست و صفائی ہے جس طرح سمندر کا شفاف پانی۔

شاعری میں مذہب و علم کا لحاظ | (۵) سب سے بڑی خصوصیت ان میں یہ ہے کہ ان کی مثنویوں میں شاعری تحقیقات علمیہ و مسائل اسلامیہ پر کہیں غالب نہیں ہونے پاتی۔ ان کا قلم کہیں سے لغزش نہیں کرتا۔

مولانا نظامی نے جن کا فضل و تقدس اظہر من الشمس ہے مثنوی

ہفت پیکر میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے مذہبی نقطۂ نظر سے سخت قابل گرفت ہے لیکن یہ وہ اقسام شاعری ہیں جن سے شعرا کا کلام خالی نہیں ہوتا ہاں یہ خسرو علیہ الرحمۃ کا کمال ہے کہ شاعری کے تمام اسلحہ ان کی سرکار میں سب سے زیادہ رواں لیکن علم و مذہب اُن کے حملے سے بالکل مامون و مصئون۔

وصف نگاری کا ایجاد (۶) وصف نگاری کا ایجاد بھی خسرو ہی کی قوت فکریہ و صحیح تخیل کا نتیجہ ہے شعرائے سلف محسوسات و موجودات خارجیہ کی الفاظ میں تصویرکشی نہیں کرتے تھے حال آنکہ یہ چیزیں بھی اس کی مستحق تھیں کہ ان کے بیان سے بھی نظم کا چمن آراستہ کیا جاتا مثلاً

کسی شہر کے سواد کا اس طرح بیان کرنا جس سے اُس کا شوق دلوں میں پیدا ہو جائے یا وہاں کے پھول پھل کا بیان یا وہاں کی عمارتوں کا بیاں۔

خسرو علیہ الرحمۃ نے قران السعدین میں اس طرح کے بہت سے مضامین نظم کئے ہیں شہر دہلی کی تعریف، اہل شہر کی تعریف، وہاں کی مسجد کی تعریف، کشتی کی تعریف کاغذ کی تعریف، منارہ کی تعریف وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے کثیر مضامین اُس مثنوی میں ہیں اور اس کا نام خسرو نے وصف نگاری رکھا ہے۔

جس طرح کسی شے کی تصویر اپنی اصل سے زیادہ دلکش ہوتی ہے اسی طرح اُس کا نظم میں بہ تمام و کمال بیان بھی ایک خاص لطف پیدا کر دیتا اور شاعر کی قوتِ متخیلہ اور زور بیان سے خبر دیتا ہے۔ اس لئے خسرو علیہ الرحمۃ نے اس کی طرف

توجہ کی اور اس بیان میں بھی اپنا کمال ظاہر کر دیا چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

بود در اندیشۂ من چند گاہ ق کز دلِ دانندۂ حکمت پناہ

چند صفت گویم و آیتش دہم مجمعِ اوصاف خطابش دہم

طرزِ سخن را روشِ نو دہم سکۂ ایں ملک بہ خسرو دہم

الغرض اس طرح کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کا ایزاد و ایجاد خسرو کی مجتہدانہ وجدت آفریں طبیعت کا نتیجہ ہے۔

سلاطین میں خسرو کی مثنویوں کی قدر دانی

اب ہم اس بیان کو صرف اس ایک مضمون پر ختم کرتے ہیں کہ خسرو کی مثنوی نگاری کی ان کے زمانے میں کیسی قدر ہوئی اس کے لئے صرف قطب الدین خلجی کی قدر افزائی ایک روشن بیان ہے۔

اس بادشاہ نے مثنوی نہ سپہر کے صلہ میں ہاتھی کے وزن سے ان کو سونا تول دیا چنانچہ خود قطب الدین کی زبان سے اسی نہ سپہر میں کہتے ہیں ؎

تاریخ ہیچوں من اسکندرے کند ہر کہ آرایشِ دفترے

زِ گنجِ گراں مایۂ بے شمار دہم بار پیلش آں پیل بار

مرا خود دریں رہ پدر شد دلیل کہ میداد زر ہمتراز وے فیل

شناسد کسے کش خرد رہنموں کہ از پیل بار ست وزنش فزوں

چو میراث شد پیل زر دادنم نہ زیباست زیں سہل تر دادنم

بادشاہ کی اس قدر افزائی کا اسی مثنوی میں یوں شکریہ ادا کرتے ہیں ؎

شہا گنج بخشا کرم گسترا — معانی ثنا سا سخن داورا

مرا عمر کز شصت بالا گزشت — ہمہ پیشِ شاہانِ والا گزشت

زشاہاں کسے اولم کرد یاد — معزالدنا بودشہ کیقباد

ازاں پس زفیروزہ چرخِ بلند — شدم پیشِ فیروزشہ ارجمند

ازاں پس کہ در شہ ستائی شدم — تونگر زگنجِ علائی شدم

شدا کنوں کہ اقبال ہمدم مرا — نوازندہ شد قطبِ عالم مرا

چنیں بخششی کز تو جم یافتم — زشاہانِ پیشینہ کم یافتم

کنوں لابد از سحر سنجے چو من — باندازۂ بخشش آید بمن

جریدہ بریں پیش پرداختم — چو این نامۂ خاص کم ساختم

خسرو کے کلام کی قدر افزائی جیسی کہ ان کے عہد میں ہوئی زمانہ مابعد میں بھی اُس کی عظمت و عزت وہی قائم رہی۔ چنانچہ خسرو کا تغلق نامہ جب کہ اُس کے چند اوراق فنا ہو گئے اور جہانگیر نے اپنے عہد ۱۰۱۱ھ میں اُسے کچھ نامکمل پایا تو اُس کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ کسی طرح یہ مثنوی مکمل ہو جائے۔ شعرائے دربار سے فرمائش کی ہر ایک نے طبع آزمائی کی لیکن حیاتی کا کلام بادشاہ نے پسند کیا۔ اگرچہ خسرو کے کلام میں کوئی پیوند تو کیا لگا سکتا ہے لیکن پھر بھی اُس کے کلام کی شائستگی و متانت اس درجہ پر تسلیم کی گئی کہ اوراق گم شدہ کی جگہ حیاتی کا کلام پیوند کر دیا گیا۔ بادشاہ نے اس صلے میں حیاتی کو چاندی سونے میں رکھ کر تول دیا۔ چنانچہ کسی شاعر نے اس واقعہ کو نظم کیا

اور تاریخ یہ کہی۔ "شاعرِ سنجیدۂ شاہی"۔

ملک و قوم میں قدردانی

خسرو کے کلام کی سلاطین و سلطنت نے جو عزت کی وہ ان دونوں عطایائے شاہی سے ظاہر ہے فارسی داں دنیا کی قدردانی اس سے واضح ہے کہ خسرو کی بہت سی مثنویاں بارہا مختلف مطابع میں طبع ہوئیں اور ہاتھوں ہاتھ قدردانوں تک پہنچ گئیں۔

اس بے توجہی ولاپروائی وبدمذاقی کے زمانے میں بھی جسے فارسی کا کچھ بھی مذاق ہے یا جہاں کہیں کتب خانے ہیں ایک ایک کتاب کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں اور یہ خصوصیات کچھ ہندوستانی کتب خانوں کی نہیں ہیں بلکہ یورپ کا بھی کتب خانہ تصانیف خسرو سے معمور ہے۔ خدیو مصر کے کتب خانے کی فہرست جب دیکھی گئی تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ عرب نے اپنے عجمی بھائی کے عجمی کلام کی خود اہل عجم سے کچھ کم محبت و حفاظت نہیں کی ہے بلکہ بعض خصائص جزئیہ میں وہ ممتاز خصوصیت رکھتے ہیں۔

تھوڑی کوشش سے ایک ایک کتاب کے دس دس اور بارہ بارہ نسخے تو خود کالج میں فراہم ہو گئے۔ کتنے گھر ابھی ایسے ہیں جہاں اور بھی نسخے موجود ہونگے بعض کا تو ہمیں علم نہوا اور بعض جگہ انکار و اخفا ہی کچھ کمال سمجھا گیا۔ چنانچہ بہار شریف میں خمسۂ خسرو کا موجود ہونا جب معلوم ہوتا ہے تو اس وقت مولانا رشید احمد صاحب انصاری پروفیسر کالج علی گڑھ نہایت شوق و ذوق میں سفر کرتے ہیں۔ بہار شریف پہنچکر صاحب کتاب سے ملتے ہیں۔ کتابیں دیکھتے ہیں۔ چند روز کے لئے کالج لانے کی ہر سعی جائز کرتے ہیں ہر طرح کی ضمانت پیش کرتے ہیں لیکن افسوس کہ وہاں سے خمسہ

کالج نہیں پہنچ سکتا۔

عزیزانِ وطن! صدیوں بعد جب کہ مذاقِ سخن باقی نہ رہا کتابیں پنساریوں کی دوکانوں میں پہنچ کر پُڑیاں باندھنے کے مصرف میں آنے لگیں قدیم علمی خاندان ویران ہوگئے مصائب و آفات نے گھر کے گھر تباہ کردیئے۔ بہت سے قیمتی جواہر جنھیں اسلاف نے صدیوں میں کمایا تھا یکسر غارت ہوگئے۔ خسرو کی مثنویوں کا اس وقت تک باقی رہنا اُس کے کمالِ مقبولیت و گرانمائگی کو مشعر ہے۔ رہا اس کا گلہ کہ سیکڑوں نسخے کیوں نہ ملے۔ تلاش و جستجو کی زحمت ہی کیوں ہوئی۔ اس کسادِ علمی کے زمانے میں ایک امرِ فضول ہے ؎

ہم مٹ گئے تو پرسشِ نام و نشاں ہے اب　　　اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب

اب اس پہلو سے بھی ایک نظر ڈالنی ضروری ہے کہ خسرو کی تصنیف سلسلہ تعلیم و تعلم میں کہاں تک مقبول ہوئی۔

سلسلہ تعلیم میں مقبولیت سلسلہ تعلیم میں آپ کی مثنوی قران السعدین جو سب مثنویوں سے مقدم ہے ویسی ہی مقبول ہوئی جیسا کہ سکندر نامۂ مولنا نظامی۔ بڑے بڑے فضلائے اجل نے اُس کے حواشی و شروح لکھیں۔ وقتِ تصنیف سے اُس وقت تک کہ علوم مشرقی کی تعلیم ہندوستان میں جاری رہی قران السعدین داخلِ نصابِ فارسی تھی۔

واقعہ ہے کہ یہ مثنوی نہایت ہی دلچسپ ہے۔ یہ صرف اپنا تاریخی ہی پہلو نہیں رکھتی ہے بلکہ گوناگوں مضامین پر مشتمل ہے اور انھیں تنوعات نے اسے اس قدر مقبول بنا دیا ہے

نفس قصہ میں تو کوئی خاص دلچسپی ہی نہیں۔ اس لئے کہ باپ بیٹے کا دکھڑا ہی کیقباد بغرا خاں کا بیٹا سعادت فرزندی کو تہ کر کے باپ کے مقابلے میں آتا ہی۔ دہلی سے چل کر سرجو کے کنارے اس کی فوج پڑاؤ ڈالتی ہی۔ کچھ پیام وسلام کے بعد باپ بیٹے میں موافقت و مصالحت ہوجاتی ہی۔

اب کیقباد یہ چاہتا ہی کہ یہ بیہودہ واقعہ میری زندگی کا ایک با افتخار کارنامہ بن کر مشہور ہو۔ اسی خیال کی بنیاد پر خسرو سے نظم کرنے کی فرمائش کرتا ہی۔ یہ خسرو ہی کا کمال ہی کہ واقعات کو حقیقت کے دائرہ میں قائم رکھ کر اس طرح اس قصے کو نظم کیا ہی کہ کیقباد کی رندانہ زندگی اُس کے عہد کی سرمستی اور اُس کی تعیش پسند زندگی کا اہل شہر پر اثر سب کچھ اپنے لطف بیان سے لطیف پیرایہ میں کہہ گئے۔

اس مثنوی کی بحر اگرچہ وہی ہی جو نظامی کے مخزن الاسرار کی ہی لیکن اسلوب بیان و ترتیب مضامین خاص خسرو کا ایجاد ہی۔ یہ اسی ایجاد کا نتیجہ ہی کہ قران السعدین اس قدر مقبول ہوئی۔ اگرچہ اس ایجاد سے یہ نقص ضرور کتاب میں پیدا ہوگیا کہ کہیں کہیں واقعہ کا تسلسل باقی نہیں رہتا لیکن ایسے پھیکے و بدمزے قصے کے لئے تسلسل ایسا ضروری نہ تھا جیسا کہ دل آویز و دل پذیر ہونا ضروری تھا۔

قران السعدین کی پسندیدگی کی وجہ

قران السعدین نظم کے تین اصناف پر محیط ہی۔ قصیدہ، غزل، مثنوی اس طرح اس کتاب میں اقسام ثلثہ نظم کا لطف آتا ہی۔ جو قصہ کہ نظم کیا گیا ہی وہ خود ہندوستان کی صحیح اور سچی داستان ہی۔ اپنے ملک کے واقعات سے

دلچسپی ایک امر فطری ہی۔ پھر مضامین میں اس قدر تنوعات ہیں کہ ہر طرح کے خیالات موجود۔ کہیں بہار کا ترانہ ہی اور اُس کی نسیم کی عطرفشانی۔ کہیں لو کی لپٹ اور بادخزاں کے جھونکے۔ کسی جگہ سیر دریا اور کشتی کی روانی ہی اور کسی جگہ ساقی و جام کی گردش سے مستی و مدہوشی۔ صرف وصف نگاری کی تحت میں چالیس سے زیادہ اشیار کا بیان آگیا ہی۔ لطف یہ کہ ان سب چیزوں کا تعلق ہند کی ہی خاک سے ہی۔ پھر کیوں ایسی کتاب مطبوع عام و خاص نہوتی۔ ہر شخص کے جذبات کی ضیافت کا سامان جس چیز میں جمع ہو گا اُسے ہر شخص ضرور پسند کرے گا۔ قران السعدین کی یہی بوقلمونی اس کی شہرت و ہمہ گیری کی قوی و اصلی علت ہی۔ اس لئے اساتذۂ فن نے بھی اسے تعلیم فارسی کا ایک عنصر بنا دیا تاکہ طلبہ کو ایک ہی کتاب میں موقع موقع سے اصنافِ نظم کی تمام اقسام کا اجمالی علم ہو جائے۔ مضمون کی رنگارنگی دلچسپی روز افزوں کرتی رہے۔

دوسری وہ مثنویاں جن میں ہندوستان کے ہی واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ داخلِ درس نہوئیں مثلاً

مثنوی خضرخاں و دیول دیُ کا اجمالی بیان

خضرخاں دیول دیُ کا قصہ باوجود اس کے کہ خود موجب رُسوائی ہے اُس پر داستان عشق و حسن جس میں حسن کی نازآفرینی عشق کی نیازمندی، فراق کے صدمے، وعدۂ یار کی لذتیں۔ یہ ایسے مضامین ہیں جنھیں اگر خاص ملک خسرو کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔

پھر وہ شخص جس کے عشق کی داستان ہی خسرو کا اس سے تعلقات گوناگوں سبب سے

بڑا علاقہ یہ کہ دونوں ایک پیر طریقت کے حلقہ بگوش۔ آخر میں اُسی شاہزادہ کی جو وارث تخت و تاج تھا قسمت کا پلٹ جانا اور انقلاب دہر کا ایک عجیب و مہیب عبرتناک سماں یہ مضامین خسرو جیسے شخص کے لئے جو واقعات عالم پر غائر نظر رکھتا ہو اور ان سے کل ممکن الاستخراج نتیجے نکال کر دنیا کے سامنے مقبول طبع صورت میں پیش کرسکتا ہو کیسے وسیع ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ خسرو کی تمام مثنویوں میں جوش سے لبریز یہی مثنوی خضر خاں و دیول دیی ہی اس مثنوی کی حمد و مناجات سے ہی معلوم ہو جاتا ہی کہ شاعر کس جوش سے اس قصے کو بیان کیا چاہتا ہی مثلاً حمد اس شعر سے شروع کرتے ہیں ؎

سرِ نامہ بنام آں خداوند — کہ دلہا را بخوباں داد پیوند

اس کے بعد مناجات ہی اور اُس کا اوّل شعر یہ ہی ؎

خداوندا چو جاں دادی دلم بخش — دلِ عاشق نہ جانِ عاقلم بخش

یہ مثنوی کیا لکھی ہی سحر سامری کی تصویر کھینچ دی ہی۔ حاصل یہ کہ دیگر تاریخی مثنویاں جو سلسلہ تعلیم میں داخل نصاب نہوئیں تو اُس کی صرف یہ وجہ ہوئی کہ اُن مثنویوں میں کشش و تعلیم کی صرف ایک ایک ہی چیز تھی۔ باعتبار مضمون و موضوع تاریخ اور باعتبار نظم مثنوی حال آنکہ تعلیم اس کی مقتضی تھی کہ مختلف مضامین مختلف شعرا و مختلف دور کے پڑھائی جائیں تاکہ زمانہ تعلیم میں ہر دور کی خصوصیت ہر ایک کا انداز و اسلوب بیان طالب العلم کو معلوم ہو جائے۔ اسی خیال سے خمسہ نظامی میں سے سکندر نامہ جامی

کی مثنویوں میں سے یوسف زلیخا، سعدی کے کلام میں سے بوستاں اور خسرو کی تصانیف سے قران السعدین داخلِ نصاب کی گئیں۔ خلاصہ یہ کہ خسرو کی مثنویوں کو سلطنت، ملک اور تعلیم تینوں نے انتہائی عزت و پسندیدگی سے دیکھا۔

قطعہ و رباعی | غزل، قصیدہ، مثنوی میں جب کہ کسی شاعر کا کمال ثابت ہو جائے تو پھر کسی اور صنف نظم کی بحث سے اُس کا کمال بے نیاز ہی۔ لیکن جب کہ یہ دیکھا جاتا ہی کہ بعض شعرا کے لئے صرف چھوٹی قسمیں نظم کی دلیل کمال سمجھی گئیں تو پھر یہی مناسب معلوم ہوتا ہی کہ خسرو جیسے ہمہ گیر شاعر کی خسرویت کا نمونہ اُن چھوٹی قسموں میں بھی دکھا دیا جائے۔

سب سے پہلے خسرو کا وہ قطعہ ہدیۂ ناظرین ہی جس میں اُنھوں نے موسیقی و شاعری کا محاکمہ کیا ہی[ل] کیوں کہ جہاں خسرو کو دیوان فطرت سے تمغاے شاعری ملا تھا وہاں فن موسیقی میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا پھر ان سے بڑھکر کس کا محاکمہ قابل وقعت ہو سکتا ہی۔

دیگر قطعات و رباعیات کا بھی یہی حال ہی کہ ہر ایک میں ایک لطف خاص اس طرح پایا جاتا ہی کہ اُن کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہی کہ شاید خسرو کا اصلی میدان یہی ہی۔ لیکن یہ خصوصیت خسرو کی صرف قطعہ و رباعی کے ہی ساتھ نہیں ہی بلکہ اصناف نظم میں سے جس قسمِ نظمِ خسرو کا مطالعہ کروگے تو بے اختیار "کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست" کہہ اُٹھوگے۔

[ل] ملاحظہ ہو قطعۂ اول صفحہ ۱۳۳

قطعات

(۱)

مطربے میگفت خسرو را کہ اے گنجِ سخن
علمِ موسیقی زجنسِ نظم نیکوتر بود

زانکہ ایں علم ست کز دقت نیاید بر قلم
واں نہ دشوار ست کاندر کاغذ و دفتر بود

پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاملم
ہر دو را سنجیدہ بر وزنیکہ آں بہتر بود

ق

فرق می گویم میانِ ہر دو معقول و درست
تا دہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود

نظم را علمے تصور کن بہ نفسِ خود تمام
کو نہ محتاجِ سماع و صوت غنا گر بود

گر کسے بے زیر و بم نظم فرو خواند رواست
نے بمعنی ہیچ نقصاں نے بلفظ اندر بود

ور کند مطرب بسے ہاں ہاں و ہوں ہوں در سرود
چوں سخن نہ بود ہمہ معنی او ابتر بود

نالہ زن را بیں کہ صوتے دارد و گفتار نے
لاجرم در قول محتاجِ کسے دیگر بود

بس دریں صورت ضرورت صاحبِ صوت و سماع
از برائے شعر محتاجِ سخن پرور بود

نظم را حاصل عروسے داں و نغمہ زیورش
نیست عیبے گر عروسِ خوب بے زیور بود

من کسے را آدمی دانم کہ داند ایں قدر
ور نداند پرسد از من ورنہ پرسد خر بود

دیگر

زافسردگاں مجوا اثرِ زندگیِ دل
نے از مزاج ظالم سوزندہ خوے خوش

نے شعلۂ بر آتشِ لالہ تواں فروخت
نے از گلِ چراغ تواں یافت بوے خوش

دیگر

از جود و کرم قبولِ حق جوئے | خود نام بود گر آنت میل ست
مقصود ز سرمه نورِ چشم ست | زیبائی چشم خود طفیل ست

دیگر

روشن دلانِ صاف درون را خلل بود | در کارِ خلق چشم کشادن بخیر و شر
پوشیده نیست نزدِ همه کس که طاس را | سوراخ عیب باشد و غربال را هنر

دیگر

خسرو چه حالت ست که در دهر عالماں | از جاهلانِ دونِ دنی باز پس ترند
این نکته را به بیں و بانصاف خوش برائے | کز چار حرف قطره و دریا برابرند

دیگر

اقبال را بقا نه بود دل درو مبند | عمرے که بر غرور گزاری هبا بود
ور نیست باورت ز من این نکته یاد گیر | اقبال را چو قلب کنی لابقا بود

دیگر

رفتم سوئے حظیره و بگریستم هزار | از هجر دوستاں که اسیرِ فنا شدند
ایشاں کجا شدند چو گفتم حظیره هم | داد از صدا جواب که ایشاں کجا شدند

رباعیات

توحید

ہرجا کہ سخن در بت و بت رو افتد
دہ کیں دلِ بت پرست آں سو افتد
یارب تو مرا درونہ دہ کہ بصدق
ہو گویم و اندر دلِ من ہو افتد

نعت

از عزِ محمدؐ ار نداری خبرے
کن از رہِ عقل و شہادت نظرے
اللہ و محمدؐ ست پیوستہ بہم
یعنی کہ میانِ شاں نہ گنجد دگرے

دیگر

وصفِ شرفِ تو بیش از ادراک آمد
سبقِ ادبت نعبد ایاک آمد
توقیعِ تو کز صحیفہ پاک آمد
لولاک لما خلقت الافلاک آمد

دیگر

اے آنکہ شدہ طفیلت آدم پیدا
گشت از سببِ تو چرخِ اعظم پیدا
نورِ تو نہ گنجید چو دریک عالم
بہرِ تو خدا کرد دو عالم پیدا

مدح پیر

از شیخ نظام چوں سلام ست مرا
با حسنِ عمل عیشِ مدام ست مرا
امید پسِ مراد و کام ست مرا
زیرا ہمہ کار با نظام ست مرا

تصوّف

بستاں چو بسر کشید پیرایۂ ابر / آوردہ برو شیر فرو دایۂ ابر

گل بسکہ لطیف و نازک آمد در باغ / ترسم کہ گراں شود برو سایۂ ابر

دیگر

دل در شکنِ زلف دوتاے تو بماند / جاں نیز چو ذرّہ در ہواے تو بماند

ہرکس سرِ خود گرفت و رفت از کوئے / الا سرِ من کہ زیر پاے تو بماند

عشق

جاناں منشیں برگذرے تیزیٔ آہ / آتش رسدت ز آتش انگیزیٔ آہ

تا در سر کوئے تو نپنداری سہل / شب گردیٔ گریہ و سحر خیزیٔ آہ

دیگر

مائیم خرابِ جرعۂ می خواراں / مارا چہ غم از طعنۂ نیکوکاراں

از سر کہ لگد می خورد از خاراں / کے غم خورد از سرزنشِ ہشیاراں

دیگر

اے غم ہمی کہ برمنِ غمخوار آئی / وقتت چہ شود گر بدلِ یار آئی

دی شب کہ سیاہ میکنی روزِ مرا / یارب کہ بروزِ من گرفتار آئی

دیگر

دوشش آمد و وعدۂ شرابم می داد
خونابہ بجائے مئ نابم می داد

می پرسیدم حالِ دل او خامش بود
واں زلف بجائے او جوابم می داد

دیگر

از شعلۂ عشق ہر کہ افروختہ نیست
با او سرِ سوزنے دلم دوختہ نیست

گر سوختہ دل نۂ ز ما دور کہ ما
آتش بدلے زنیم کو سوختہ نیست

اقسام پنجگانہ نظم میں خسرو کے کمال و زور بیان کا ایک مختصر نمونہ پیش کیا جا چکا۔ اب چند فرعی و جزئی باتیں ہیں جن کا اظہار بھی غالباً نامناسب نہ ہوگا

صنائع و بدائع — اختراع معانی و بدائع و صنائع میں خسرو خسروِ شاعرانِ سلف و خلف ہیں۔ اگر اُن کے اختراعات کی بحث چھیڑی جائے تو ایک دفتر طویل ہوگا۔ اعجاز خسروی متعدد بار چھپ کر فارسی داں دنیا میں شائع ہو چکی ہے۔ جسے شوق ہو وہ اُسے مطالعہ کرے۔ بس خدا کی قدرت اُسے نظر آئیگی۔ اس جگہ ان کی ایک ایسی صنعت کا ذکر کرتا ہوں جس کی کوشش دیگر شعرا نے بھی کی ہے۔

ترکیب الفاظ سے لحن — یعنی ان کے کلام میں اکثر الفاظ کی ترکیب و نشست سے ایک لحن خاص پیدا ہوتا ہے اور اسی سے لحن کے تطابق سے پڑھنے والے کے دماغ میں جذبات کی لہریں موجیں مارنے لگتی ہیں۔ مثالاً ذیل کے اشعار و مصرعے ملاحظہ ہوں ؎

گنج بر در نج و لے گنج سنج
در کششِ گنج ہمی برد رنج

زندہ و نازندہ بنامِ توام　　　　باش بکامم کہ بکامِ توام

ع تہمتن تن سیاوش وش فریدوں فر سکندر در

ع سناں قاراں قلم ہاماں علم خاقاں دہل سنجر

فردوسی نے نقارہ کی آواز کو ایک شعر میں اس طرح باندھا ہے کہ شعر بھی بامعنی رہا اور ایک مصرع کے الفاظ سے نقارہ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

کہ دوں ست دوں ست گردونِ دوں　　　　ز نقارہ آواز آمد بروں

یہ شعر فردوسی کا بہت مشہور ہے اور اُس کے اس کمال کا بہترین نمونہ۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا ایک شعر نعت میں ہے جس کے مقابلہ میں فردوسی کی یہ صنعت خاک میں ملجاتی ہے خسرو کا یہ شعر ہے ؎

کہ دینِ دینِ او دینِ او دینِ او　　　　دہل زن دہل زد بہ تحسینِ او

علم موسیقی سے آشنا ارباب ذوق سمجھ سکتے ہیں کہ خسرو کے شعر کا پایہ کس قدر بلند ہے۔ اس لئے کہ نہ صرف ایک بامعنی مصرع کے الفاظ بآواز دہل ادا کئے ہیں بلکہ اس میں تال اور سر کے اصول کی پوری پابندی ملحوظ رکھی ہے۔ اگرچہ خسرو جیسے شاعر کے لئے جو فن موسیقی کا بھی امام ہو فردوسی کے جواب میں اُس سے بہتر شعر پیش کر دینا ایک معمولی بات ہے۔

اسی طرح خسرو کی ایک رباعی مشہور ہے جس کے چوتھے مصرعہ میں اسی کمال کا اظہار ہے

آں روز کہ روحِ پاکِ آدم بہ بدن　　　　گفتند در آ نمی شد از ترسِ بدن

خواندند ملائکاں بہ لحنِ داؤد　　　　در تن در تن در آ در آ در تن در تن

تکرار لفظ اور اختلاف معنی	ایک ہی لفظ کو مختلف پہلوؤں سے استعمال کر کے مختلف معنی پیدا کرنے میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ تمثیلاً ذیل کے ابیات دیکھو۔

پیمانۂ دوست پر ز دُر کرد   پیمانۂ خصم نیز پر کرد

در چپ زدنِ خرد شوی راست   دانی چپ خود ز جانبِ راست

الفاظ ہندی کا استعمال ہندی کے الفاظ بھی نہایت سلاست سے بے تکلف استعمال کرجاتے ہیں جس سے کلام میں چاشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً

ہم بہ نشستہ چوں دریا لکی نہ چرخ کہار آمدہ

خان کرڑہ چھوے کشورکشا   کز لبِ شاہاں کرڑہ دار دبہ پا

دوسرے مصرعہ میں لفظ کرڑہ سے وہی پاؤں کا زیور مُراد ہے۔

اقتباس آیات قرآن آیات کلام الٰہی سے اپنے اشعار میں یہ ایسی مرصع کاری کرتے ہیں کہ دل پھڑک اُٹھتا ہے۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار بلاحظہ ہوں ؎

حرز کلہ بستہ ز او حیٰ بہٖ   چتر سیہ کردہ ز اسریٰ بہٖ

زیر نگیں عرصۂ ملک جمش   خطبۂ ھب لی رقم خاتمش

نَعْبُدُ اِیَّاکَ طرازِ علم   فاخلع نعلیک مقامِ قدم

اکثر اشعار کے دوسرے مصرعہ میں کلامِ پاک کی کامل آیۃ تلاوت فرمائی ہے اور یہ وہ کمال خسرو کا ہے کہ کسی کے کلام میں اس فراوانی سے اس کی مثال نہیں ملتی۔ مثلاً اشعار ذیل کو دیکھو ؎

چہ ملامت کنید خسرو را   فَاتَّقُوا اللّٰہَ یَا اُولِی الْاَلْبَاب

قضا در ہفت سقفش دید و برخواند   بَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا شِدَادًا

اوّل آں اوّلیں خلیفۂ کار　　ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

فصلِ بہار | مناظرِ قدرت میں بہار کا سماں ایک ایسا مضمون ہی کہ شاید ہی کوئی شاعر ایسا ہوگا جس نے اس منظر کی تصویر نہ کھینچی ہو۔لیکن یہی مضمون جب خسرو کے یہاں آتا ہی تو پھر اس کی بہار قابلِ دید ہوتی ہے۔خسرو نے جہاں کہیں ابر و بہار باغ و کہسار گل و گلزار کا نقشہ کھینچا ہی وہاں ہو بہو فوٹو پیش کر دیا ہی۔مثلاً چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

چوں نافہ کشاد باد نوروز　　بشگفت بہار عالم افروز
ابر از صدفِ سپہر بکیر　　در گوش بنفشہ ریخت گوہر
سرو از علم بلند پایہ　　بر فرق سمن فگند سایہ
از شبنم گوہریں شمائل　　آراست گلوے گل حمائل
غنچہ بدر آمد از شبستاں　　پر شیر شدش ز ابر پستاں
بید از سرِ عجز چوں گہروار　　شد بر سر یاسمیں گہربار
نازک تن لالۂ دل افروز　　لرزیدہ شد از نسیم نوروز

خود اپنے کلام کی تنقید | بایں ہمہ کمال وہ اپنے کلام و شاعری کو خود پرکھتے ہیں اور خوب پرکھتے ہیں اپنا مرتبہ آپ بتاتے ہیں اور تواضع کا بیش بہا نمونہ پیش کرتے ہیں ؎

مشو خسرو بشعرِ خویش غرہ　　کہ گویندہ بسے ہست از پس و پیش
چو گفتِ خویش را بے عیب خواہی　　بچشمِ دشمناں بیں گفتۂ خویش

ہمہ کس گفتِ خود را خوب داند　　وگر یار است ہم تحسیں کند بیش

دیباچہ غرۃ الکمال جو شعر و سخن پر ایک بے نظیر تبصرہ کہا جاسکتا ہے اُس میں شعرا کی تین قسمیں خسرو علیہ الرحمۃ نے بیان کی ہیں اوّل اُستاد کامل دوم نیم اُستاد سوم سارق پھر اُستاد کامل کے لئے چار شرطیں قرار دی ہیں۔ اوّل کسی طرز خاص کا موجد ہو۔ دوم اُس کا کلام شعرا کے انداز پر ہو واعظانہ وصوفیانہ نہ ہو۔ سوم یہ کہ غلطیاں اور لغزشیں نہ کرتا ہو۔ چہارم یہ کہ مضامین سرقہ نہ کرتا ہو۔

پھر اپنے متعلق یوں فرماتے ہیں کہ میں اُستاد کامل نہیں ہوں ہاں نیم اُستاد ہوں اس لئے کہ مجھ میں صرف دو شرطیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو میرا کلام شعرا کے انداز پر ہے دوسرے یہ کہ میں سارق نہیں ہوں میں نہ تو کسی طرز خاص کا موجد ہوں نہ اس کا مدعی کہ میرا کلام لغزشوں سے پاک ہوتا ہے۔

انصاف پرستی و بے نفسی کی مثال اس سے زیادہ واضح اور کیا ہو سکتی ہے حاسد و معاند بھی اگر خسرو کا پایہ کم کرنا چاہے تو اس سے بڑھکر اور کیا کہہ سکتا ہے۔ اس طرح اپنے کلام کی آپ تنقید بے شائبہ نفس خصوصیات بلکہ اولیات خسرو ہے۔

تواضع و ہضم نفس صاحب کمال کا یہ بھی کمال ہے کہ اُس میں شائبہ تک پندار و خودی کا نہ پایا جائے۔ نقادان فن کی نگاہوں میں جس قدر ایک باکمال کی عظمت بڑھتی جاتی ہے اُسی قدر خود اُس کے انداز میں تواضع بڑھتی جاتی ہے۔

ارباب قلم میں جتنے باکمال سخنور گزرے ہیں اُن میں کوئی رزم کا سماں باندھنے

یں کامل ہی کوئی بزم کا نقشہ کھینچنے میں یکتا ہے کوئی غزل سرائی میں بے نظیر ہے
کوئی قصائد میں بے ہمتا ہی کوئی اخلاقی رنگ میں فرید ہے کوئی متصوّفانہ وحکیمانہ
آہنگ میں بے مثل۔ لیکن ایک جامع کمالات جس کے رشحات قلم سے نثر و نظم کی
تمام اصناف نے تر و تازگی پائی ہو اور جس نے اپنی پرجوش طبیعت کے اوج و موج
سے مضامین گوناگوں کا دریا بہا دیا ہو جب وہ اپنی ہیچدانی کا اظہار کرتا ہے تو
اُس سے اُس کا کمال اور بھی ارفع و اعلیٰ ہو جاتا ہی۔ جیسا کہ خسرو علیہ الرحمۃ باوجود اُس
جامعیت کے جو اُنھیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اپنی کم مائگی و بے بضاعتی اس طرح
بار بار بیان کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ غرور و پندار کا ایک شمہ بھی
اس کامل الفن میں نہ تھا۔ حالانکہ شعر و سخن کا وہ میدان ہی جس میں تلامذہ نے اپنے
اساتذہ کو ہل من مبارز کہہ کر پکارا ہے۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کمال ہی کہ اساتذہ
متقدمین جن کا کلام ابتدا میں آپ نے مطالعہ فرمایا تھا اور جن کی پختہ و پسندیدہ
روش آپ نے اختیار کی اُن کا نام بھی ادب سے لیتے ہیں اپنے کو اُن کا ارادت مند
و شاگرد بتاتے ہیں اپنے تلمذ کو اس جوش عقیدت سے ظاہر کرتے ہیں کہ واقعی تلامذہ
جو اُن اساتذہ کے ہوں گے اُنھوں نے بھی اس سے زیادہ ادب آمیز کلمات ثنائیہ
نہ کہے ہوں گے۔

نظامی سے اظہار عقیدت اور اُن کے کمال کا اعتراف

امام مثنوی گویان مولانا نظامی علیہ الرحمۃ کے کمال
اور اُستادی کا اس جوش عقیدت سے بار بار مختلف

مثنویوں میں ذکر فرماتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اُن کے عہد میں موجود ہیں اور اُن سے اپنے مثنویوں کی اصلاح لے رہے ہیں۔ چنانچہ مثنوی مجنوں لیلیٰ میں فرماتے ہیں ؎

زندہ ہست بمعنی اوستادم ۔۔۔ ورنیست منش حیات دادم

مولانا کا کمال اور اپنی بے مائگی کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں ؎

میداد چو نظم نامہ را پیچ ۔۔۔ باقی نگذاشت بہر ما ہیچ

مثنوی قران السعدین میں جن الفاظ سے مولانا کا کمال بیان کیا ہے وہ آداب سلف کا بہترین سبق آموز نمونہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

نظم نظامی بہ اضافت چو دُر ۔۔۔ وز دُر او سر بسر آفاق پر

پختہ از و شد چو معانی تمام ۔۔۔ خام بود پختن سودائے خام

ہر کہ دریں جنبش طبع آزمائے ۔۔۔ سر بہ نہی اوّل و آنگاہ پائے

مثنوی او راست ثنائے بگو ۔۔۔ بشنو و از دور دعائے بگو

از پئے بخشش بخدا آرزوے ۔۔۔ لیک عنایت ز بزرگاں بجوے

سوز سخن را نہ بجامی طلب ۔۔۔ پختگیش ہم ز نظامی طلب

اسی طرح جا بجا غزل سرائی میں اپنے ہمعصر و ہم عہد شاعر کہن مشق و دیرینہ سال سعدی علیہ الرحمۃ کی جو شیراز میں بیٹھے ہوئے حقایق و معارف کی نغمہ سرائی غزلیات میں کر رہے تھے اُستادی تسلیم فرماتے ہیں۔ قران السعدین میں فرماتے ہیں ؎

ور غزلت یاد جوانی دہد — وز خوشی طبع نشانی دہد

تن زن ازاں ہم کہ کساں گفتہ اند — ہرچہ تو گوئی بہ ازاں گفتہ اند

نوبتِ سعدی کہ مبادا کہن — شرم نداری کہ بگوئی سخن

پھر اپنی ایک غزل کے مقطع میں یوں فرماتے ہیں ؎

خسرو سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت — شیرہ زاں خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

مثنوی نہ سپہر میں ایک جگہ سعدی و ہمام دونوں کو اُستادِ غزل تسلیم کرتے ہوئے اُن کے دیگر اصنافِ نظم پر نہایت محققانہ و مودبانہ تنقید فرماتے ہیں ؎

کس نہ بیند سوے نظم دلگیر — کہ نہ گردد بدے منزل گیر

چوں نماند بدے خلقے یاد — گرچہ شد زادہ ہماں دل کہ نہ داد

تا بجائیکہ حد پارسیاں — اندریں عہد دو تن گشت عیاں

زاں یکے سعدی و ثانیش ہمام — ہر دو را در غزل آئینِ تمام

لیک اگر سوے دگر بارے ہست — شعر شاں ہست بداں گو نہ کہ ہست

دیباچہ غرۃ الکمال میں نہایت وضاحت سے اس کی تصریح خسرو علیہ الرحمۃ نے خود فرما دی ہے کہ اصنافِ نظم میں سے کس پیشرو کی روش کس صنف میں اختیار فرماتے ہیں تفصیل کے لئے ناظرین کو غرۃ الکمال کی اشاعت کا منتظر رہنا چاہیئے۔ لیکن مجملاً اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

قصائد میں خاقانی و اسمٰعیل کا پیرو ہوں مثنوی میں نظامی کا غزل میں سعدی کا

اتباع کرتا ہوں لیکن قطعات و رباعیات و دیگر اقسام نظم میں کسی غیر کے مسلک کا سالک نہیں ہوں بلکہ جو کچھ کہتا ہوں اور جس طرز و اسلوب میں کہتا ہوں وہ خود اپنا ہی ایجاد ہے"

اس بیان سے مقصد یہ ہے کہ خسرو کے کمال کا یہ پہلو بھی ناظرین کے سامنے آجائے کہ؏ نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

ورنہ اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نظم آپ کی فطری چیز ہے اس روانی سے یہ نظم لکھتے ہیں جیسے کوئی نثر لکھتا ہو۔ گویا ان کے خیالات عالم بالا سے نظم ہی کے پیرایہ میں ان کے دماغ میں اُترتے ہیں۔

مضمون آفرینی میں یہ کسی کے مرہون منت نہیں بلکہ اپنے ہی دماغ کے معدن سے انھوں نے صفحۂ قرطاس پر لال و گہر اُگل دیئے ہیں چنانچہ خود ہی ایک جگہ فرماتے ہیں؎

ہرچہ من از خامہ فشانم بروں گنج خدائیست کہ راتم بروں

لیکن یہ محض اسلاف کا پاس ادب ہے جو اُن کے برابر بیٹھنے کا دعوی نہیں کرتے اور نہایت انکسار سے یوں فرماتے ہیں ؎

چوں پس رو طرز ہر سوادم پس شاگردم نہ اوستادم

متاخرین اور کمال خسروی کا اعتراف

اس ادب شناسی کا یہ صلہ ملا کہ خسرو علیہ الرحمۃ کے معاصرین اور شعرائے مابعد ہر ایک نے خسرو کو اپنے سے بہتر اور اپنا رہنما تسلیم کیا۔ ان کے کمال کو باکمالوں نے پہچانا اور ادب سے سر تسلیم خم کیا۔

امیر حسن علا سنجری جو خسرو علیہ الرحمۃ کے ہم عصر اور غزل کے بے مثل اُستاد ہیں

جب وہ اپنے کلام کا خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس طرح کہتے ہیں ؎

خسرو از راہ کرم بہ پذیرد　　　انچہ من بندہ حسن می گویم
سخنم چوں سخن خسرو نیست　　　سخن این ست کہ من می گویم

ملا عصمت بخاری اور بابا کمال خجندی جیسے باکمال اساتذہ بھی خسرو علیہ الرحمۃ کے خوشہ چیں ہیں بہارستان میں مولانا جامی نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور کاتبی نیشاپوری نے ملا عصمت کے خصوص میں نہایت ہی لطیف قطعہ کہا ہے۔

(۲) قطعہ کاتبی نیشاپوری

میر خسرو را علیہ الرحمۃ شب دیدم بخواب　　　گفتم ایں عصمت ترا یک خوشہ چین خرمن ست
شعر او چوں شعر تو اندر جہاں شہرت گرفت　　　گفت یا کے نیست شعر او ہماں شعر من ست

بابا کمال خجندی جو عجم کے ایک مشہور سخنور اور خواجہ حافظ اور عصار تبریزی کے معاصر و حریف مقابل ہیں ان کے متعلق امیر شاہی سبزواری یوں کہتا ہے۔

(۳) قطعہ امیر شاہی سبزواری

گر حسن معنی ز خسرو برد نتواں عیب کرد　　　زانکہ اُستاد ست خسرو بلکہ ز اُستاداں زیاد
ور معانی حسن را برد از دیواں کمال　　　ہیچ نتواں گفتن او را دزد بر دزد او فتاد

کمال سے مراد بابا کمال خجندی کی ذات ہے۔

(۴) قطعہ مرزا محمد طاہر آشنا

کسی نے مرزا محمد طاہر آشنا سے پوچھا کہ اگلوں میں کس کا کلام دلفریب ہے اور پچھلوں میں

کس کا شعر دلپذیر ہے اس کے جواب میں ایک قطعہ لکھکر مرزا محمد طاہر نے بھیجدیا۔

اے کہ سوال کردۂ کز متقدمین کرا ہست زیادہ در سخن شعر بلند و دل نشیں

وز متاخرین بود شعر خوشش کہ بیشتر بیش ز ہمگناں بود طبع کہ معنی آفریں

نزدِ من اند در سخن زیں دو گروہ این دوتن خسرو دہلوی ازاں قدسی مشہدی ازیں

ظہوری جو اپنے زمانہ میں نظم و نثر کا بے نظیر اُستاد تسلیم کیا گیا ہے وہ اُن مدعیان باطل کی بدمذاقی کا جنھیں خسرو کی ہم سری کا سودا سما گیا تھا اس طرح گلہ کرتا ہے۔

(۵) ظہوری اور بارگاہ خسروی کا ادب

بساط ادب برکراں افگنند بہ خسرو غزل درمیاں افگنند

اس شعر سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ظہوری کا دل خسرو کی عظمت سے کس قدر لبریز ہے

خسرو کے بعد سب سے اول خواجو کرمانی ہیں جنھوں نے اپنا خمسہ مرتب کیا ہے ان کے شاعرانہ کمال کی نسبت صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ حافظ علیہ الرحمۃ جیسا مست با جوش و خروش شاعر بھی ان کا نام ادب سے لیتا ہے اور اپنے کو ان کا متبع کہتا ہے وہ اپنی مثنوی کمال نامہ میں خسرو کا اتباع کرنے والا اپنے آپ کو کہتے ہیں۔

(۶) خواجو کرمانی اور خسرو کی تقلید

سوختم ایں لخلخۂ خسروی در طبق موہبت مولوی

مولانا جامی جن کی مثنوی نگاری خصوصیت کے ساتھ ممتاز سمجھی گئی ہے وہ ایک جگہ مولانا نظامی کا امام مثنوی گویاں صرف اس امر سے اثبات کرتے ہیں کہ خسرو کا

خمسہ بھی نظامی کے خمسہ سے بڑھ نہ سکا بلکہ اُس کے بعد کا اُسے مرتبہ ملا۔ نظامی کا خمسہ دُرِ شاہوار ہی اور خسرو کا خمسہ زرِ خالص۔ فرماتے ہیں۔

(۷) مولانا جامی اور خسرو

زویرانۂ گنجہ شد گنج سنج | رسانید گنج سخن را بہ پنج
چو خسرو بداں پنجہ ہم پنجہ شد | وزاں بازوئے فکرتش رنجہ شد
کفش بود زاں گونہ گوہر تہی | زرش ساخت لیکن زرِ دہ دہی

ان اشعار سے جہاں نظامی کا فضل ثابت ہوتا ہی وہاں یہ بھی ثابت ہی کہ نظامی کے بعد مثنوی میں خسرو ہی کا مرتبہ ہی۔ دوسرے مثنوی نگاروں کا مولانا جامی کے نزدیک یہ مرتبہ بھی نہیں کہ اُن کا نظامی کے مقابلہ میں نام تک لیا جا سکے۔ چہ جائیکہ مقابلہ۔

(۸) مولانا جامی کی دوسری شہادت

مثنوی تحفۃ الاحرار کے خطبہ میں مولانا جامی یوں تحریر فرماتے ہیں "ایں صدف پارۂ چندست بے مقدار از جست و جوئے کارگاہ بے سر انجامی گرد کردہ شدہ و خزف ریزۂ چند بے اعتبار از رفت و روب بزم گاہ شکستہ جامی فراہم آوردہ چہ قدر آں دارد کہ در سلک جواہر شاہوار مخزن الاسرار حکیم گرامی شیخ نظامی انتظامش دہند یا در جنب جام زرنگار مطلع الانوار مورد بدائع لفظی و معنوی امیر خسرو دہلوی نامش برند چہ آں در جودت الفاظ و سلاست عبارات بمنزلہ ایست کہ فصیح زبانان عجم در بیان اوصاف

آں اعجمی اند۔ وایں در دقت معانی و لطافت اشارات بشابۂ کہ نادرہ گویانِ عالم درمعرضِ جواب آں معترف بابکمی"۔

سخن سنج جام نے چند مختصر فقرات میں کیسی جامع تنقید مخزن الاسرار و مطلع الانوار پر کی ہے پھر نادرہ گویان کا مطلع الانوار کے جواب میں اپنے گنگ ہونے کا اعتراف خسرو کے اُستاد فن ہونے کا کیسا کھلا اقرار ہے۔

(۹) مولانا جامی کی تیسری شہادت

مولانا جامی ایک جگہ خدا سے دعا مانگتے ہوئے جہاں اپنے سخن کا عروج منزل گاہ نظامی تک چاہتے ہیں وہاں اس کی بھی تمنا فرماتے ہیں کہ خسرو جیسی پختگی و لطافت میرے کلام میں پیدا ہو جائے ؎

اہلِ دل از فکر چو محفل نہند — بادۂ راز از قدح دل دہند
رشحہ ازاں بادہ بجامی رساں — رونق نظمش بہ نظامی رساں
پست چو خاک ست بریز از نوش — جرعۂ از جا نگہ خسروش
قافیہ آنجا کہ نظامی سزاست — ہرگز قافیہ جامی سزاست
بر سرِ خسرو کہ بلند اختر ست — از کفِ درویش گدا در خورست

(۱۰) امیر ہاشمی کرمانی اور کمال خسرو کا اعتراف

امیر ہاشمی کرمانی جو تقریباً مولانا جامی کے معاصر ہیں وہ اپنی مثنوی مظہر الآثار میں جو مخزن الاسرار کے رنگ میں لکھی ہے پہلے مولانا نظامی کے اُستاد فن ہونے کا اقرار

کرتے ہیں۔ اُس کے بعد خسرو ہی کی اُستادی تسلیم کرتے ہیں خسرو کے بعد جامی کا مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ خسرو کے متعلق اُن کے اشعار یہ ہیں ؎

چوں زقضا لاحُسہ نو رسید — کوکبۂ نوبت خسرو رسید
خامہ برآور دبفکرِ جواب — ماند قلم بر ورقِ آفتاب
خامۂ خسرو چو گھر بار شد — نامۂ او مطلع الانوار شد
کرد دراں نامہ تکلف بسے — گفت جوابے کہ چہ گوید کسے
بزم سخن رالبسخن ساز کرد — بر ہمہ کس راہ سخن باز کرد
فہم رموزش نکند ہر کسے — زانکہ معانیست بسے در بسے
زبدۂ اسرار حقایق ہمہ — محض اشارات دقایق ہمہ
گفتۂ او در نظر نکتہ داں — مید ہد از علم لدنی نشاں
آنچہ دریں مائدہ افگند شور — سر بسر از قوت طبع ست وزور
ایں مۓ صاف از قدح دیگر ست — مستی او را فرح دیگر ست
ہست دریں بزم گہ دلفروز — نوبت ہر اہل دلے پنج روز
دور قدح طے شد وساقی نماند — در خم دوراں مۓ باقی نماند
چوں مۓ خسرو بہ تمامی رسید — دورِ مۓ عشق بجامی رسید

(۱۱) ضیاء برنی کا قول

مولانا ضیاء برنی صاحب تاریخ فیروزشاہی جو خسرو کے ہم عصر ہیں تحریر فرماتے

ہیں۔ امیر خسرو خسرو شاعران سلف و خلف بودہ است و در اختراع معانی و کثرت تصنیفات غریبہ نظیر نداشت۔ وہر چہ نسبت طبع لطیف و موزوں کند باری تعالےٰ اورا دراں ہنر سرا مد گردانیدہ بود۔ وجودے عدیم المثال آفریدہ و در قرن متاخر از نوادر اعصار پیدا آوردہ۔

(۱۲) سفینۃ الاولیا میں دارا شکوہ کی تحریر

امیر خسرو در شعر چناں قادر بودند کہ مطلع انوار را کہ در جواب مخزن اسرار است در دو ہفتہ تمام کردہ اند۔ و در اشعار ایشاں یکہ بیتہاست کہ کم کسے بآں خوبی گفتہ باشد۔ مضموں ہائے تازہ عالی در اشعار امیر آں قدرست کہ اگر ہمہ را جمع کنند از تصانیف بعضے زیادہ میشود وہمیں طور در اقسام زبان وفنون علم ہندی بے مثل بودہ اند بجامعیت ایشاں کم کسے گزشتہ۔

(۱۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وے سلطان الشعرا و برہان الفضلا ست در وادیِ سخن یگانہ عالم ونقاوہ نوع بنی آدم ست وے در سخن عالمے ست از عوالم خداوندی کہ پایاں ندارد آنچہ اورا از مضامین ومعانی در اطوار سخن وانواع آں دست داد ہیچ کس را از شعرائے متقدمین ومتاخرین ندادہ۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ طبقات محدثین میں ہیں لیکن نظم سے بھی حصہ وافر کے مالک ہیں۔ آپ کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہتر نظم منظوم کرنے پر شیخ

رحمۃ اللہ علیہ کو خود بھی قدرت تھی بہرحال حدیث کی چھان بین کرنے والے کی نظر تنقیدی ہو ہی جاتی ہے۔ پس شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایک جملہ مشعر کمال خسرو ہے۔

(۱۴) تذکرہ دولت شاہ سمرقندی

تذکرہ دولت شاہ میں ہے کہ امیرزادہ بایسنغر خمسۂ خسروی کو خمسۂ نظامی پر ترجیح دیتا تھا اور خاقان مغفور الغ بیگ اسے قبول نہیں کرتا تھا۔ اس بحث نے یہاں تک طوالت اختیار کی کہ دونوں بادشاہوں میں کشاکش بڑھتی بڑھتے نوبت مقابلہ و مقاتلہ کی پہونچی۔ آخر میں دولت شاہ خسرو علیہ الرحمۃ کے متعلق یہ فقرات لکھتا ہے۔

القصہ معانی خاص و نازکیہائے امیر خسرو دہلوی و سخنہائے پرشور عاشقانہ او آتش در نہاد آدمی میزند خواجہ خسرو پادشاہ عاشقان ست ازانش خسرو نام ست و در ملک سخنوری این نامش تمام ست درحق او مرتبۂ سخن گزاری ختم ست۔

(۱۵) آزاد بلگرامی

رئیس المحققین میر غلام علی آزاد بلگرامی فرماتے ہیں کہ حضرت سعدی شیرازی کے کلام میں اگرچہ خال خال وقوعہ گوئی پائی جاتی ہے جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے۔ (شعر سعدی)

دل و جانم بتو مشغول و نظر در چپ و راست

تا نہ گویند رقیباں کہ تو منظور منی

مگر ناسخ نقوش مانوی حضرت امیر خسرو دہلوی وقوعہ گوئی کے بانی تسلیم کئے گئے ہیں۔ حضرت خسرو فرماتے ہیں ؎

خوش آں زماں کہ بر ویش نظر نہفتہ کنم　　چو سوے من نگرد او نظر بگردانم

ولہٗ

غلام آں نفسم کا مدم چو خانہ او　　بخشم گفت کہ از در کشید بیرونش

چو رفتم بر درش بسیار در بانش گفت ایں مسکیں
گرفتارست شاید کایں طرف بسیار می آید

محقق بلگرامی ایک عجیب صنعت سے ان کے کلام کی داد دیتے ہیں۔ یعنی خسرو کے دو شعروں سے دونوں آخر کے مصرعے لیتے ہیں اور اول مصرعہ اپنے طرف سے موزوں کر کے کلام خسرو کی داد دیتے ہیں ؎

آزاد　　خسرو

اے خسرو شوخاں چہ کند وصف تو آزاد　　خوباں عمل فتنہ زدیوان تو یابند

دیگر

میر خسرو نمکیں شعر ترا خواند آزاد　　از نمکدان تو شد تازہ گرفتاری دل

میر آزاد بلگرامی نے جو تنقید کہ کلام خسرو پر کی ہے مو بمو راست ہے۔ خود ایک غزل میں خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

روح لیلیٰ آید و آموزد آئینہاے عشق
شعر خسرو گر رقم بر تربت مجنوں کنم

اگر تمام اقوال مصنفین کے جو خسرو علیہ الرحمۃ کی نفس شاعری کے متعلق ہیں جمع کروں تو ایک رسالہ ہو جائے۔ لہٰذا اسی قدر پر بس کرتا ہوں

کہ مثنوی میں بعد نظامی علیہ الرحمۃ کی خسرو دہلوی سے بہتر کسی نے مثنوی نہیں لکھی۔ مولانا جامی خواجو کرمانی امیر ہاشمی کرمانی آذر اصفہانی سلم السماوات شرح الشعرا والہ داغستانی وغیرہ یہ سب اس کے معترف ومقرہیں۔ قصائد میں خاقانی اور غزل میں سعدی کے بعد ہیں۔ باعتبار جامعیت کے کوئی ان کا مقابل نہیں۔ صاحب شعر العجم کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(۱۶) شعر العجم کی عبارت

"ایران میں جس قدر شعرا گزرے ہیں خاص خاص اصناف شاعری میں کمال رکھتے تھے مثلاً فردوسی ونظامی مثنوی میں۔ انوری اور کمال قصائد میں سعدی وحافظ غزل میں۔ یہی لوگ جب دوسری صنف میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو پھیکے پڑجاتے ہیں بخلاف اس کے امیر قصائد مثنوی اور غزل تینوں میں ایک درجہ رکھتے ہیں مثنوی میں نظامی کے بعد آج تک ان کا جواب نہیں ہوا۔ غزل میں وہ سعدی کے دوش بدوش ہیں قصائد میں ان کی چنداں شہرت نہیں ہوئی لیکن کلام موجود ہے مقابلہ کرکے دیکھ لو۔ کمال اور ظہیر سے ایک قدم پیچھے نہیں۔"

اسی شعر العجم میں ایک دوسرے موقع پر ہے۔

"ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا۔ اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع ایران وروم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کئے ہوں گے صرف ایک

شاعری کرلو تو اُن کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے۔ فردوسی سعدی انوری حافظ عرفی نظیری بے شبہ اقلیم سخن کے جم و کے ہیں مگر ان کی حدود حکومت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑھتیں۔ حافظ۔ عرفی۔ نظیری غزل کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتے اور انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتا لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل مثنوی قصیدہ رُباعی سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین مستزاد اور صنائع و بدائع کا تو شمار نہیں"۔

خسرو کا حاسد عبید شاعر

صفحات تاریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ صاحب فضل و کمال کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ محسود ہو۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا باکمال گزرا ہو جس پر بعض بدنصیبوں نے حسد نہ کھایا ہو چنانچہ خسرو جیسا خوش طبع منکسر المزاج مسکین طبیعت محتاج دوست عاجز پرور اور دلنواز شخص بھی حاسدوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ سچ ہے ع

گل ست سعدی و در چشم دشمناں خارست

دربار شاہی میں ایک ایرانی عبید نامی تھا وہ فضل و کمال میں جب خسرو کا مقابلہ نہ کر سکا تو آتش حسد سے جل بھُن کر کوئلہ ہو گیا۔ امیر خسرو پر طعن و تشنیع اور ان سے بغض و حسد ہی رکھنے کو اُس نے اپنا مایۂ ناز و افتخار سمجھا۔ صاحب شعر العجم کی بھی یہی رائے ہے شعر العجم کے الفاظ یہ ہیں "بعض بعض ایرانی شعرا قومی تعصب کو چھپا نہیں سکے عبید ایک شاعر جو امیر خسرو کا معاصر ہے کہتا ہے کہ غلط او فتاد خسرو را الخ خسرو کا خمسہ جب طیار ہوا تو اس حیرت افزا

کمال نے اُسے ششدر تو کر دیا لیکن حسد سے مجبور تھا داد کیونکر دیتا اس لئے کہ یہ شیوۂ اہلِ ہنر ہی نہ طریق حسود۔ آخر ایک شعر میں اپنے حسد ہی کا اظہار کیا ؎

غلط او فتاد خسرو را زخامی
کہ سکبا پخت در دیگ نظامی

ادبی مذاق رکھنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ اہل کمال کا ایک گروہ ایسا بھی گزرا ہے جسے معاصرین سے دادِ فضل کمال نہ ملی بلکہ بعض ایسے شترگاوِ فن جو اُن کے علو شان کے سمجھنے سے قاصر تھے اُنھوں نے نہ صرف اُن کے کمال کا انکار کیا بلکہ مطاعن کی بوچھار کی ہے۔ لیکن جبکہ معاصرت جو تنافر کی ایک قوی علّت تھی مٹ گئی تو پھر اُس کا آفتاب کمال ایسا چمکا کہ اُس کے انوار میں تمام ہلکی اور دھیمی روشنیاں جذب ہو کر فنا ہو گئیں۔

یادش بخیر غالب دہلوی کی شان میں اُس کے بعض معاصرین نے کیا کیا کچھ نہ کہا کسی نے تو یہ کہا ؎

کلامِ میر سمجھے ہم زبانِ میرزا سمجھے
مگر اِن کی کہی یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

کسی نے اُس کے دیوان کے حجم و ضخامت پر یہ شعر چسپت کیا ؎

ڈیڑھ جزپر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

اس شعر کے کہنے والے آوج تخلص عبداللہ نام دہلی کے ایک شاعر گزرے ہیں جنھیں یہ ناز تھا کہ سات دواویں مرتب کر چکا ہوں اور آٹھواں زیر ترتیب ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں :۔

"ایک دن رستہ میں ملے دیکھتے ہی کہنے لگے آج گیا تھا انھیں بھی سُنا آیا۔ میں نے کہا کیا کڑک کر بولے ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع ومقطع غائب
غالب آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

پھر بیان کیا کہ ایک جلسہ میں مومن خاں بھی موجود تھے مجھسے سب نے شعر کی فرمایش کی میں نے ناسخ کی غزل پر غزل کہی تھی وہ سُنائی مُقطع پر بہت حیران ہوئے ع

کہ جس کو کہتے ہیں چرخ ہفتم ورق ہے دیوان ہفتمیں کا

پوچھنے لگے کہ کیا آپ ساتواں دیوان لکھتے ہیں ۔ میں نے کہا کہ ہاں اب آٹھواں ہے چپ ہو گئے"

لیکن اب کہ وہ بساط لپٹ گئی ۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ وہی ڈیڑھ جز کا دیوان ارباب بصیرت کی آنکھوں کی عینک بنگیا۔ اور عبداللہ خاں جو آٹھ دیوان چھوڑ گئے اُن میں سے آٹھ غزلوں کا بھی پتہ نہیں ۔ آج وہ اشعار جو غالب کی شان میں طنزیہ کہے گئے تھے کیا کچھ بھی واقعیت رکھتے ہیں ؟

وہ شعرا اور اُن کے طعن آمیز اشعار کیا اس ثبوت میں پیش کیے جا سکتے ہیں کہ غالب کا کلام بے معنی ومُہمل ہے اور اُسے صاحبِ دیوان نہیں کہا جا سکتا ۔ چونکہ اُس کا

دیوان صرف ایک جلد ہی اور وہ بھی مختصر۔ لیکن کیا عبید کے اس شعر کو جو اسکی حاسدانہ طبیعت کی یادگار ہی اس ثبوت میں پیش کرنا کہ اہل ایران نے خسرو کو مثنوی نگار تسلیم نہیں کیا آفتاب پر خاک ڈالنا نہیں ہی؟

عبید کا افساد اور اُس کا انجام صاحب منتخب التواریخ تغلق شاہ کا عہد بیان کرتے ہوئے ایک فتنہ کا یوں ذکر کرتے ہیں "دریں میان عبید شاعر مشہور مفتنِ معارضِ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کہ ایں بیت ازاں بدبخت شہرت دارد غلطا و فتاد الخ امیر در اکثر تصانیف از دست او و سعد فلسفی شکایت ہا کردہ و شیخ زادہ دمشقی بہ تقریب دیر رسیدن ڈاک چوکی از دہلی بدروغ آوازہ در انداختند کہ سلطان تغلق نماند۔ و فتورے عظیم در اہلِ اسلام رفت"۔ اس کے بعد فتنہ اور پھر اُس کے اندفاع کا ذکر ہے آخر میں مفسدین کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھتا ہی "عبید نیز ہم چناں منکوب بدست آمد و ایں جماعت را باخیل و تبار زیر پائے فیل انداختند در سنہ احدی وعشرین وسبعمائۃ"۔ تاریخ فیروز شاہی میں مولانا ضیاء برنی کے الفاظ عبید کے متعلق یہ ہیں۔ "بدبخت خبیث فتان مشطط"

اس عبارت سے صاف واضح ہی کہ عبید ایک مفسد فتنہ پرداز بے مایہ اور معمولی قابلیت کا شخص گزرا ہی شعر و سخن میں اُسے کچھ دخل ہی لیکن اس فن میں اسکا کوئی خاص پایہ نہیں اُس عہد میں عبید جیسے شاعر ہندوستان کے ہر گلی کوچے میں تھے۔ اُس کے اخلاق کی خامی و کمزوری اُس کی فتنہ پردازی و فساد انگیزی سے ظاہر ہے۔ کسی تذکرے میں بھی فقیر کی نظر سے یہ نہیں گزرا کہ اُس کے ثبوت شاعری میں

اُس سے کیا یادگار ہی نہ عبید کا دیوان ہے نہ مثنوی نہ قصائد۔ نہ کوئی اُس کے فضائل علمیہ ہی کا معترف ہی۔

خسروکا اتباع اور اہل زبان

خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ ہندوستان میں پیدا ہوئے اسی جگہ نشو ونما پایا۔ اسی سرزمین میں اُن کی تعلیم و تربیت ہوئی لیکن کلام کا ایسا نمونہ چھوڑ گئے کہ اہل ایران نے اُس کی تقلید کی خسرو کے قصائد اہلِ ایران میں ایسے مقبول ہوئے کہ سلمان ساوجی وغیرہ نے بھی اُسے نمونہ بنا کر طبع آزمائی کی ہی جو شہادتیں کہ اوپر مذکور ہوئیں اُن سے اہل ایران میں کلام خسرو کی مقبولیت اور اہل زبان میں خسرو کے صاحب فن ہونے کا اعتراف بخوبی ثابت ہوتا ہے

ایک سطحی اعتراض اور اُس کا جواب

یہ اعتراض کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے رنگ میں مثنویاں کیوں لکھیں اُنھیں داستانوں کو مکرر نظم میں کیوں لائے یہ کوئی اعتراض نہیں ہی بلکہ تعصب کا نتیجہ ہے اس کا جواب پھر کیا دیا جائے۔ دنیا میں شاید ہی کسی موضوع پر ایسی کتاب کسی نے لکھی ہو جس موضوع پر اُس سے بعد آنے والوں نے اپنی قوت دماغی نہ صرف کی ہو بلکہ کبھی کبھی اتحاد موضوع کے ساتھ اتحاد اسم بھی پایا جاتا ہے۔ امام غزالی کی مشہور تصنیف تہافتہ الفلاسفہ ہے لیکن اسی نام کی اور دو کتابیں بھی موجو ہیں۔ ان تینوں کا موضوع ایک ہی لیکن انداز بیان ترتیب فصول سب میں جداگانہ ہی۔ شرح تجرید کے حواشی دیکھو دو نامور محقق یکے بعد دیگرے اُس کا حل لکھتے ہیں اور دونوں کے حواشی کا ایک ہی نام ہے یعنی قدیمہ۔ اسی طرح شیخ

بوعلی سینا کی معرکتہ الآرا کتاب اشارات ہو اُس کی بھی دو شرحیں ہیں اور دونوں شرح اشارات سے موسوم ہیں۔ شعر و شاعری میں جہاں صرف طبع آزمائی ہوتی ہے اُس میں اگر ایک ہی داستان کو دو شاعروں نے نظم کیا تو یہ اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے۔ زورِ طبیعت کا اُسی جگہ صحیح اندازہ ہوتا ہے جہاں ایک ہی مضمون کو دو شخص بیان کریں اس سے ہر ایک کی قوّتِ فکریہ کا زور اور اُس کی رسائی معلوم ہوتی ہے۔ بدیں وجہ خسرو شیریں، مجنون و لیلیٰ و داستان بہرام گور متعدد شعرا نے نظم کی ہیں جن میں سوائے امیر خسرو کے سب اہلِ زبان ہیں۔ پھر خسرو پر اس اعتراض کی تخصیص کیا ہے۔ خسرو نے نام رکھنے میں جو صنعت قلب سے کام لیا ہے اُس سے ایک لطف پیدا ہو گیا مثلاً مولانا نظامی کی کتاب کا نام لیلیٰ مجنوں ہے اور ان کی مثنوی کا مجنوں لیلیٰ۔

اساتذۂ فن کے کلاموں پر جن کی نظر ہے اُن سے یہ امر مخفی نہیں کہ ایک ہی مضمون ہوتا ہے جسے ہر ایک شاعر کہتا ہے لیکن ہر ایک کا انداز جدا ہر ایک کی بندش الگ کہیں اگلوں کے کلام میں لطافت ہوتی ہے اور کہیں پچھلے اُس مضمون کو زیادہ پُر تاثیر بنا دیتے ہیں مثلاً سعدی کا ایک شعر ہے۔

پہلی مثال

بجز ایں گنہ ندارم کہ محبِّ مہربانم | بچہ جرمِ دیگر از من بسرِ انتقام داری

اسی مضمون کو خسرو کہتے ہیں ؎

گفتم کہ ہمیں ترا غلامم | گرہست گناہِ من ہمین ست

خسرو کے شعر کا لطف ظاہر ہی صرف ایک لفظ غلام نے وہ خوبی پیدا کر دی ہی جو محب و مہربان کے دو لفظوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اُس پر گناہ کا اقرار حرف شرط کے ساتھ ایک عجیب لطف دے رہا ہی۔

کیا خسرو پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ جبکہ سعدی کا شعر موجود تھا تو پھر اس مضمون کے ادا کرنے میں کیوں وقت ضائع کیا گیا۔

دوسری مثال

خسرو کا ایک شعر ہی ؎

گفتہ بودے خسروا در خواب رُخ بنمایت این سخن بیگانہ را گو آشنا را خواب نیست

اسی مضمون کو جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

گفتی شبے بخواب تو آیم ولے چہ سود چوں من بعمرِ خویش ندانم کہ خواب چیست

خسرو جن کا زمانہ جامی سے بہت پیشتر ہے جبکہ اُن کا ایسا پر لطف شعر موجود تھا تو پھر جامی کو ایسا شعر لکھنا جو لطف میں بھی خسرو کے شعر سے پیچھے ہی کیا ضرور تھا۔ کیا یہ اعتراض مولانا جامی پر ایک فضول و لا یعنی اعتراض نہیں ؟

تیسری مثال

میر تقی میر کا ایک شعر ہی ؎

جاتا ہے آسماں لئے کوچہ سے یار کے آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

غالب دہلوی کہتا ہی ؎

یاد آگیا ہمیں تیری دیوار دیکھکر　　　سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا

خلاصہ یہ کہ کوئی مضمون جسے متقدم نے کہا ہو اگر اُسے کوئی متاخر کہے تو اگر دونوں کے کلام میں باعتبار بندش و ترکیب الفاظ مساوات ہی تو فضل متقدم کی طرف ہوگا۔ لیکن اگر متاخر نے اُس میں کوئی لطف پیدا کیا تو پھر یہ مضمون اُس کا ہو جائے گا اور یہ ایک طرح کی صنعت شمار کی جاتی ہی جسے ابداع کہتے ہیں۔

جواب کا دوسرا حصہ یہ واقعہ ہی کہ ہر شاعر کی طبیعت ایک خاص رنگ رکھتی ہی اور اُس کے بیان کا اسلوب ایک خاص طرز رکھتا ہی۔ اکثر کلام اُس کا اُسی رنگ و روش میں پایا جاتا ہی۔ لیکن کبھی کبھی وہ اپنے مخصوص طرز سے علیحدہ ہو کر کسی دوسرے طرز میں بھی طبیعت کی جولانی دکھاتا ہی جس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ دوسری روش بھی اُس کی قدرت سے باہر نہیں۔

مثلاً غالب کی نازک خیالی اور دقت پسندی ضرب المثل ہی جیسا کہ وہ خود کہتا ہے

مشکل ہی زبس کلام میرا اے دل　　　سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش　　　گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

لیکن جب کبھی اُس کا جی چاہتا ہی تو اپنے خاص رنگ سے علیحدہ ہو کر سہل کہنے پر جو آتا ہی تو سہل ممتنع میں بھی اپنی اُستادی ثابت کر دیتا ہی۔ مثلاً اُس کی ان غزلیات کو دیکھئے جن میں سے ایک ایک شعر یہاں درج ہی ؎

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے　　　آخر اس درد کی دوا کیا ہے

کب وہ سُنتا ہی کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری
ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام — ایک مرگِ ناگہانی اور ہے
منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید — نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے

خسرو اور مجتہدانہ طبیعت | خسرو علیہ الرحمۃ ایک مجتہدانہ طبیعت لے کر اس عالم کون و فساد میں آئے تھے۔ ناظرین تھوڑا صبر کریں نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے جود و کرم کا چشمہ عنقریب اُنھیں سیراب کر دے گا۔ بہت بڑا حصہ کلام خسرو کا تصحیح و مقابلہ کی منازل سے گزر کر تنقید و تقریظ کے مقام تک آچکا ہی۔ جس وقت خسرو کا کلام ناظرین کے سامنے ہوگا اُس وقت یہ فیصلہ خود بخود ہو جائے گا کہ بیشک خسرو میں مجتہدانہ قابلیت موجود تھی۔ آپ کی مثنوی تغلق نامہ، خضر خاں و دیول دیی اور مثنوی نہ سپہر آپ کی جدت و جودت آفریں طبیعت پر گواہ ہیں یہ تینوں تاریخی مثنویاں ہیں۔ واقعات ایسی صحت سے لکھے گئے ہیں کہ اُس عہد کی بہترین تاریخ یہی مثنویاں ہیں تاریخی بحث ایک خشک مضمون ہی لیکن خسرو نے اپنی جادو بیانی سے ایسا رنگین اُسے کر دیا ہی کہ تاریخ اپنی صحت کے ساتھ باقی رہی اور مضمون میں دلکشی و دل آویزی پیدا ہو گئی۔ نہ سپہر کی ترتیب بھی ایک جدت رکھتی ہی۔ اس مثنوی کے نو باب ہیں ہر باب کو سپہر سے تعبیر کیا ہی۔ پھر ابتدا نویں آسمان سے کی ہی اُس کے بعد آٹھواں پھر ساتواں اسی طرح پہلے سپہر پر خاتمہ ہے۔ ہر سپہر کا عنوان آخر میں ہوتا ہے اور ہر سپہر کی بحر ایک نئی بحر ہوتی ہی۔ اس طرح یہ مثنوی نو بحروں پر مشتمل ہی۔ خسرو کی اس مثنوی کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔ بعضوں نے سبحۃ الابرار جامی کے متعلق یہ لکھ دیا کہ

یہ مثنوی نہ سپہر کے ہمرنگ ہے۔ بغیر کتاب دیکھے جو اجتہاد و قیاس کیا جاتا ہے وہ ایسا ہی غلط ہوتا ہے
لیکن خمسہ میں خسرو نے اپنی روش چھوڑ کر حضرت نظامی کی روش اختیار کی ہے اور یہ
ثابت کر دیا کہ اس روش میں بھی مثنوی کہہ سکتا ہوں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

میخواست بسے دلِ ہوس باز | کز سحرِ قدیم نو کنم ساز
پے بر پئے او چناں کہ دانم | گفتم قدمے زدن توانم
از شیوۂ خود رمیدہ گشتم | تسلیمِ ہماں جریدہ گشتم
چیدم بقلم نمونۂ پیش | بردم زمیاں تکلفِ خویش
زاں کردہ ام ایں نوائے خوش ساز | تا گوشِ زمانہ را کنم باز
ذوقے کہ دریں دمِ حیات ست | ہمشیرۂ اوّلیں نبات ست

خسرو علیہ الرحمۃ اپنی مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق آخر شعر میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اوّلیں
نبات (یعنی لیلیٰ مجنونِ نظامی) کی ہمشیرہ ہے۔ جس طرح کہ یہ مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق ہوئے
کیا گیا ہے دیگر مثنویوں کے متعلق بھی کیا جا سکتا ہے خود اسی مثنوی ہشت بہشت کو بحیثیل
نکتہ چینی اوّل سے آخر تک اُٹھا کر پڑھ جائیے۔ کسی جگہ اور کسی موقع پر کسی قسم کا مضمون
آپ ایسا نہ پائیں گے کہ اُس کو آپ کسی مضمون کی نقل خیال کر سکیں یا پیش رو اور پیرو
کا فرق محسوس ہو اگرچہ وہی قصہ ہے وہی داستان وہی عالم ہے وہی جہان۔
دیکھیے متاخرین اہلِ کمال نے جو امام فن مسلّم ہو چکے ہیں جب کسی متقدم کی غزل پر غزل
لکھی تو چند اشعار میں بھی وہ اس نقصان کو پوشیدہ نہ کر سکے اور یہاں دفتر کے دفتر

موجود ہیں مگر ممکن نہیں کہ کوئی منصف شخص یہ کہہ سکے کہ یہ نقل ہے اور وہ اصل یا یہ اصل ہے اور وہ نقل۔

نظامی و خسرو کا مقابلہ | نہایت تفصیل سے مثنوی میں مولانا نظامی کا کمال ابھی ہم بیان کر چکے ہیں لاریب مولانا کی مثنویاں باوجود بیشمار جوابوں کے بھی آج تک لاجواب رہیں۔ خود امیر خسرو کی بے نظیر انصاف پسندی بار بار مولانا کے کمال کا اعتراف کرتی ہے۔ مثنوی مجنوں لیلیٰ میں اُن لوگوں کو جو خسرو پر نظامی کا نام لے کر طعن کیا کرتے تھے مخاطب بنا کر فرماتے ہیں ؎

گرما ز ہُنر تہی میانیم	بارے تو بگوی تا بدانیم
از دعویِ این خیال سنجی	تاگفتہ ملاف تا نہ رنجی
بنود چو فسانۂ تو نامی	بیہودہ چہ لافی از نظامی
گفتی درم اوست مُردہ رازیست	آں زانِ ولیست زانِ تو چیست
گرزاں قدح آری آبخوردم	بے گفتِ تو اعتراف کردم

یہ واقعہ ہے کہ مولانا نظامی نے بغیر کسی نمونہ کے صنف مثنوی کو ایسا آراستہ و پیراستہ کیا کہ سو برس تک تو کسی کی ہمت مثنوی لکھنے کی نہ ہوئی۔ اور بعد سو برس کے جنھوں نے مثنویاں لکھیں تو وہ نظامی جیسی کوئی نمایاں ترقی نہ کر سکے۔ اس لئے کہ وہ اس مرتبۂ کمال تک مولانا کے پُرزور قلم سے پہنچ چکی تھی جو انسان کی قوت فکریہ کی انتہائی منزل ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مولانا نظامی جس روش کے موجد ہونے کا فخر رکھتے ہیں

اُس کے مکمل ہونے کا بھی سہرہ اُنھیں کے سر ہے۔ یہ دو کمال یعنی ایجاد و تکمیل مولانا کے ایسے ہیں جن میں کوئی اُن کا ہمسر نہیں خسرو کا نظامی سے جب مقابلہ کیا جائے گا تو یہ حیثیت ضرور ملحوظ ہوگی۔

نظامی کی فارغ البالی خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مولانا نظامی یک فنی تھے طبیعت کا سارا زور مثنوی پر ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا فراغ عطا فرمایا تھا مولانا کو نہ کوئی دوسرا خیال تھا نہ طبیعت پر کسی طرح کا بار۔ اطمینان و سکون سے کلام میں کمال پیدا کرتے رہے۔ خسرو کے وہ اشعار یہ ہیں ؎

اوزاں ہمہ فکرِ گوہر آمائے	نہ نہاد زیک وش بروں پائے
وانگہ زجہاں فراغ جستہ	وزشغلِ زمانہ دست شستہ
بارے نہ بدل مگر ہمیں بار	کارے نہ دگر مگر ہمیں کار
کوشش ہمہ در سخن سگالی	خاطر زہر التفات خالی

اس کے بعد اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ میں مسکین ہوں بندگی سے چارہ نہیں پیٹ کے لئے مزدوری کرتا ہوں صبح سے شام تک اپنے ہی جیسے انسان کے آگے پاؤں پر کھڑا رہتا ہوں۔ اس محنت و ملازمت کا جب صلہ دیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق محنت و مزد نہیں دیتے بلکہ احسان کر رہے ہیں۔ خود خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مسکیں منِ مستمندِ بیہوش	از سوختگی چو دیگ در جوش

شب تا سحر از صباح تا شام — در گوشۂ غم نگیرم آرام

باشم زبرائے نفسِ خود رائے — پیش چو خودے ستادہ بر پائے

تا خوے نرود زپائے تا سر — وستم نشود زآبِ کس تر

مردے کہ دہند منتِ داد — واں رنج کہ من برم ہمہ باد

چوں خرکہ علف کشد بزاری — ریزند جوش وے بخواری

باوجود اس کے خسرو کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ خمسہ نظامی کے بعد انھیں کا خمسہ جگہ پاسکا۔ حالانکہ جلال فراہانی، خواجو کرمانی، عماد فقیہ کرمانی۔ مولانا کاتبی۔ ہاتفی وغیرہ وغیرہ سبھوں نے طبع آزمائیاں کیں لیکن اہلِ زبان ہونے پر بھی خسرو کے مقابل نہ ہوسکے۔ اس پر بھی اگر کسی کو خسرو کا کمال نہ دکھائی دے تو اس کا کیا علاج۔ خسرو علیہ الرحمۃ نے مثنوی قران السعدین میں اس کا بہت ہی اچھا فیصلہ کردیا ہے ؎

باز کسے را کہ حسد رہ زند — زخمہ دریں رہ نہ یکے۔ دہ زند

جس کی راہ حسد نے مار رکھی ہو — وہ ایک چھوڑ دس اعتراض کرے گا

گر بمثل صد ہنر آرم زغیب — ہیچ نگاہے نکند۔ جز بہ عیب

مثلاً اگر میں سو ہنر کی باتیں پیدا کروں — تاہم حاسد عیب کی ہی طرف نظر کرے گا

صد سخنِ راست نگیرد بہ ہیچ — یک رقم کثر کند انگشت پیچ

سو اچھی شعر اُس کے نزدیک بے قدر ہیں — لیکن سقم ایک بھی ہو تو اُسے انگشت نما بنائے گا

گر بہ از ین ست گہر سفتنش ۔۔۔ عیب بود عیب کساں گفتنش

اگر اُس کی سخن طرازی مجھسے بہتر ہے ۔۔۔ تو دوسروں کی عیب چینی خود اُس کے لئے عیب ہے

ورکم ازیں مایہ رسیدش زغیب ۔۔۔ طفلِ رہِ ماست زطفلاں چہ عیب

اور اگر اُس کا کلام مجھسے پست ہے ۔۔۔ تو وہ ابھی اس راہ میں بچہ ہے بچوں کے کہے کا بُرا ماننا کیا

الحمدللہ کہ اُن مضامین سے فرصت ملی جن کی ترتیب علاوہ تنقید ہشت بہشت کے فقیر کے متعلق کی گئی تھی مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُس جناب کا اسے مقبول وپسندیدہ فرمائے جس کے کلام وکمال کا نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں اُس بزرگ ومخلص کی دُعا کا خواستگار ہوں جس کی پیہم سرگرمیوں نے مجھ جیسے کاہل وناکارہ کو بھی معطل نہ چھوڑا۔ فجزاہ اللہ عنی خیرالجزاء۔

مثنوی ہشت بہشت

مثنوی کی بنا اور اُس کے ادوار باخبر رہروان علم سے یہ امر مخفی نہیں کہ رودکی نے سب سے پہلے مثنوی کی بنیاد رکھی۔ فردوسی نے اوس پر ایک شاندار عمارت قائم کی۔ مولٰنا نظامی رحہ نے اوس محل کو آراستہ اور نقش و نگار سے پیراستہ کیا۔ امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سو برس بعد اوس پر ایسی نظر افروز قلعی چڑھائی جسے دیکھکر ان سے بعد آنے والے شعرا اپنی طبیعت کو قابو میں نہ رکھ سکے اور ہر ایک نے اپنے اپنے عہد میں اس بات کی کوشش کی کہ اس محل دلکشا میں کہیں میرا کمال بھی آویزاں ہو جاے۔ لیکن اہل معانی و سخن شناس با انصاف جانتے ہیں کہ اُن اہل کمال کی تمنائیں کہاں تک سرسبز ہوئیں ؎

المنۃ للہ کہ حق بیں ہیں یہ آنکھیں احسان خدا کا کہ یہ دل گھر ہے خدا کا

مثنوی ہشت بہشت اس وقت پیش نظر امیر علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت ہی جو آپ کے خمسہ میں باعتبار ترتیب تصنیف سب سے آخر دور کی پر جوش صہباے عرفان کا پیمانہ ہی۔ جیساکہ خود اِس کتاب میں ہم نشین علی کی زبان سے فرماتے ہیں ؎

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

امیر صاحب نے اس مثنوی کو ۷۰۱ھ میں تحریر فرمایا ہی۔ اوس وقت

آپ کی عمر اکیاون سال کی تھی۔ کل اشعار اس کے تین ہزار تین سو پچاس ہیں جیسا
کہ اِن اشعار سے ظاہر ہے ؎

ہمہ بیتش نگاہ عرض شمار — سہ صد و پنجہ آمد و سہ ھزار
سال ہجری یکے و ہفصد بود — کیں بنا بر دسر بچرخ کبود

بحر اس کی خفیف مسدس مجنوں مقصور ہے۔ یعنی فاعلاتن مفاعلن فعلات یوں
تو شاعر کے آخر عمر کا کلام سابق کے کلام سے پختگی و برجستگی صفائی و استواری میں
بڑھ کر ہوتا ہی ہے لیکن امیر صاحب نے کوشش بھی کی ہے کہ اس کتاب میں شاعری
حد کمال تک پہونچ جائے۔ فرماتے ہیں ؎

کوش کیں خط چناں نگاری چست — کہ فزوں آید از چہار نخست
کاولیں نکتہ گرچہ چست بود — آخریں بہتر از نخست بود

چنانچہ جب یہ مثنوی تمام ہو چکی تو امیر صاحب نے اوس کو ویسا ہی بہتر و برتر پایا
جیسا کہ اون کی تمنا تھی۔ اپنی اس کامیابی کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں ؎

گر بود نا قدِ خزانۂ راز — داند اندیشۂ مرا پرواز

مثنوی بمقابلہ دیگر اصناف نظم کے

ان جزئیات کے بعد دو باتوں کا بیان کر دینا نہایت ضروری
سمجھتا ہوں۔ اوّل یہ کہ شاعر مثنوی لکھنے کے قابل کب ہوتا
ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کون سے محاسن ہیں جن سے مثنوی کی آرائش تمام ہوتی
ہے۔ امرِ اوّل کے متعلق اربابِ تحقیق کی یہ رائے ہے کہ شاعر مثنوی اس وقت

لکھتا ہے جب کلام پر اوس کو پوری قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی واقعہ کو
نظم میں بیان کرنا وزن وقافیہ کا سبنھالے رکھنا شاعرانہ تخیل کو ہاتھ سے
ندینا برائے بیت الفاظ کا داخل نہونا اور ربط کلام پر خیال رکھکر مسلسل واقعات
کا بیان کرنا نہایت ہی اہم ومعرکتہ الآرا رہا ہے۔ اسلئے مثنوی نظم نگاری میں
اعلی درجہ کا فن شمار کیا جاتا ہے۔ امر دوم کے متعلق سخن سنجوں کی یہ راے
سدید ہی کہ چھ باتیں ہیں جو مثنوی کے لئے ستہ ضروریہ کہی جاسکتی ہیں (۱) آداب
سخن کی پاسداری ونگہداشت (۲) قافیہ کا ردیف کے ساتھ دست وگریبان
ہونا اور صحت قوافی کا لحاظ (۳) شاعرانہ علم کلام اور قیاس شعری کی قوت
(۴) کسی خاص مضمون کو طرق مختلفہ سے بیان کرنا۔ مثلاً آفتاب کا طلوع وغروب
صبح وشام کی جلوہ آرائی۔ گلوں کے قہقہے۔ بلبلوں کے چہچہے۔ معشوقوں کے
سراپا کے مرقعے۔ عشاق کی مہجوری وحرماں نصیبی کے نقشے۔ ہمکناری کے
شوق۔ ہم آغوشی کے ذوق وغیرہ وغیرہ (۵) صنایع وبدائع لفظی ومعنوی ومراعات
النظائر (۶) سب سے آخر مگر سب سے اہم تسلسل ہے۔ یعنی واقعات کے سلسلہ
کی کوئی کڑی نکلنے نہ پاے جس شخص کا بیان ہو اوس کی حیثیت وشان کا لحاظ
ابتدا سے انتہا تک قایم رہے۔ شعرا نے مثنوی کے لئے جو بحریں اختیار کی ہیں
وہ سب چھوٹی بحریں ہیں قافیہ چھوڑ کر دو تین لفظوں میں مصرعہ پورا ہو جاتا ہے
اب شاعر کا کمال یہ ہے کہ اونھیں دو تین لفظوں میں واقعہ نگاری۔ سخن آفرینی اور

کلام کی سلاست وروانی کا جوہر دکھا دے۔

مثنوی ہشت بہشت کا درجہ

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت اس وقت پیش نظر ہے وہ اِن نکات کو خوب سمجھے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زباندان ہوکر جب کسی اہل زباں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں تو کتنے اہل زبان ہیں جنکو اپنے دامن کی ہوا بھی پانے نہیں دیتے۔ آپ کی مثنوی ہشت بہشت تمام اُن محاسن سے آراستہ ہے جو مثنوی کے زیور قرار دیے جائیں۔ لیکن واقعات کے تسلسل اور استقصاے جزئیات میں ایسی کامل ہے کہ بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس وصف خاص میں کوئی مثنوی اس کی ہمسری کا دعویٰ کر نہیں سکتی چاہے متقدمین کی ہو یا متاخرین کی۔ یہ مثنوی بھی اپنی سابق کی چار مثنویوں کی طرح سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے معنون ہے۔ فلسفہ تاریخ سے آشنا جب عہد علائی پر ایک گہری نظر ڈالتا ہے اور پھر اس مثنوی کو پڑھتا ہے تو نصیحت گری کا یہ انوکھا طرز اور تنبیہ و بیداری کا جدید پر لطف سبق دیکھکر بے اختیار کہہ اوٹھتا ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

اِس تمہید کے بعد مقصود یہ ہے کہ مثنوی کے جن محاسن کا بیان مجملاً ہوا۔ اور جنکے متعلق ہشت بہشت میں پایا جانا کہا گیا اُن امور کی تفصیل و تمثیل مثنوی ہشت بہشت کے اشعار لیکر کر دیجائے۔ ہر چند مثنوی ہفت پیکر مولنا نظامی کے ساتھ ساتھ اگر اشعار کی خوبی بیان کی جاتی تو لطف مزید حاصل ہوتا۔ لیکن یہاں صرف خسرو

کی شاعری کا کمال دکھانا ہے کہ اِس کتاب میں آپ نے کہاں تک قادر الکلامی کی داد دی ہے اور مثنوی کا حق کس حد تک ادا کیا۔ رہا حضرت نظامی کی ہفت پیکر سے مقابلہ اُس کا بیان آیندہ آئیگا اگرچہ خسرو جیسے باکمال وجامع شاعر کے کمال شاعری کا اظہار مجھ جیسے بے بضاعت کے لئے درخور حوصلہ نہیں ہوسکتا ؎

دامانِ نگہ تنگ وگل حسنِ تو بسیار — گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

مگر محض بخیال امتثال امر جابجا سے گلہائے مضامین لیکر ایک گلدستہ طیار کیا جاتا ہے خدا اسے مقبولیت عطا فرمائے ؎

الٰہی رنگِ تاثیرے کرامت کن فغانم را — بموجِ اشکِ بلبل آب دہ تیغ زبانم را

مثنوی ہشت بہشت کے قصّے

جو قصہ کہ اِس مثنوی میں منظوم ہوا ہے وہ بہرام گور (شاہ ایران) کی عیش پرستی کا ہے مولانا نظامی نے بھی اسی داستان کو ہفت پیکر میں بیان کیا ہے۔ بہرام گور کے متعلق تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس نے دیار عرب میں تربیت پائی تھی اور عربوں ہی کی گود میں اس کا نشوونما ہوا تھا۔ بہادر تھا شجاع تھا صید وشکار کا شوقین تھا لیکن طبیعت عیاشانہ پائی تھی جس پر ایران کی آب ہوا سے بہار رچھا گئی تھی۔ اہل روم سے اُس کے کئی معرکہ ہوئے۔ میدان مصاف کی بارہا گرما گرمی نے اُس کے جوہر شجاعت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ ہندوستان سے اُس کا تعلق تھا

چنانچہ ہندوستان کی ایک عورت اُس کے پاس تھی جس کے شمع حسن کا وہ پروانہ تھا۔ یہی عورت اُس کے ساتھ صید و شکار میں بھی رہتی تھی اور غالباً یہی دلارام ہے۔ شکار کا شوقین تو تھا ہی اتفاقاً ایک روز کسی گورخر کا تعاقب کرتے ہوئے ایک کوئیں میں آرہا اور اوسی جگہہ خود موت کا شکار ہو گیا۔ تاریخ میں بہرام کے متعلق جو کچھ ہے اوس کا خلاصہ اسی قدر ہے۔

مولنا نظامی نے ہفت پیکر میں چند ابواب خسرو سے زیادہ قائم کئے ہیں جن میں خاقان چین سے بہرام کی جنگ و فتح کا ذکر ہے کہیں اُس کے شیر مارنے کی تعریف کہیں اُس کے اژدہا مارنے میں بہادری کا تذکرہ۔ کچھ وہ واقعات ہیں جو اُسے مالک تخت و تاج ہونے میں پیش آئے ہیں غرض چھوٹے چھوٹے پندرہ بیس عنوان انہیں جزئیات میں ہیں۔ پھر اُن کے ذیل میں کہیں کوئی حکایت آجاتی ہے اور کہیں کوئی تمثیل۔ ان عنوانوں کے علاوہ وہ سارے ابواب ہفت پیکر میں موجود ہیں جو ہشت بہشت میں ہیں صرف مدح شیخ کا ایک عنوان (جیسا کہ عموماً خسرو کی مثنویوں میں ہوا کرتا ہے) اس مثنوی میں بھی موجود ہے ہفت پیکر میں نصیحت کا مخاطب بیٹا ہے اور ہشت بہشت میں بیٹی باقی تمام بیان ایک ہیں خسرو کی کتاب ہشت بہشت میں حسب ذیل اکیس ابواب ہیں۔

حمد[1]۔ نعت[2]۔ معراج[3]۔ تعریف[4] بادشاہ۔ خطاب[5] بسوے بادشاہ۔ سبب[6] تالیف
نصیحت[7] بدختر۔ صفت[8] دلارام و شکار[9] بہرام۔ رنجیدن[10] بہرام و گذاشتن دلارام۔

آراستہ[11] شدن محل بہرام۔ گنبد[12] مشکیں۔ گنبد[13] زعفرانی۔ گنبد[14] ریحانی۔ گنبد[15] گلناری گنبد[16] بنفشی۔ گنبد[17] صندلی۔ گنبد[18] کافوری۔ وفات[19] بہرام۔ خاتمہ[20] بشکر[21] گزاری حق تعالیٰ خسرو علیہ الرحمۃ بہرام گور کی داستان اِس طرح شروع فرماتے ہیں کہ بہرام کو گورخر کے شکار کا بہت ہی شوق تھا سوائے اُس کی ران کے اور کسی طرح کا گوشت پسند نہیں کرتا تھا۔ بغیر شکار گورخر اُسے چین نہیں پڑتا تھا۔

دلارام اوس کی معشوقہ ساتھ ہوتی تھی ایک روز کبھی خلاف طبع امر پر خفا ہو کر بہرام نے اوس کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ دلارام ایک گاؤں میں پہونچکر نغمہ سرائی سیکھتی ہے اور اوس کمال کی وساطت سے پھر بہرام کی معشوقہ بنتی ہے۔

بہرام کے وزیر دانا نے جب بہرام کا انہماک صید و شکار میں حد سے زیادہ دیکھا تو اوس نے اوس کے لئے ایک قصر عالیشان بنوایا۔ جس میں سات گنبد تھے گنبد کی رونق کا سامان یہ کیا کہ ہفت اقلیم کے بادشاہوں کے پاس عاقل و مدبّر اشخاص شاہانہ تحائف کے ساتھ بھیجے اور اون سلاطین سے بہرام کے لئے اون کی لڑکیوں کی استدعا کی۔ قاصد کامیاب واپس آئے۔ ہر اقلیم کی شاہزادی ساتھ ساتھ لائے۔

وزیر نے ایک ایک گنبد میں ایک ایک شاہزادی کو جگہ دی۔ بہرام ہر رات ایک شاہزادی کے ساتھ ہم خواب ہوتا ہے۔ نیند آنے کے لئے شاہزادی سے کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے وہ شاہزادی معذرت کرتے ہوئے پہلے

بہرام کو دعائیں دیتی ہے پھر قصہ شروع کرتی ہے اِس طرح اس میں سات قصے ہیں۔

ہر گنبد کا رنگ جداگانہ ہے جو شاہزادی جس گنبد میں ہے اوس کا لباس بھی گنبد ہی کے رنگ کا ہے۔ خود بہرام کا لباس بھی گنبد کی رعایت سے ہر شب نئے رنگ کا ہوتا ہے۔

جس روز جس گنبد میں جاتا ہے اوس میں ستارہ کے رنگ کا بھی لحاظ ہے اہل نجوم کے یہاں سبع سیّارگان اپنا اپنا رنگ خاص رکھتے ہیں۔ کوئی سیاہ ہے کوئی سرخ۔ کوئی سبز اور ہفتہ کے ہر سات ایام یعنی شنبہ، یکشنبہ وغیرہ اونھیں سیّاروں سے اپنا اپنا علاقہ رکھتے ہیں۔ غرض گنبد کے رنگ کی مناسبت کہیں نہیں چھوڑی گئی ہے آخرکار بہرام کا گورخر کے شکار میں ایک کوئیں میں گر کر مرجانا ہے اور داستان کا خاتمہ ہے۔

مولانا نظامی نے بھی ان سارے واقعات کو بعینہٖ بیان فرمایا ہے لیکن وہ سات قصے جو شاہزادیوں نے کہے ہیں وہ دونوں کتابوں میں جدا جدا ہیں۔

خسرو کے قصص سب اون کی قوت متخیلہ کے نتیجے ہیں۔ قصے فرضی ہیں لیکن اسلوب بیان ایسا ہے جس سے فرضی واقعی معلوم ہوتا ہے برخلاف اسکے مولانا نظامی کے یہاں اسرائیلیات بھی داخل ہیں جن کے ہونے سے نہونا اچھا تھا۔

مولانا نظامی کے یہاں اثنائے قصے میں نصائح کا سلسلہ بھی آجاتا ہے جس سے کہیں کہیں داستان کا تسلسل جاتا رہتا ہے لیکن خسرو کے یہاں کوئی ایسا مضمون بیچ میں نہیں آتا ہے جس سے تسلسل میں کہیں بھی ربط جاتا رہے

داستان گوئی بجائے خود ایک بڑا فن ہے لیکن ہر عہد میں اس کا خاص طریقہ رہا ہے اوس زمانے میں اکثر قصے طلسم و جادو و دیگر وہمیات سے کامل ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے میں قصہ و داستان کا جو مذاق ہے اوس کو اب سے چھ سو برس قبل تلاش کرنا فضول ہے یہ تو اپنے اپنے زمانے کا مذاق ہی اوس عہد اور اوس دور ایّام میں قصص جسقدر محال و دور از عقل ہوتے سامع کی دلچسپی اوسی قدر زیادہ ہوتی۔

ہفت پیکر کے قصص اسرائیلیات کے سوا جو ہیں اوس عہد کی قصہ خوانی کے وہ صحیح نمونے ہیں خسرو علیہ الرحمۃ نے ہشت بہشت کے قصص کو دائرہ امکان میں لانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ قصے ایسے دلچسپ لکھے ہیں اور جزئی سے جزئی باتوں کو بھی اس تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ قصے جیسے کہ خسرو کے زمانہ سے میں دلچسپ تھے آج بھی اون کی وہی دلچسپی ہے۔

ہشت بہشت کے بعض قصے مغرب کے داستان نگاروں نے بھی پسند کئے اور اون کا ترجمہ انگریزی میں شائع کیا مثلاً بہشت دوم کا جو قصہ ہے وہ انگریزی فسانوں میں بھی موجود ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح

خسرو کی شاعری بلند پایہ رکھتی ہے اوسی طرح داستان نگاری اور اُنکی تکمیل و ترتیب میں بھی اونھیں کمال ہے۔

حمد باری تعالیٰ کی حمد میں شاعر عموماً اسماے حسنیٰ اور صفات الٰہیہ کی توضیح کیا کرتا ہے۔ اپنی قوت شاعری سے مضمون کو پھیلا کر اور طرح طرح کے نکات بیان کر کے داد سخن دیتا ہے۔ اب خوبی و کمال اس میں یہ ہے کہ حمد کا مضمون صفائی و چستی کے ساتھ اِس طرح بیان کیا جائے کہ قریب الفہم ہو اور سخن گذاری کا پیرایہ موثر ہو۔ ساتھ ہی اس کے کوئی تلمیح یا نکتہ تعلیمیہ لکھکر اہل علم کے لیے ضیافت کا خوان بچھایا جائے تو نورٌ علیٰ نور۔

قدرت کا بیان

اِس وقت مثنوی مذکور کی حمد میں سے اسی قسم کے چند اشعار لیکر اون کی توضیح کی جاتی ہے خسرو اوس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں؎

ہر چہ نتواں ز پادشاہی کرد　　　کرد بی مسکنی و خواہی کرد

سطوت و جلالت قوت و طاقت شاہی سب کو معلوم ہے۔ ان چیزوں کا ایک ناقص و ادنیٰ نمونہ جب چند دنوں کے لیے کسی کو سلطان ذیجاہ بناتا ہے تو تنگ ظرفی کے سبب کاسۂ پر غرور میں ایسا سودا سما جاتا ہے کہ دائرہ امکان و حدوث سے قدم باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیگر ابناے آدم اپنے ضعف و کمزوری سے اوس کے غرور و پندار کو امر واقعی تسلیم کر کے اوس خیال باطل کو اور بھی راسخ

کر دیتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے اور واقعات اِس وقت تک اوس کی تصدیق کرتے ہیں کہ تھوڑیسی قوت وقدرت جہاں انسان کو عطا ہوئی بس اوس نے خدائی کا دعویٰ کرکے اَنَا رَبُّکُمُ الاعلیٰ کا علم بلند کیا۔ رعایا و برایا اپنی بدعقلی وکم فہمی کا ثبوت دیتے ہوے اوس کی خدائی کا اقرار کرنے والے بھی ہوئے۔

عہد عتیق میں نمرود کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے مناظرہ کرنا اس کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ احیا و امانت کی حقیقت سے ناآشنا و جاہل اپنے زعم باطل کے بموجب کہہ ہی اوٹھا کہ اَنَا اُحۡیٖ وَ اُمِیۡتُ حضرت ابراہیم خلیل نے بحث کا پہلو بدلکر یوں تقریر فرمائی اِنَّ اللّٰہَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِہَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُہِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ یعنی اللہ تعالیٰ سورج کو پورب سے نکالا کرتا ہے تو اوسے پچھم سے نکال۔ اِس کا معارضہ وہ نہ کرسکا اور مبہوت ہوکر رہگیا۔

اگر خسرو اللہ تعالیٰ کے اوصاف بادشاہی کو پورے زور کے ساتھ چند ابیات میں بیان بھی کرتے تو یہ شان ظاہر نہو سکتی تھی۔ اور منکر کو بھی کج بحثی کا موقع رہ سکتا تھا اب اس ایک شعر کی بلاغت قابل ہزار داد ہے۔ کس خوبی سے نمرود کے پورے واقعہ کی تلمیح موجود ہے اور کیسی مسکت دلیل سے مخلوق پرستوں کی لب بندی کی ہے سلطنت کی قوت وقدرت تسلیم کرتے ہوے اوس کی بیمقداری اور ایک محدود دائرہ تک محدود زمانہ کے لئے اوس کا اثر کس طرح ثابت کیا ہے۔ اوس پر ایک چھوٹے سے مصرعہ "کردی ومیکنی وخواہی کرد" نے ازمنہ ثلثہ کا احاطہ کرکے ازل سے ابد

تک اوس کی قدرت کا اظہار کر دیا جس کا دعویٰ تو کسی سے ہو بھی نہیں سکتا۔

کمال صنعت

حرف انگشت چوں زنقت بہشت　　　کس بحرف تو چوں نہد انگشت

وسوسہ شیطانی منکرالہ سے صنعت باری میں عیب جوئی کرانا چاہتا ہے۔ خسرو نے ایک ہی دلپذیر شعر میں یہ بتا دیا ہے کہ جن قوا و اعضا سے کہ تم اس بے ادبی کا ارتکاب کیا چاہتے ہو وہ بھی اوسی کی مخلوق ہے۔ اُسی کے حکم نے ایک مدت معینہ تک اون کو تمہارا مطیع بنا رکھا ہے جن انگلیوں سے اپنے زعم باطل میں تم اوس کے عیوب کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہو آخر یہ تمہاری مخلوق و پیدا کردہ تو ہیں نہیں ان میں احساس و حرکت کی قوت تمہاری خلق کردہ تو ہے نہیں پھر ایسا کرنا کیا سخت کفران نعمت نہو گا۔ کمال صنعت الٰہی کے بیان کرنے کا کیسا موثر پیرایہ ہے۔

ایجاد و انعدام

تو نگاری زخاک صورت پاک　　　تو توانیش باز کردن خاک

صانع کا کمال یہ ہے کہ جس طرح بنانے پر قادر ہو اوسی طرح بگاڑنے پر بھی قدرت رکھتا ہو۔ یوں تو اس عالم کون و فساد میں پہاڑ سورج چاند وغیرہ بہت سی بڑی بڑی چیزیں ہیں جن کے متعلق قدرت کا اظہار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان چیزوں کا نیست کرنا جب ہو گا تب ہو گا۔ یہ چیزیں کن کن عناصر سے مرکب ہو کر رونق

بخش عالم ہوئی ہیں یہ تحقیق جب ہو گی تب ہو گی۔ مگر خاک سے پاکیزہ صورتوں کا
پیدا ہونا اور چند روز تک اپنی بہار دکھا کر ایک غیر محسوس طریق پر نیست ہو جانا تو
رات دن کا مشاہدہ ہے اور یہ عبرت کے لئے زود اثر ہے باعتبار دور کی چیزوں
کے۔ اپنے اور اپنے سے قریب کی چیزوں میں غور و فکر کرنا زیادہ مناسب ہے ۵

احسان مانو حسن خداداد کا بتو   پتھر تھے تمکو شیشے سے نازک بنا دیا

وفی انفسکم افلا تبصرون انسان کی پیدایش خاک سے ہے۔ گل بوٹے بھی خاک
ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ سے کچھ ہو کر پھر خاک ہو جاتے ہیں۔ قیاس خطابی کا
ایک عظیم دفتر صرف ایک شعر میں موجود ہے۔ نبات حیوان انسان ان کی
بدایۃ ونہایۃ ان کا عروج ونزول ان کا عود الی المرجع ذرا چشم بصیرت سے اگر
مطالعہ کیا جاوے اور پھر یہ شعر پڑھا جاوے تو شاعر کی قادر الکلامی کا پورا لطف حاصل ہو

ترغیب طاعت اور انعام الٰہی

بندگاں را زبندگی شب و روز   خواجگی بخش و بندگی آموز

بندگی سے خواجگی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے اس کو تو وہی سمجھیگا جس نے عبودیت
کا مزہ چکھا ہو گا ۵

دو کارست با فرو فرخندگی   خداوندی از تو زما بندگی

خسرو نے اس شعر میں بندگی و عبادت کی ترغیب جس دل آویز پیرایہ میں
بیان کی ہے اوس کا لطف تو ارباب ذوق سلیم ہی پا سکتے ہیں۔ لیکن الفاظ

جہاں تک مدد کر سکتے ہیں وہ گزارش ہے۔ غور کیجئے وہ کونسا دل ہے جس میں
خواجگی وسرداری کی تمنا نہیں۔ انسان تمام عمر جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں
وپریشان رہتا ہے وہ یہی خواجگی ہے اور غلط راہ روی کے سبب سے اکثر
وبیشتر فرزند آدم صحیح معنوں میں خواجگی پانے سے محروم رہے اور رہتے ہیں
پس امیر صاحب کا حمد میں یہ فرمانا کہ یہ بھی تیری شان کریمی کا صدقہ ہے جو
بندوں کو بندگی سکھا کر تو خواجگی بخشتا ہے۔ جہاں ایک پاکیزہ الفاظ میں حمد
الہٰی و ذکر نعمت جلیلہ ہے اوسی کے ضمن میں بندوں کو بندگی کی رغبت اور صحیح
راہ خواجگی کی طرف رہبری بھی ہے ؎

خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد ۔۔۔ کہ بستگان کمند تو رستگارانند

نعت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں شعرائے عجیب وغریب
لطائف پیدا کئے ہیں۔ آپ کے معجزات آپ کے فضائل وکمالات کا شاعرانہ
انداز سے بیان کرنا ہر ایک سخنور کے لئے تاج کرامت رہا ہے۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ
نے اس میں بھی جو جدّت پیدا کی ہے وہ تمام متاخرین کے گلدستہ نعت میں
گل سرسبد ہے۔ چند اشعار اس کے ملاحظہ ہوں۔

میم کا نکتہ

میم احمد کہ در احد غرق ست ۔۔۔ کمر خدمت از پئے فرق ست

احمد اندر احد کمر بند ست ۔۔۔ یعنی ایں بندہ آں خداوند ست

احمدؐ یا محمدؐ صلی اللہ وآلہ وسلم کی میم سے شاعروں نے بعد امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے طرح طرح کے نکات پیدا کئے۔ جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

محمدؐ کش قلم چون نامور ساخت — زمیمش حلقۂ طوق وکمر ساخت

خود امیر صاحب دوسری جگہہ ایک اور طرز سے نکتہ سرا ہوئے ہیں ؎

میم احمدؐ را گزیدہ بعد ازاں — خاتم مہر نبوّت ساختہ

ان سب نکات سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرداری وسروری کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے لیکن یہ نکتہ کہ آپ بندہ ہیں اس کی طرف یہ میم کیونکر اشارہ کرتی ہے اس کو امیر صاحب نے دکھایا ؎

تہی دست سلطان پشمینہ پوش — گدائی خرو بادشائی فروش

جس طرح خسرو سے پیشتر کسی شاعر نے میم کے نکتہ کو بیان نہ کیا۔ اوسی طرح امیر صاحب سے بعد کے شعرا اس سے بہتر یا اس کے برابر نکتہ پیدا نہ کر سکے۔

انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری

پایۂ قدرش آسمان پیوند — سایۂ نورش آفتاب بلند

ایک حدیث شریف میں وارد ہے لَمْ یَکُنْ لَہٗ ظِلٌّ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ دوسری حدیث حضرت جابر سے یوں منقول ہے یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ قَبْلَ کُلِّ الْاَشْیَاءِ یعنی مرتبہ ایجاد میں اولیت نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اور تیسری حدیث اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ

نُوری یعنی میں نورالٰہی سے منوّر ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے مستنیر ہے ان حدیثوں کی تلمیح اس شعر میں جس طرح واقع ہوئی ہے وہ امیر صاحب کے صاحب فن ہونے کی دلیل ہے۔ مطلب شعر کا نہایت واضح ہے کہ آفتاب وغیرہ جتنی منور اشیا ہیں سب آپ کی ذات پرانوار سے اکتساب ضیا کرتے ہیں ؎

اوست خور و صبح وبیست آفتاب　　　صبح زخورشید بود نوریاب

اس بنا بر آفتاب آپ کے نور کا سایہ ٹھیرا۔ توجب سایہ آفتاب کے نور سے پیدا ہوتا ہے اور آفتاب خود سایہ آپ کے نور کا ہے تو آپ کا سایہ کہاں سے آئے آفتاب بلند میں ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ ہر چیز کا سایہ زمین پر گرتا ہے لیکن آپ کا سایہ اوپر ہے پس اوس کو کوئی زمین پر کیونکر دیکھے۔ اس سے ایک لطیف اشارہ علو مرتبۂ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہے یعنی اگر آپ کا سایہ دیکھنا چاہتے ہو تو نظر کو بلند کرو۔ جب فلک چہارم تک نظر کی رسائی ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھنے میں آئے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ آفتاب باوجود اس کے کہ فلک چہارم پر ہے لیکن اپنی روشنی وگرمی سے عالم سفلی کو فیض پہونچا رہا ہے۔ اسی طرح وہ ذات گرامی باوجود اوس شان وعظمت کے جو خالق نے اوسے عطا فرمائی ہے تمام عالم علوی وسفلی کو جو اوس سے بدرجہا اودن وپست ہیں نعمتوں سے مالا مال فرما رہی ہے۔

ہستی از وے علم برآوردہ　　　　او تفاخر بہ نیستی کردہ

نعت میں اس شعر کا خسرو علیہ الرحمۃ کے قلم سے نکلنا مبدء فیاض کے فیض خاص کا نتیجہ ہے۔ فی الحقیقت کمال بندگی یہی ہے کہ بندہ اپنے کو معبود حقیقی کے مقابل میں نیست سمجھے۔

ع باوجودت زمن آواز نیاید کہ منم۔ اور کمال عشق بھی یہی ہے کہ عاشق معشوق کے مقابل میں فنا ہو جائے ع زندہ معشوق ست عاشق مردۂ۔ پس بفحوائے لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ اگرچہ باعث وجود کل کائنات آپ ہی ٹھیرے لیکن چونکہ آپ کا دنیا میں تشریف لانا رشتۂ عبدیت و معبودیت کو صحیح اور سچے طریقہ سے جوڑنا تھا اور عبدیت اوس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک فنائے کلی کا مرتبہ حاصل نہو۔ ان باتوں کا لحاظ کرتے ہوے، امیر صاحب کا نعت میں یہ فرمانا کہ "او تفاخر بہ نیستی کردہ" کیسا بلیغ و پر معنی مصرعہ ہے۔ صاحب معرفت کے لئے دوسرا نکتہ یہ بھی ہے کہ اعلیٰ مرتبہ اوسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ مرتبہ ادنیٰ فنا ہو جائے۔ مثلاً علقہ یعنی وہ کیڑا جس سے انسان پیدا ہوتا ہے اوس کی اپنی صورت نوعیہ جب فنا ہوئی تو اوس سے ایک اعلیٰ صورت انسانی کا اوسپر فیضان ہوا طفل شیر خوار کا ہر روزہ نمو اسی کا مشعر ہے۔ کہ ادون کے فنا سے اعلیٰ کا حصول ہے

پس درآور کارگہ یعنی عدم　　　　تا بہ بینی صنع و صانع را بہم

اس لئے وجہ تفاخر ظاہر۔ لیکن یہ ایک صوفیانہ رمز ہے۔ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جسے شیخ نے فنا کے مراتب طے کرا کے نیست و نیستی کی لذت سے آشنا کیا ہو فتدبر و تشکر۔

منقبت اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین

دوستانِ دگر کزاں جمعند صبح را نور و شام را شمعند

صبح کی روشنی آفتاب سے ہے۔ اس لئے اصحاب رضی اللہ عنہم آفتاب ٹھیرے۔ صبح کے لئے نور اور شام کے لئے شمع مناسب رعایت ہے اس منقبت میں نکتہ یہ ہے کہ دن کا وقت کاروبار کے لئے ہے اور رات کا وقت عبادت کے لئے زیادہ مناسب کیونکہ یکسوئی خوب ہوتی ہے۔ پس امت دن کو کاروبار میں اور رات کو عبادت میں اون سے ہدایت پاتی ہے۔ دین و دنیا کے لئے اصحاب کا مقتدا ہونا رات دن کی رونق بلکہ اُن کے بقاے وجود کا سبب اون نفوس قدسیہ کے فیضان کو قرار دینا اصحاب کی عظمت اور تعلیم محمدی کی جامعیت و اہمیت کو بتاتا ہے۔ صرف ایک شعر میں اصحاب کرام کی سیر کن منقبت لکھنا امیر صاحب ہی کا کام ہے۔

مدح شیخ طریقت

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ میں جو حق شناسی و سپاس گذاری کا جوہر ودیعت کیا گیا تھا اوس کی چمک آپ کی تصانیف میں لعلِ شب چراغ ہے اسی بنا پر آپ کی مثنویوں میں ایک عنوان مستقل مدح شیخ طریقت کا ہر مثنوی نگار سے زیادہ ہے جس سے مقصود اظہار امتنان

وتشکّر ہے۔

پیر کی مدح میں فرطِ محبت دائرہ اعتدال سے اکثر کو باہر کر دیتی ہے۔ مناقب و مدائح کا مطالعہ کرو تو اکثر ایسا پاؤگے کہ اگر ممدوح کا نام نہ لیا جاے تو مناقب کبھی تو نعت سے اور کبھی حمد سے ٹکر کھا جاتے ہیں بادشاہوں کی مدح میں رؤسا و اراکین دولت کی شان میں جو قصائد لکھے گئے ہیں اور خاصکر متاخرین کے قصائد اُن میں اسی سقم نے کلام کو بے جان کر دیا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ میں یہ کمال ہے کہ اون کی طبع سلیم سرمو دائرہ ادب سے تجاوز نہیں کرتی جیساکہ حمد نعت منقبت ہر ایک کے لئے الفاظ خاص ہیں اور ہر ایک کے مراتب خاص ویساہی اس کا نمایاں فرق کلام خسرو کی ممتاز خصوصیت ہے اور یہی بیان کا کمال ہے ورنہ اگر خصوصیت اوٹھا دی جاے تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے۔ غرض شیخ طریقت کی مدح میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ حفظ مراتب کا بے مثل درس ہے اور کمال ولایت کا اظہار جن اوصاف سے کیا ہے وہ ولی شناسی کا حقیقی و صحیح معیار ۔ تمہید منقبت کو دیکھو کس طرح ادب سے مزیّن ہے ؎

چوں من از خوانِ نعتِ خواجۂ خویش	نعمتِ تازہ یافتم در پیش
زلہ کردم ازاں رقاقے چند	تا کنم توشۂ ابد پیوند
گندمی بود زلہ آدم را	خوانچہ نیز پورِ مریم را
زلۂ کز رسولِ والا بود	نہ کم از آدم و مسیحا بود

کنم اکنوں ازاں نعیمِ جلال | خوانچہ مدحِ شیخ مالا مال

تمہید میں پاسِ ادب دیکھ چکے۔ اب بیان مدح میں ایک ولی کی کس کمال پر مدح ہوسکتی ہے اس کو ان مدحیہ اشعار میں دیکھو۔

رہنما کی تعریف اور وصی کی شناخت

غوث عالم نظام ملّت و دیں | قطب ہفت آسمان و ہفت زمیں

رہبرِ پیش بیں محمد نام | زدہ پے بر پۓ محمد گام

پاک روح اللہی بدینِ قوی | زندہ دار شریعت نبوی

سبحان اللہ وجزاہ اللہ اپنے قلم میں وہ قوت کہاں سے لاؤں جس سے ان اشعار کی خوبی اس طرح صفحہ قرطاس پر کھنچ جاے کہ محاسن کا ہر خط وخال سامنے آجائے بہرحال دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ کمال رہبری کا کیسا اظہار کرتا ہے ارباب عقل کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ رہبر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ باکمال جسے منزل مقصود کی راہیں معلوم دشواریوں پر اطلاع خطرات ومہالک سے واقفیت اون تدابیر کا عالم جن سے خطرات وموانع کا اثر نہ آنے پاے ایسا رہبر اپنے علم وبصیرت سے رہبری کرتا ہوا خطرات ومہالک سے بچاتا ہوا موانع کو ہٹاتا ہوا اپنے پیچھے آنے والوں کو سلامتی کے ساتھ اونکے مقاصد تک پہونچا دیتا ہے۔ جیسا ایک ماہر ناخدا۔ کہ وہ سمندر کی راہوں سے واقف مقام خطر سے آگاہ۔ مہالک سے بچ کر نکل جانے کی اوسے سبیل معلوم۔

دوسرا وہ ناقص رہبر جسے نہ راہ معلوم نہ خطرات کا علم لیکن ہر طرح کے خطرات پر غالب آنے کی قوت اوسے حاصل۔

تیسرا وہ مدعی باطل کہ نہ راہ کی خبر نہ دشواریوں کا علم نہ اون کے اندفاع کی قدرت نہ مقصد کا تعین۔

ان اقسام ثلثہ کو مدنظر رکھتے ہوے اس مصرعہ کو پھر پڑھو۔ ع

رہبر پیش بیں محمدؐ نام

رہبر کی صفت پیش بیں کیسی واقع ہوئی ہے اور منازل سلوک طے کرانے پر اوس کی کیسی قوت کا اظہار ہے اب دوسرا مصرعہ پڑھو جس سے یہ معلوم ہوجاے گا کہ یہ صفت اوس رہبر کو کیونکر حاصل ہوئی۔ اور اوس کی رہبری حتمی منزلِ رساں کیوں ہے۔ ع

زن پے برپے محمدؐ گام

جس کا قدم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہو اوس کی رہبری حتمی منزل رساں کیوں نہو۔

اب تیسرے شعر کو دیکھیے جس حدیث کی تلمیح ہے اوس کے بیان کا کہاں موقع ہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ حقیقی تصوف اور صحیح فقر مغز شریعت سے لذت آشنا ہونا اور سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیکر مجسم بن جانا ہے اُمّت کا کمال ہی یہ ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوس کا شعار و دثار

بن جائے جسقدر امت کا اتباع کامل اوسی قدر اوس کی توحید مضبوط مفہوم الوہیت صحیح عرفان کامل۔ حق جل مجدہ کی محبت سچی و واقعی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

مثنوی نگار کا یہ کمال ہے کہ جس شے کی تعریف کر رہا ہو اس کے بیان وصف کرنے کیلئے ایسے الفاظ لائے جو اوس کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں اور یہ اوس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک بیان کرنے والے کا علم خود اوس کے تمام رموز و نکات سے آشنا نہو۔

یہ کمال خسرو علیہ الرحمۃ کے بیان میں ہر جگہہ نمایاں پاؤ گے جس کی ایک کھلی مثال اشعار مذکورہ ہیں۔

کیمیا سنج کورۂ مقصود   کردہ حل جملہ نقد ہائے وجود
دلش از عشق خون و دیدہ پر آب   ایں ست کبریت احمر آں سیماب

کمال عشق اور قوت تکمیل

سالک کا سلوک ابتدا میں لازم ہوتا ہے پھر ایک مقام و وقت ایسا آتا ہے جہاں پہونچکر وہ اپنے منازل عروج بھی طے کرتا رہتا ہے اور دوسروں کی بھی دستگیری و رہبری کرتا ہے یعنی اپنی ذات سے کامل اور دوسروں کے لئے مکمل۔ جیسا کہ علوم متداولہ پڑھنے والے ابتدا میں پڑھنا شروع کرتے ہیں اور پھر ایک خاص استعداد علمیہ جسے فراغ تحصیل سے تعبیر کیا جاتا ہے جب انھیں

حاصل ہو جاتی ہے تو اپنی تحصیل و ترقی کے ساتھ دوسروں کے جہل مٹانے اور
اُنپر نقش علم جمانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

ان اشعار میں شیخ کے وجود کو کامل و مکمل جن بلیغ استعاروں میں کہا ہے اوس
پر غور کرو تو لذت عشق مزہ دے جائے گی۔ کورۂ مقصود کا کیمیا سنج کہنا کیسا نادر
نکتہ ہے۔ کیمیا گر کیا کرتا ہے مس یعنی تانبا لیتا ہے اوس کو صاف کرتا اور گلاتا ہے
جب اوس کے کثیف وردی اجزا گل کر خاکستر ہو جاتے ہیں اور قابلیت طلا کی
طرف مستحل ہونے کی پیدا ہو جاتی ہے تو اُس وقت اجزاے کیمیاوی ڈال کر
کندن بنا دیتا ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ اپنے پیر دستگیر شیخ طریقت (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کے
کامل و مکمل ہونے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ مقاصد میں جو اعراض فاسدہ
و ہواے نفسانیہ کی آمیزش ہو گئی ہے جس سے حقیقی مقصد نہاں ہو گیا ہے
اور جس تک پہونچنا اصل کمال ہے یہ مجسمۂ کمال و تکمیل پہلے اوسے غل و غش
سے پاک کرتا ہے یہاں تک کہ مقصد حقیقی کی دلکش تصویر متعین و مشہود
ہو جاتی ہے۔ اب کہ اوس میں قابلیت پیدا ہو جاتی ہے تو اجزاے کیمیاوی
کبریت احمر اور سیماب جو اوس کے پاس ہیں اون کا ایک ذرہ اوس میں ڈالکر
خالص طلا بنا دیتا ہے۔

اِس کیمیا سنجی کے لئے جسے اجزاے کیمیاوی قرار دیا ہے اوس کی خوبی ایک

اہل دل ہی سمجھ سکتا ہے کبریت احمر یعنی گوگرد سرخ طلا کے لئے اکسیر ہے اسی طرح عشق حقیقی عاشق کی روحی ترقیات کے لئے اکسیر ہے علاوہ اس کے عشق کی آگ مشہور ہے خود گوگرد بھی آتش انگیز چیز ہے پس جو دل کہ عشق کے باعث خون ہوگیا ہی اوس کی تشبیہ بعبارت صوری ومعنوی کبریت احمر کے ساتھ نہایت نادر تشبیہ ہے۔ دوسری تشبیہ اس شعر میں اشک کی سیماب سے ہے اشک کو قرار نہیں ہوتا ار دو کو تو رک نہیں سکتا ع

ابھی روکا تھا ان اشکوں کو پھر باہر نکل آئے

سیماب کی بے قراری ضرب المثل ہے نیز کشتۂ سیماب اکسیر ہے عشق کی رعایت سے اوس کے سب لوازم جمع ہو گئے کیمیاگری کا بھی نسخہ ہاتھ آگیا عشق الٰہی سے دلکو سوختہ کرو کیمیا کا یہ بے خطا نسخہ ہے ؎

سیماب کشتہ ہوئے تو مس کو طلا کرے	دل جس کا کشتہ ہو وہ خدا جانے کیا کرے

براداران طریقت کی مدح

داں مریدانِ رہروانِ یقیں	ہر یکے والئے ولایتِ دیں
ہمہ شیطاں کش و فرشتہ خدم	در رہش بر ہوا نہادہ قدم
زندہ دارِ شب از دمِ تسبیح	غلغل افگندہ در روانِ مسیح
ہر سواز شینِ شرع ساختہ تاج	دلِ شاں عرش وسجدہ شاں معراج

ان اشعار میں اپنے براداران طریقت کی خسرو علیہ الرحمۃ نے مدح فرمائی ہی جو بالواسطہ

شیخ کی ہی مدح ہے۔ مرید کا کمال شیخ کے اثر فیض کا نتیجہ ہے پھر جس کمال کا اظہار ہے وہ وہی عبودیت شریعت کی پابندی، راتوں کی بیداری سجدہ میں نیازمندی وخاکساری۔ آخر شعر میں ان دو حدیثوں کی تلمیح ہے قلب المومن عرش اللہ اور الصّلوٰۃ معراج المومنین۔

شیخ کی مدح ختم ہوئی خاتمہ پر جس تذلل وعجز کا اظہار مخلصانہ دعا میں فرمایا ہے وہ خاکساری وشکستگی، باہمی مودت واتحاد قلبی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

دعا اور باہمی اتحاد

ملکِ وحدت بنامِ ایشان ست — بندہ خسرو غلامِ ایشان ست

نامِ من زاں ستودہ کیشان باد — حشرِ من درمیانِ ایشان باد

نصیحت سلطان علاء الدین خلجی

شعرا نے اپنے اپنے بادشاہ وقت کو نصیحت کی ہے خسرو نے بھی نصیحت کی ہے لیکن علاوہ اور نصیحتوں کے امیر خسرو نے بادشاہ وقت کو خود اس کے نفس سے ڈرایا ہے اور یہ ایک عجیب جامع و نادر نصیحت ہے شعرا عموماً بادشاہوں کو دشمنوں کے غلبہ سے مظلوموں کی آہ سے پرہیزگاروں کی بددعا سے غرور وتکبر کے نتائج بد اور رازیں قبیل اور بابوں سے ڈراتے ہیں۔ شاہان سلف کے حالات سے عبرت گیری کی نصیحت کرتے ہیں لیکن یہ نصیحت کہ محافظ وپاسبان تو روپے کے بندے ہیں تم ہوشیاری کو اپنا پاسبان بناؤ اور آپ اپنے محافظ رہو کہ یہی بہترین حفاظت ہے۔ تمہاری

غفلت سے بڑھ کر کوئی تمہارا دشمن نہیں۔ اس کو وضاحت کے ساتھ خسرو نے بیان کیا ہے۔ امیر خسرو نے دیکھا کہ عیش و تنعم میں پڑ کر جو غفلت پیدا ہوتی ہے یہی بد ترین دشمن زوال سلطنت کا اصل باعث ہے۔ بادشاہ اگر غافل نہو تو پھر نہ مظلوموں کی آہ ہے نہ ابرار کی بددعا۔ اِس لئے بادشاہ کو اس اہم نکتہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں ؎

ورچہ کس نیست دشمنِ تنِ تو — غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو
ورچہ صد پاسباں بود زپس — پاسِ تو بہ ز تو ندارد کس
برچنیں پایہ کاستواریِ تست — پاسبانِ تو ہوشیاری تست
پاسبانیکہ بہر مزد بود — پاسبان نے کہ سیم دزد بود

بادشاہ میں اگر دو صفتیں ہوں تو قیام سلطنت کے لئے کافی ہیں یعنی عدل اور شجاعت۔ عدل کو تو جیسا چاہیئے اوروں نے بھی بیان کیا ہے لیکن بزدلی کے نتیجہ کو دکھا کر شجاعت کی ترغیب امیر خسرو جس خوش اسلوبی سے دیتے ہیں ملاحظہ ہو ؎

چوں درآئی بصفتِ تیغ زناں — از تزلزل کشیدہ دار عناں
لشکرے کز عدو فرار کند — چوں بسلطاں رسد فرار کند
لیکن ار شہ نعوذ باللہ تافت — کے فراہم شود صفے کہ شگافت
شاہ کوہے بود بسنگِ وقار — جنبشِ او قیامت آرد بار

آخر شعر میں اس نکتہ کو بھی ملاحظہ کیجئے کہ بادشاہ جب کوہ ہے اور میدان جنگ سے اوس کا بھاگنا قیامت تو قیامت کے روز جو کوہ کا حال ہوگا وہ معلوم ہے۔ جو نصیحتیں کہ خسرو نے علاءالدین کو کی ہیں اور جس بے جگری سے کی ہیں وہ خسرو کی حقانیت کا عجیب نمونہ ہیں علاءالدین خلجی کا عہد تاریخ میں پڑھو تو تمہیں معلوم ہو کہ کس جبروت کی یہ سلطنت کرتا تھا۔ یہ خسرو ہی کا کام ہے جنہوں نے ہر مثنوی میں نصیحت کی ہے اور اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ علاءالدین کی بدمستی کا ایک نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مغلوں کی شکست اور ظفر خاں کی موت علاءالدین کے لئے بہت ہی ازدیاد مسرت کا باعث ہوئی۔ مزید برآں مہمات ملکی تو بر تو بادشاہ کے حسب مراد ہونے لگیں جس سے علاءالدین آپے میں نہ رہا دیکھتا تھا کہ اقبال بڑھ بڑھ کر اوس کے قدم لے رہا ہے ہر طرف سے فتح نامے آرہے ہیں ہر سال دو تین بیٹے مشکوئے معلّی میں پیدا ہوتے ہیں سارے مصالح ملکی دل کے حسب خواہش سرانجام پا رہے ہیں خزانے ہیں کہ پے درپے پہونچ رہے ہیں روزانہ جواہر و مروارید طبلوں میں بھرے جا رہے ہیں فیل خانوں میں ہاتھی کھڑے جھوم رہے ہیں ستّر ہزار گھوڑے شہر کی پایے گاہ میں بندھے ہنہنا رہے ہیں ایک چھوڑ دو دو تین تین اقلیمیں زیر قدم ہیں۔

بادشاہ اس جاہ و حشم کو دیکھ دیکھ مست ہو رہا تھا۔ دور دور کی سوجھنے لگی تھی

اور نئی نئی تمنائیں بیچین کرنے لگی تھیں۔ ایسے ایسے سودے پکانے لگا جو کبھی کسی سلطان کے دماغ میں ہرگز نہ سمائے تھے۔ نہایت مستی و بےخبری و غایت رعونت و غفلت اور کثرت جہل و بلادت سے دست و پا گم کرکے ناممکنات و محالات میں اندیشہ کرنے لگا ؎

دیکھنا کثرت بلا نوشی		کاسۂ آسماں ہے جام مرا

بے علم تو تھا ہی نہ لکھنا جانے نہ پڑھنا۔ مزاج کا بھی بدخو۔ طبیعت کا بھی سخت دل کا بھی قسی جون جون دنیا زیادہ ملتی جاتی تھی اور مقصد برآتے تھے وہ اور بھی بےخبر اور مدہوش ہوتا جاتا تھا خدا اور رسول سب کو بھول بیٹھا ؎

بام فلک پہ آدم خاکی کو لے اُڑا		آیا کبھی جو ران تلے بادپائے عیش

اپنی مجلسوں میں باربار کہنے لگا کہ مجھے دو مہمیں پیش آئی ہیں اون کی اودھیڑبن میں لگا ہوا ہوں اوّل یہ کہ خداوند تعالیٰ نے جس طور سے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو چار یار دیے تھے کہ اون کی قوت و شوکت سے وہ دین و شریعت جاری ہوئی جس سے آپ کا نام نامی قیامت تک باقی رہے گا۔ اور آپ کے بعد جو شخص اپنے کو مسلمان کہتا اور سمجھتا ہے وہ اپنے کو آپ کی اُمّت و ملّت میں تصوّر کرتا ہے اوسی طور سے اللہ تعالیٰ نے مجھکو بھی چار یار دیے ہیں ایک الغ خاں دوسرا ظفر خاں، تیسرا نصرت خاں، چوتھا الپ خاں۔ ان کو میری دولت سے بادشاہوں جیسی قوت و شوکت میسر ہوئی ہے اور یہ ایسے ہیں کہ اگر میں چاہوں

ان چاروں کی قوت سے ایک دوسرا دین و مذہب جاری کر سکتا ہوں اور میری اور میرے یاروں کی تلوار کے زور سے خلق وہ راہِ روش جس کو میں جاری کروں اختیار کر سکتی ہے۔ اور اس دین و مذہب سے میرے اور میرے یاروں کے نام جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے یاروں کے نام قیامت تک رہینگے رہ سکتے ہیں۔ پھر کیوں نہیں میں بھی ایک دین و مذہب نیا قایم کروں۔ غرض قیامت تک اپنا نام باقی رکھنے کے لیے اسی طرح کے خیالات کفریہ اسکے دماغ میں چکر لگاتے اور حضار مجلس سے پوچھا کرتا کہ کس طرح سے ایسی بات کروں جس سے میرا نام قیامت تک رہ جائے اور جس چیز کو میں جاری کر جاؤں میرے بعد بھی خلق اُس پر معمول رہے دوسری مہم اس کی یہ تھی کہ سکندر وار جہانگیری کروں و ربع مسکوں کو اپنے تصرف میں لے آوں

وہ بات کر جو کبھی آسماں سے ہو نہ سکے ستم کیا تو بڑا تو نے افتخار کیا

دوسری مہم کا دیباچہ تو شروع بھی کر دیا تھا اپنے کو خطبہ و سکہ میں سکندر ثانی لکھوانے لگا تھا

بخت پرنخوت نہ کر اس کا نہیں کچھ اعتبار چار دن مہماں ہے دورِ قسمرِ میں چاندنی

اب ناظرین خود بھی غور کرلیں کہ ایسے بادشاہ کو دینداری، مسکیں نوازی، ضعفا پروری، عدل گستری کی نصیحت کرنی خدا کا خوف دلانا، قیامت کی بازپرس کی طرف متوجہ کرنا کیا آسان ہے؟ اور طرفہ یہ کہ اُسی بادشاہ کی سرکار میں جب کہ بحیثیت ملازم ہوں لیکن بادشاہوں کو نصیحت کرنی جس قدر خطرناک ہے وہ ظاہر ہے۔ ایاز قدر خود بشناس اِس لیے آخر میں فرماتے ہیں ؎

من کیم کت زنم ز پند نفس دولت و بخت پند گوے تو بس

ہست بیدار کردنِ بیدار | ہمچو باراں برُوئے دریا بار
نسزد چرب کردنِ بادام | نہ حلاوت بشیرہ دادنِ خام
لیکن آرد بحضرتِ شاہی | ہر کسے قدرِ خود ہوا خواہی
گر پذیری فزاحبت احسان ست | ور گزاری خود از در آسان ست

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آپ کو نصیحت کرنی حکمت بہ لقمان آموختن ہے۔ لیکن خیر خواہی سلطنت کی راہ سے میں نے اپنی عقل کے مطابق تحفۂ ناچیز پیش کیا ہے۔ آپ کریم ہیں قبول فرمائیں نصیحت کے وقت مخاطب کے اوصاف کا بھی اعتراف کرنا اور یہ کہنا کہ آپ خود عاقل و فرزانہ ہیں۔ ہماری نصیحت کی ضرورت نہیں۔ میں تو ایک مختصر تحفہ پیش کرتا ہوں یہ آپ کا کرم ہے کرم ہے کہ اُسے شرف قبول بخشیں۔ لہذا اور قبول نصیحت کے لیے اس سے زیادہ موثر پیرایہ نہیں ہو سکتا۔ قطع نظر اُس سلاست و بلاغت اور حق گوئی کے جو ان اشعار میں ہے رموز سلطنت و فرائض سلاطین میں امیر صاحب کا کیسا کمال ثابت ہوتا ہے یہ نصایح صاف بتا رہے ہیں کہ امیر صاحب کی مصاحبت سے سلاطین کو وہی فیض پہنچا تھا جو سکندر کو ارسطو جیسے وزیر سے حاصل تھا۔ خوش نصیب تھے وہ سلاطین جن کے دربار کی رونق ایسے امیر سے تھی۔

نصیحت بدختر نیک اختر

شعرائے سلف کی تصنیف صرف شاعری کا آب و رنگ نہیں ہے۔ بلکہ گوناگوں افادات کا ایک خزانہ ہے جسے بجوز و توانی سے مخفی کر دیا گیا ہے تاکہ اہل اُسے ہٹا کر اگلوں کی کمائی سے مالا مال ہوں اور نا اہل کا ہاتھ اُس کے پانے سے محروم رہ جائے اُنہیں مقاصد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے کلمات جو عموماً سامع کو خوشگوار نہ گزرتے اُن کے لیے اُن پاک نفسوں نے ایک باب نصیحتِ فرزند کا قایم کیا۔

خسروؔ کی جدت اور ایک دلچسپ بحث

باپ اپنے بیٹے کو سب کچھ کہہ سکتا ہے اور ہر لب ولہجہ میں کہہ سکتا ہے لیکن خسروؔ علیہ الرحمۃ کی جدت طبع بیان میں بھی اپنا جوہر دکھاتی ہے یعنی بجائے اس کے کہ نصیحت کا مخاطب اولادِ ذکور کو قرار دیتے اس کتاب میں آپ نے دخترِ نیک اختر کو مخاطب فرما کر کچھ نصیحتیں کی ہیں جس سے بہت بڑا سبق تعلیم وتربیت کا طبقہ اناث کے لئے حاصل ہوتا ہے اور ایک شریف بہو بیٹی کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کون سے ہنر وسلیقہ کے زیور ایسے ہیں جو فی الحقیقت شریف عورت کو مزین کر دیتے ہیں اس طرح یہ صنف نازک بھی خزانہ خسروی کے عطیات سے محروم نہ رہی۔

نصیحت سے پہلے ایک عجیب دلکش مباحثہ ہے جس کا ممنون طبقۂ اناث ہمیشہ رہیگا۔ یعنی اس امر پر کہ لڑکی بھی فرزند ہے اور شفقتِ پدری کی اُسی قدر یہ بھی مستحق ہے جسقدر کہ فرزند نرینہ دلائل قایم کیئے ہیں اور پھر جس شاعرانہ قوت سے یہ ثابت کیا ہے کہ نعمائے الہیہ میں سے ایک بہت بڑی نعمت لڑکی کا وجود ہے وہ آپکے قیاس شعری کی قوت اور قوت محاکات کا زبردست ثبوت ہے۔

محاسن بیان میں صنعتِ التفات جس طرح کہ متکلّم کے کمال کا ثبوت ہے اُسی طرح شاعر کی نظموں میں اس نوعیت کے صنایع حسنِ نظم کو اوچار چاند لگانے والے ہیں۔

خسروؔ علیہ الرحمۃ اس صنعت کا نمونہ جس زور بیان اور حسنِ اسلوب سے اس جگہ پیش فرماتے ہیں وہ دلکش اور سراپا اثر ہونے میں اپنی نظیر آپ ہے۔

عام طبیعتیں ولادتِ دختر سے نفور رہتی ہیں اور لڑکوں کی ولادت کی متمنّی وآرزومند۔ اسی کراہت کا نتیجہ ہے کہ بہت سے ملکوں میں لڑکیوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا اور میراثِ پدری سے بالکل بے نصیب کر دی جاتی ہیں۔

بدقسمتی سے بہت سی آبادیاں ایسی آج بھی موجود ہیں جن میں خود مسلمان اسی مہلک مرض میں

مبتلا ہیں ہادیِ مطلق اُنھیں ایمان کامل عطا فرمائے تاکہ وہ اپنی میراث کتاب اللہ کے موافق تقسیم
کریں۔ خیر یہ تو ایک جُداگانہ بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ لڑکی جہاں پیدا
ہوئی کہ والدین پر خجالت و تاسف کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ چہرے کا رنگ متغیر ہوتا ہے صاحب اولاد ہونے کی
مسرت کا فور اکثر دلوں کا ملال زبانوں تک آجاتا ہے کہ لڑکی پیدا ہوئی گھر خالی ہوا۔

خسرو علیہ الرحمۃ اس خیال باطل کا اس انداز خاص سے رد فرماتے ہیں کہ سطحی
نظر رکھنے والوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ حضرت امیر بھی اونھیں میں سے ہیں لیکن
نظم کے صنائع و بدائع سے جو واقف ہے وہ بیان کی خوبی دیکھتا ہے اور لطف
سخن سے سر دھنتا ہے۔ داد دیتا ہے لیکن اُس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ دیکھو۔
قبل اس کے کہ اصلاح کی باتیں شروع کریں اپنے کلام کو زیادہ موثر کرنے کے
لئے پہلے اپنے آپ کو عوام الناس کی سلک میں منسلک کرتے ہیں اور ٹھیک
اوسی طرح جیسا کہ ایک عامی ولادت دختر سے دل تنگ ہو جاتا ہے خسرو علیہ الرحمۃ
بھی کراہت کا اظہار کرتے ہیں اور اس مبالغے سے اس داستانِ الم کا نقشہ
ایک شعر میں کھینچتے ہیں کہ جس سے زیادہ متصور ہو نہیں سکتا۔

فلسفہ جذبات اور شکسپیر کے ڈرامے سے مثال

اس مقام و کلام کا لطف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے فلسفہ جذبات کا محققانہ مطالعہ
کیا ہوگا۔ ایسی حالت میں جبکہ ایک مجمع مخالف کے سامنے اون کے خیال باطل
کا رد مقصود ہو تو اونھیں راہ صواب پر لانے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ اون کے

جذبہ فاسد سے فساد کا اندفاع اور اونھیں امر حق کی طرف متوجہ کرنے کا زیادہ موثر پیرایہ کون سا ہی؟ اپنے کو پہلے اون کا ہمدرد ثابت کرنا یا اختلاف کا ابتدا ہی سے اظہار؟

انگریزی خواں اصحاب جنھوں نے شکسپیر کے ڈرامے عموماً اور جولیس سیزر کا خصوصاً مطالعہ کیا ہوگا، اونھیں یہ نکتہ یاد ہوگا کہ سیزر کے قتل کے بعد اوس کا دوست انٹنی جب بلوائیوں کے سامنے پہونچتا ہے تو کس انداز سے تقریر کا افتتاح کرتا ہے۔ بروٹس کے افعال کا کس طرح ذکر کرتا ہے۔ تھوڑی تھوڑی تقریر کے بعد یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ بروٹس ایک شریف آدمی ہے۔ حاضرین آہستہ آہستہ اپنی غلطی اور بروٹس کی شرارت کا احساس کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جوش سے مجمع لبریز ہو جاتا ہے اور انٹنی کا مدعا اُنھیں بلوائیوں کے ہاتھوں سے پورا ہوتا ہے۔ شاعر کی اسی صنعت و کمال کو اشعار ذیل میں دیکھو۔

خسرو اور زبان عوام کی ترجمانی

اے ز عفت فگندہ برقعِ نور | ہم عفیفہ بنام ہم مستور
ماہت از ہفت بر نرفتہ ہنوز | روشنی چوں مہ چہاردہ روز
کاش ماہِ تو ہم بچہ بودی | در رحم طفل ہشت مہ بودی

فی الحقیقت کمال شاعری یہ ہے کہ فطرت انسانی پر فلسفیانہ نظر ڈال کر جذبات انسانی کا ایسا نقشہ کھینچا جائے جسے لوگ حیرت زدہ ہو کر نقوش و خطوط کے

فوٹو میں ہو بہو دیکھیں۔ پہلا اور دوسرا شعر فطری جذباتِ پدری کا نقشہ پیش کرتا ہے اور تیسرا شعر اوس جذبے کا پتہ دیتا ہے جو دوں ہمتی و خیال فاسد نے پیدا کر دیا ہی۔ اس لطف کو دیکھو۔

بیٹی کا وجود اگرچہ جاہلانہ و پست خیالات سے مکروہ و قابل نفرت معلوم ہوتا ہے لیکن جوشش خون و علاقہ جزئیت کچھ دلی میلان کا بھی سراغ دیتا ہے۔ اوّل و دوم اشعار میں اوسی شفقت پدری کا اظہار فرماتے ہیں اوس کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہیں اپنی اولاد ہے اس سے اوس کی صورت ایسی پیاری اور حسین معلوم ہوتی ہے کہ چودھویں رات کا چاند اوس کے مقابل میں ماند ہے یہ سب کچھ ہے لیکن بیٹی ہے جب یہ خیال آتا ہے تو باپ کہتا ہے کہ کاش تو پیدا ہوتی۔ داغ لاولدی اس داغ سے بہتر تھا۔ اور اگر تیرا استقرار حمل میں ہو گیا تھا تو اٹھوانسی ہوتی یعنی آٹھ مہینے بعد پیدا ہوتی تاکہ جلد مر جاتی یہ ایک مشہور تجربہ ہے کہ آٹھ مہینے کا بچہ بچا نہیں کرتا اسی لئے ہندوستان کی عورتیں آٹھواں مہینہ زبان پر لانا بھی پسند نہیں کرتی ہیں اور اسے منحوس و شگون بد سمجھتی ہیں اس کا اظہار ان گنا کہہ کر کیا جاتا ہے۔ دیکھو ایک طرف تو اون جذبات کا اظہار ہے جو باپ میں بحیثیت باپ ہونے کے پایا جاتا ہے دوسری طرف اوس کراہت و نفرت کا نقشہ ہے جو جہالت و تاریکی دماغ کا نتیجہ ہے۔

یہاں تک شاعر نے عوام کی زبان بن کر اون کے دونوں جذبات کی تصویر کشی

کی۔ اب اوس کی التفات کروٹ لیتی ہے اور ایسی تدریجی حرکت کرتی ہے کہ اوس کی ہر جنبش میں سابق سے زیادہ قوت کا اظہار نمایاں ہوتا ہے۔

اصلاح عوام اور صنعت التفات

لیک چوں دادۂ خدا ے رواست | باخداداد گان ستیزہ خطاست
من پذیرفتم انچہ یزداں داد | کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم بہر چہ از در اوست | کان دہد بندہ راکہ درخور اوست
ہر چہ او داد بس پسندیدہ است | ہم دراوّل صلاح او دیدہ است

اشعار مذکورہ بالا میں اصلاح عوام میں ترقی جس آہستگی سے کی گئی ہے اور اوس کراہت کا جس طرح آہستہ آہستہ اندفاع کیا گیا ہے وہ کس قدر دلپذیر و پر تاثیر ہے۔ شاعر پہلے شعر میں یہ کہتا ہے کہ بیٹی کی ولادت ناگوار و مکروہ سہی لیکن کیا کیا جاے خدا کی دی ہوئی چیز میں بندہ ستیزہ کرے یہ تو بڑی غلطی ہے پھر دوسرے شعر میں یہ کہتا ہے عطاے الٰہی رد نہیں کی جاسکتی بلکہ قبول کی جاتی ہے پس میں نے بھی قبول کیا۔ تیسرے شعر میں اسے نعمت سمجھتے ہوے اظہار تشکر و امتنان ہے چوتھے میں انتہاے پسندیدگی کی صدا ہے۔ سلسلۂ کلام پر غور کرو۔

پہلے ستیزہ پر تعجب پھر اوس کی قبولیت۔ اس کے بعد شکریہ آخر میں انتہاے پسندیدگی۔ اس قدر کہہ لینے کے بعد شاعر کا بیان ایک اور پہلو بدلتا ہے۔

گراں بہا دلائل سے صنفِ نازک کی اہمیت

پدرم ہم زمادرست آخر ‏ ‏ ‏ مادرم نیز دختر ست آخر

گر نہ بر در صدف نقاب شدے ‏ ‏ ‏ قطرۂ آب باز آب شدے

دانہ بے کشت کے ببار آید ‏ ‏ ‏ آسماں بے زمیں چہ کار آید

بے پدر ممکن ست شد معلوم ‏ ‏ ق ‏ چوں مسیحا ز مریم معصوم

لیک بے مادر خجستہ وجود ‏ ‏ ‏ ولدے را نگفتہ کس مولود

عورتوں کے وجود کی اہمیت اور صنف نازک کا بقاے بنی آدم میں عنصر قوی وغالب ہونا جس طرح کہ ان اشعار میں ثابت کیا گیا ہے فقیر کی نظر سے کوئی نظم یا نثر اس زور و قوت کے ساتھ دیکھنے میں نہیں آئی۔ بالخصوص آخری شعر جس میں قیاس تمثیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور مولود کہے گئے لیکن آج تک بغیر ماں کے کسی کو مولود نہیں کہا جا سکا۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ بغیر ماں کے مولود کا پایا جانا غیر ممکن اور بغیر باپ کے ممکن تو ماں یعنی عورت کا وجود افزایش بنی آدم میں باپ یعنی مرد سے زیادہ اہم و ضروری۔ اگر مردوں کا وجود تمھیں عزیز ہے تو ان کی افزایش بغیر افزایش اناث ناممکن ہے دوسرے شعر میں یہ کہتے ہیں کہ اگر پانی کو سیپ نہ ملے تو پانی پانی ہے لیکن سیپ جو بمنزلہ ماں کے ہے وہ چند دنوں میں اوس کی حقیقت بدل کر اوس مرتبہ کمال پر پہونچاتی ہے جہاں پہونچکر تاج شاہانہ کی زینت اوس سے کی جاتی ہے۔ اسی

طرح ایک کیڑا بصورت علقہ یعنی جونک مادۂ منویہ کے ساتھ باپ کی صلب سے جدا ہوتا ہے اور رحم مادر کی بدولت اشرف المخلوقات اور تمام کائنات پر تصرّف کرنے والا اون سے خدمت لینے والا ہو جاتا ہے پس انسان کو کرامت انسانی جس کی بدولت نصیب ہوتی ہے کیا اوس کا وجود قابل نفرت و کراہت ہے؟ کیا یہ ناسپاسی منعم و مربی کے حق میں جائز ہو سکتی ہے۔ نہیں کبھی نہیں ہرگز نہیں

نصیحت کا شفقت آمیز حصّہ

ان دلائل کے بعد خسرو علیہ الرحمۃ بیٹی کو ایسے شفقت بھرے الفاظ سے خطاب کرتے ہیں جس کا ایک ایک لفظ محبت و الفت پدری میں ڈوبا ہوا ہے۔ جس طرح ایک وہ باپ خطاب کرتا ہو جس کے ہر رگ و پے میں اسلامی تعلیم سرایت کر گئی ہو اور اپنے پیغمبر کا اسوۂ حسنہ اوس کے دل پر نقش نگیں بن گیا ہو حقوق اولاد سے واقف ہو اور شفقت پدرانہ اپنے اوپر فرحت بخش و روح افزا فرض جانتا ہو۔

اے تنت را بجانِ من پیوند — کہ ہم مادری و ہم فرزند

تو بدیں مایہ کز قضا داری — گر نہی پا بدیدہ جا داری

سر برآر از مبارک اختر خویش — کہ مبارک تری ز جوہر خویش

انچہ نقش تو با صلاح من ست — چون تو خون منی صلاح من ست

یہاں پہونچکر یہ بیش بہا مضمون ختم ہوتا ہے لیکن اس تائید میں کہ خسرو علیہ الرحمۃ

لڑکی کے وجود سے اندوہگین نہ تھے اوران باتوں سے اپنے دل کی تسلی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اصلاح عوام مقصود ہے۔ اگراس موقع پروہ اشعار جو خمسہ کی اوّل مثنوی مطلع الانوار میں موجود ہیں نقل کردیے جائیں تو ناموزوں نہو گا۔

مطلع الانوار سے تائید مزید

اے رُخِ تو چشم و چراغ دلم — خوب تریں میوہ ز باغ دلم

گرچہ کہ اخواں چو تو نیک اختر اند — نے ز تو در دیدۂ من بہتر اند

گاہِ تماشا بدلِ باغباں — سرو ہماں باشد و سوسن ہماں

دختر اگر نیست پسر کے شود — بے صدفِ تازہ گہر کے شود

بخت کہ فالِ تو ہمایوں نہاد — نام تو مستورۂ میموں نہاد

دیکھو اشعار مطلع الانوار میں کہیں نام و نشان بھی اوس نفرت کا نہیں ہے اسلئے کہ وہاں محض اپنی لڑکی کو نصیحت مقصود ہے۔ ابتداہی اس شفقت سے فرماتے ہیں کہ تو میرے آنکھوں کی نور دل کا سرور باغ دل کا اچھے سے اچھا میوہ ہے تیرے بھائی بھی گو نیک اختر اور میرے جگر کے پیوند ہیں لیکن میری نگاہوں میں تجھ سے بہتر نہیں ہیں۔ اور ایسا کیوں نہو۔ باغبان جب اپنے ہرے بھرے لہلہاتے باغ کو دیکھتا ہے تو سرو و سوسن دونوں کی تازگی اوس کے لئے یکساں نظرا فروز و تفریح بخش ہوتی ہے۔

اب اگراتنی تفصیل کے بعد بھی کوئی یہ کہے کہ نہیں خسرو علیہ الرحمۃ بھی مثل عوام

تنگ حوصلۂ و تیرہ خیال اشخاص کے ولادت دختر سے دل تنگ ہوئے اور ناقد کی تقریر شاعر کے شعر کی تاویل ہے تو اس سخن فہمی کا کیا جواب۔

اِس شاندار و مرصع تمہید کے ختم ہونے پر نصایح کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جسمیں کمال نکتہ سنجی سے ایسی سود مند نصیحتیں کی ہیں کہ ہر نصیحت بجائے خود ایک یورپ ہے۔

ارباب دانش سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ نصیحت کرنے کے لئے تو ہر شخص آمادہ ہو جاتا ہے لیکن جو نصیحت کا حق ہے وہ ہر ایک سے ادا نہیں ہوتا۔ اس میں چند نکات بمنزلہ اصول ہیں جنھیں معمولی نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ مثلاً

خسرو اور نکات نصیحت

مخاطب کی ضروریات کا اوس کی شان و حیثیت کے موافق لحاظ رکھنا، افراط و تفریط سے نصیحت کا بری رہنا، وہ نصایح ایسے اصول پر مبنی نہوں جو ناصح کے خود تراشیدہ ہوں بلکہ اون کی بنیاد ایسے اصول پر ہو جو محقق و مسلم ہو چکے ہوں خطاب کے وقت اگرچہ ایک ہی فرد واحد مخاطب ہو لیکن نصیحت میں ایسی جامعیت ہو جو کل اجناس کے لئے یکساں مفید ہو۔

خسرو علیہ الرحمۃ کو جہاں دیوان فطرت سے بہت سی نعمتیں عطا ہوئی تھیں وہاں نصیحت گری کا سلیقہ بھی بہ تمام و کمال عطا ہوا تھا۔ یہاں چونکہ نصیحت کی مخاطب بیٹی ہے اسلئے جو نصیحتیں کی ہیں اون میں طبقہ اُناث کی بہبود و صلاح کا کامل لحاظ کر لیا ہے۔ ایک شریف بہو بیٹی کے مخصوص فرائض کیا ہیں۔ وہ کون سی صفات

ہیں کہ اگر کسی عورت میں نہ پائی جائیں تو وہ اپنی صفات سے خالی و عاری سمجھی جائے گی اس کو واضح طور پر دکھایا ہے۔

عصمت و عفت کی تاکید

ان نصائح کی بنیاد ایسی مضبوط چٹانوں پر ہے جنھیں فرضی و ملمع تہذیب کے طوفان جنبش نہیں دے سکتے۔ خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

گرچہ خردی کنوں و بے تمیز — روزے آخر بزرگ گردی نیز

تا بود در بزرگیت دستور — خردہ چند گومیت مستور

از عروسی شوی چو بر سر تخت — عصمتت خواہم اوّل آنگہ بخت

خلاصہ یہ کہ اے بیٹی اگرچہ اس وقت تو کم عمر اور چھوٹی ہے اور اپنے بھلے برے کی تجھے تمیز بھی نہیں لیکن آخر ایک روز جوان ہو گی پھولے گی پھلے گی اوس وقت کے لحاظ سے میں چند نادر باتیں کہتا ہوں تاکہ وہی باتیں تیری اوس زندگی میں دستور العمل ہوں۔

اے بیٹی خدا تجھے جب عروس بنائے تو اوس وقت کے لئے خدا سے میری یہی دعا ہے کہ بخت و اقبال سے پہلے عصمت کی دولت سے وہ تجھے مالا مال فرمائے۔

عصمت و عفت اگرچہ مرد کے لئے بھی ضروری ہے لیکن عورت کے لئے اوس سے بہت زیادہ ضروری۔ شریعت میں بے عصمتی کی سزا گو مرد و زن دونوں کے لئے یکسان و مساوی ہے لیکن عورت کی بے عصمتی سے خاندان و قبیلہ

پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے اوس کا اندازہ ہر شریف کر سکتا ہے۔

طاعت و عبادت

ازمن ایں آنچہ اوّلیں پندست | جہد بر طاعتِ خداوندست
تا توانی خداپرستی کن | وزنیاز خداے مستی کن

بچوں کا پہلا مدرسہ جس کی تعلیم بہت ہی اثر کرنے والی ہے وہ ماں کی آغوش شفقت ہے اگر ماں خداترس و عبادت گذار ہے تو اولاد میں اللہ کی عظمت، عبادت کی رغبت بچپن ہی سے راسخ ہو جاے گی اور جوان ہو کر اپنے لئے، قوم کے لئے، ملک کے لئے اون کا وجود رحمت ہوگا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بغیر دینداری و خداشناسی ایک انسان انسان نہیں ہوتا بلکہ حیوانی زندگی بسر کرتا ہے۔

حیاو پردہ

پا بدامانِ عافیت در کن | رو بدیوار و پشت بر در کن
راہِ در کم کن از درونِ سراے | ورمثل خضر در زند مکشاے
زن کہ در کوچہ پہ تگ باشد | زن نباشد کہ مادہ سگ باشد

عورتوں کے لئے حیا و شرم بہترین زیور ہے۔ اگر عورت میں حیا نہیں تو کچھ نہیں سیر و تفریح اور در بدر مارے پھرنا شریف زادیوں کو زیب نہیں دیتا ایسی باتیں گو ابتدا میں معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن انتہا میں اون کا نتیجہ حیا سوز نکلتا ہے یہ سب بُری عادتیں ہیں۔

جھولا اور سرود

باد پیچ و دف کہ لعب زن ست | بروے ایں چنیں رست آں رسن ست
دف شاں بی ہراس دشمن و دوست | فتنہ را بانگ می زند در پوست
آنکہ اول سرود سادہ بود | در نہایت صلاے بادہ بود

شریف بہو بیٹیوں کے لئے جھولا جھولنا۔ طبلہ بجانا۔ نغمات و سرود سے جی خوش کرنا عیب ہے۔ ابتدا میں یہ تفریح طبع کا سامان ہے لیکن انتہا اس کی شرافت کی بربادی ہے

حد سے زیادہ بناؤ سنوار

در زن آرد دو فتنہ رسوائی | سیم پاشی و پیکر آرائی
بس عروساں کہ فتنہ جوے شدند | از سفیدہ سیاہ روے شدند
چوں شدی بہر ہفت و نہ در رنج | نقد عصمت فتاد در شش و پنج
ایں ہمہ فتنہا کہ ہست وبال | با رضاے حلال ہست حلال

بناؤ سنوار، زیبائش و آرائش اوسی انداز سے چاہیئے جتنا کہ اوس کے شوہر کو پسندیدہ ہو اور شرافت کی حدود میں ہو۔ ہر وقت پوڈر و غازہ ملنا ہمہ دم اپنی آرائش میں محو رہنا چاہے گھر بنے یا غارت ہو سخت عیب ہے۔ شریف عورتوں کی تزئین بھی ایک امتیازی شرافت رکھتی ہے۔ شریف زادیاں صاف ستھری رہتی ہیں، اچھے کپڑے پہنتی ہیں، آرایش بھی کرتی ہیں لیکن ان کی ہر ایک شان آبرو باختہ عورتوں سے صاف امتیاز رکھتی ہے۔

خانہ داری وکفایت شعاری

از عروساں خزینہ داری بہ — راست گوئی وراست کاری بہ

مرد اگر یک قراضہ کار کند — زن بکد بانوی ھزار کند

دل نگہبان رخت باید داشت — گرہ خویش سخت باید داشت

چوں ز شوخرج زن فزوں باشد — حال سامانِ خانہ چوں باشد

عورت کا کمال یہ ہے کہ گھر داری میں ایسا سلیقہ پیدا کرے کہ ایک روپے میں ہزار روپے جیسی عافیت وفراغت شوہر وبچوں کو پہونچے بغیر مرضی شوہر ایک حبہ بھی خرچ نہ کرے عورت کے لئے سخاوت ہنر نہیں ہے بلکہ شوہر کی کمائی اور اوس کی دولت اوسی کے مطابقِ مرضی صرف کرنا عورت کا کمال ہے۔

ہنر ودستکاری

گرچہ زر باشدت فراخ نہ تنگ — تا نداری زدوک وسوزن ننگ

دوک وسوزن گذاشتن نہ فن ست — کالت پردہ پوشی بدن ست

عورتوں کا خاص ہنر چرخہ کاتنا اور کپڑا سینا ہے۔ خبردار اس ہنر خاص سے غفلت نہونے پائے چاہے خدا تجھے اپنے فضل سے مالامال کردے لیکن ہنرمندی سے بے پروائی نہو۔

ہر ایک نصیحت کو پڑھو اور اس پر غور کرو کہ خسرو یہ نصائح اپنے بیٹی کو فرما رہے ہیں اولاد سے زیادہ محبت کس کے ساتھ ہوگی جب ایک ایسا جلیل الشان باپ اپنی

بیٹی کے لئے ان اوصاف سے متصف ہونا پسند کرتا ہے تو وہ دوسری عورتوں میں بھی ضرور انھیں اوصاف کو ڈھونڈھے گا۔

امرا کا اثر متوسط و غربا پر

تجربہ اس پر گواہ ہے کہ افراد ہوں یا اقوام جہاں ان میں تمول آیا بس کاہلی و بے پروائی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ ادبار و نکبت ہے۔ خسرو اسی لئے بیٹی سے یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ رزق میں کشایش فرماے اور فراخی دولت تجھے نصیب ہو تو اوس وقت بھی اون ہنروں سے غفلت نکرنا جو شعار عورتوں کا ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ امرا و اہل دول کا اثر آہستہ آہستہ اوسط و ادنی طبقہ پر بھی پڑتا جاتا ہے پس جب امرا کا گھر ایسا ہو کہ جہاں نہ گانا ہے نہ بجانا، نہ جھولا ہے نہ راگ راگنیاں نہ بناؤ سنوار ہے نہ بیہودہ اسراف بلکہ خانہ داری کا انتظام ہے اور بی بی کی سرگرمی۔ خود بی بی ہر طرح کا سلیقہ رکھتی ہو اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو محسوس کرتی ہو۔ علی الصباح اوٹھ کر دوگانہ فریضہ ادا کرکے تلاوت سے جب فارغ ہوئی ہو تو بچوں کے کپڑے درست کرتی ہو یا اپنا لباس بناتی ہو غرض خود کام کرتی ہو اور کام کرنے والوں پر نظر رکھتی ہو۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود اوس گھر کا ساز و سامان درست ہوگا۔ اور اوس کا اثر اوسط و ادنی پر یہ ہوگا کہ وہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو عار نہ سمجھیں گے بلکہ بڑائی کی علامت خیال کریں گے رفتہ رفتہ قوم کی قوم میں قوت عملیہ کو ایسی جنبش ہوگی کہ ہر جنس اور اوس کا ہر فرد اپنے اپنے

فرائض میں مصروف ہوگا۔

اس زمانے کے خوش حال طبقہ میں اپنا کسی طرح کا کام اپنے ہاتھ سے کرنا عیب سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غربا و مساکین کا شعار ہے۔ عورتیں ہیں کہ ہنر و خانہ داری سے ہاتھ اوٹھا بیٹھی ہیں اوس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہے کہ شوہر روپیہ کماتے کماتے تھکا جاتا ہے لیکن گھر میں کسی کو آسایش نصیب نہیں۔ شاید خسروؔ کے عہد میں بھی امرا کے گھرانوں کا انھیں لغویات و باطل خیالات کی طرف میلان شروع ہوگیا ہوگا۔

نئی تہذیب کا اعتراض

بہرحال اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ نصیحتیں اسی قابل ہیں کہ ہر شریف بہو بیٹی انھیں اپنا دستور العمل بنائے۔ لیکن ہزار افسوس کہ اس دورِ تہذیب کے روشن خیال حضرات خسرو کی ایسی بیش بہا نصائح پر کہہ اوٹھے کہ "اوس زمانے میں عورتوں کی حالت نہایت پست تھی امیر خسرو اس قدر صاحب دولت و ثروت تھے لیکن بیٹی سے کہتے ہیں کہ خبردار چرخہ کاتنا نہ چھوڑنا اور کبھی موکھے کے پاس بیٹھ کر ادھر اُدھر نہ جھانکنا"۔ میرے دوستو۔ جوشِ تہذیب میں آکر اسلام کے مایۂ ناز بزرگوں کو اپنے مطاعن کا ہدف نہ بناؤ۔

ناصح کی شان کا علو

ذرا اس کو سوچو کہ یہ نصائح کس نے کئے ہیں۔ کس زمانے میں کئے ہیں نصیحت

کرنے والا کس دل و دماغ کا شخص تھا۔ اس کی خاندانی وجاہت کیا رتبہ رکھتی تھی علاوہ علم و فضل کے کیسی آب و ہوا میں یہ زندگی بسر کرتا تھا۔ انقلابات ایّام کے کیا تجارب اس کے پاس تھے اوس وقت مسلمانوں کی ذی علم جماعت دنیا میں کیا وقار و وقعت رکھتی تھی۔ اگر تم انصاف سے ان امور پر ایک سرسری نظر بھی ڈالو گے تو تم اپنے اس فیصلے پر قائم نہ رہو گے کہ عورتوں کی اوس وقت ایسی ذلیل و پست حالت تھی جو اون کو ایسی نصیحتیں کی گئیں۔

امیر خسرو اوس باکمال و بلند حوصلہ باپ کے فرزند ہیں جس نے ترکستان سے جب ہندوستان کا ارادہ کیا تو خاک ہند نے کس کس طرح اپنے مہمان عزیز کی میزبانی کی۔ بادشاہ نے جاگیر دی۔ عہدہ دیا منصب کا پایہ بلند کیا یہاں تک کہ امراے سلطنت کی سلک میں منسلک ہو گئے۔

امیر خسرو کی ماں اوس جلیل الشان باخدا رئیس کی بیٹی تھیں جنھیں دینی دولت کے علاوہ ہندوستان میں عمادالملک کا لقب حاصل تھا اگر والدین کی شرافت اُن کے حوصلہ کی بلندی ہمّت کی فراخی اولاد کے حق میں کچھ بھی مفید ہوتی ہے اور والدین کا خون اگر کچھ بھی اثر رکھتا ہی تو پھر اسے خسرو کے حق میں ماننے سے کیوں دریغ کیا جاے خود امیر خسرو کی ذات گوناگوں کمالات کی جامع تھی علوم و فنون میں اونھیں جو یگانہ رتبہ حاصل تھی اوس کی شہادت اون کی تصانیف ہیں تزکیہ باطن کے لئے محبوب الٰہی کا محبوب ہونا کفایت کرتا ہے۔ تمول کے لیے لفظ امیر کافی ہے انقلاب دہر کا تجربہ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ گیارہ سلاطینِ باآئین ان کے وقت میں گذرے

جن میں سے سات بادشاہوں کے تقرب کا انھیں پورا موقع ملا۔ موقع شناسی اور دماغ میں سلجھاؤ اس سے ظاہر ہے کہ سلاطین کا تغیر سلطنت کا نظام الٹ دیا کرتا تھا۔ لیکن امیر خسرو ہر عہد میں ممتاز و باوقار رہے۔

ایّام سلف کی برکات

وہ زمانہ مسلمانوں کی ایسی اعلیٰ تہذیب کا تھا جس نے ہندوستان جیسے متعصب ملک میں اپنی تہذیب گھر گھر پہونچا دی تھی۔ مسلمانوں کے قوائے عملیہ سست و کاہل نہ تھے اس لئے محض بیکار رہنا موجب عار سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی تخصیص مرد و عورت کی نہ تھی تعلیمات اسلامی کا یہ اثر تھا کہ سلاطین تک شریعت کے فتوے سے کانپ اوٹھتے تھے۔ اوس وقت علما و مشایخ کی ایسی جماعت ہندوستان میں تھی اور روزافزوں ہو رہی تھی جن کی تصانیف آج شریعت و علوم اسلامیہ کی ضامن ہیں۔

دنیا کے مختلف گوشے مسلمانوں کے سیف و قلم سے مفتوح ہو چکے تھے ان کی سطوت و جلالت اکناف عالم پر چھائی ہوئی تھی۔ پس اوس عہد میں جبکہ ملک اپنے زیر نگیں تھا فاتحانہ و ملوکانہ جذبات دل و دماغ میں تھے۔ سیاست کی تلوار اور شریعت کا تازیانہ ہر طرح کی محافظت کر سکتا تھا۔ اولیائے کرام و علمائے عظام کی پاک صحبتیں خیالات فاسدہ کی بیخ کنی کیا کرتی تھیں فتوحات کے فراخ دروازے بے زری و تنگ دستی کے مفہوم کو مٹا رہے تھے۔ خسرو جیسا عالی دماغ ولی کامل

امیر کبیر آزمودہ کار اپنی بیٹی کو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اگر منافی شرافت نہیں ہے تو پھر اس عہد کے مسلمان جن کی حالت ہر پہلو سے زبوں ہے ان کی بات پایۂ اعتبار رکھنے کی کیونکر مستحق ہو سکتی ہے۔ اوس عہد کی ماؤں کی بلندی تو اسی سے ظاہر ہے کہ اون کی اولادیں دنیا میں ہر طرح کی یادگاریں چھوڑ گئیں۔ علم، عمل دولت، سلطنت، جرأت، شجاعت کیا کچھ فضائل انسانی کے بیش بہا خزائن نہ تھے جو اسلاف نہ چھوڑ گئے۔ لیکن اون کے جانشین ایسی ہی بلند حوصلہ و عالی ہمت پیدا ہوئے جنھوں نے نہایت بدسلیقگی سے اون بیش بہا خزائن کا مالک اغیار کو کر دیا اور خود دست نگر ہونے کا بھی شعور کھو بیٹھے۔

حاصل جواب

وہ شریفانہ معاشرت کہاں گئی۔ جبکہ عورتوں کے کپڑے غیر محرم دیکھ بھی نہ سکتے تھے چہ جائیکہ اون کا سینا اور دھونا۔ تم چرخہ چلانے یا سلائی کا ہنر جاننے پر طعن کرتے ہو یہ تو ویسا ہی ہوا جیسا کہ ناعاقبت اندیش اہل دول لڑکوں کو تعلیم سے محروم اس بنا پر رکھتے ہیں کہ علم غربا کے لئے ہے، ہماری اولاد کو کیا دفاتر میں نوکری یا اسکولوں میں معلمی کرنی ہے۔

ہاں یہ اعتراض کہ کمالات علمیہ اور دیگر فضائل انسانی کی طرف اس بلند آہنگی سے کیوں توجہ نہ دلائی گئی جس قدر کہ امور خانہ داری پر زور دیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی خسرو کا ایک کمال ہے کہ جہاں نصیحت کا مخاطب بیٹی کو قرار دیا ہے

تو اوس وقت ایسی نصائح جو مابہ الامتیاز مرد و زن ہیں اونھیں کو غالب رکھا ہے اور جہاں بیٹا مخاطب ہے تو اوس سے وہی باتیں کہی ہیں جن کا سزاوار مرد ہی ہو سکتا ہے۔ اگر عام پند اور مابہ الاشتراک نصائح سے خطاب فرماتے جو مخصوص فرائض اناث نہیں بلکہ فرائض انسان و اسلام ہیں تو پھر یہ معلوم ہوتا کہ خطاب دختر کی اس میں تخصیص کیا ہے۔

خطیب کا یہ بھی ایک کمال ہے کہ مخاطب کا صحیح اندازہ کرکے اوس کو ایسی نصیحتیں کرے جو اوسی سے مخصوص ہوں ورنہ عام نصیحت کے لئے خصوصیت و تشخص بیکار ہے اوس کے لئے پھر خطاب عام چاہیئے۔ بہر حال خسرو کے تمام نصائح کو پڑھ جاؤ اوس کے بعد ایک ایسی ذات کا جوان اوصاف سے متصف ہو تصور کرو تمھیں ایک رحمت الٰہی مجسم نظر آئیگی۔ افسوس ہے کہ یہ مضمون اندازہ سے بہت زیادہ پھیل گیا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ پر جبکہ ایسا قلم معترضانہ رواں ہو جسے اون کے کلام کا صحیح مفہوم لکھنا چاہیئے تھا تو پھر اُس کی اصلاح اس سے کم میں ناممکن تھی۔ اس دور کے ارباب قلم کی غلطی تسلیم کرنا اس سے کہیں زیادہ سہل ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ پر ایک بے بنیاد الزام کا اثبات زبردستی کیا جائے۔ ناظرین مجھے معاف فرمائیں میں سلف کا دلدادہ و شیفتہ ہوں ؎

فتنۂ گفت گوے ایشانم مستِ لاے سبوے ایشانم

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ ایسے مضامین تھے جو آغاز مقصد سے قبل مثنوی میں عموماً

خسرو لکھا کرتے ہیں۔ اب اصل قصّہ سے اقتباس کرکے حسن کلام کا نمونہ دکھایا جاتا ہے۔

بیان حسن کنیز چینی

برچو ناربخ نو بشاخ درخت   سخت رستہ ز صحبت دل سخت

رگ نمودہ بروں ز لطف بدن   ہمچو رشتہ دروں در عدن

شوخی و عاشقانہ انداز کے ساتھ پہلے شعر میں سختی کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ بالکل نرالی ہے اور اچھوتا تخیل ہے لیکن معقول۔ دوسرے شعر میں گورے گورے بدن میں سے رگوں کا پھوٹ کر ایک دل فریب رنگ پیدا کرنا کیسا نادر خیال ہے۔ جس کسی نے سلک مروارید کو دیکھا ہوگا اس تشبیہ کے لطف کو وہی سمجھ سکتا ہے کہ کیسی لطیف تشبیہ ہے۔

قدر اندازی بہرام

آہن تیر چوں محک کردے   خط گوراں ز پشت حک کردے

ورزآہو بُدے نشانۂ او   موے بشگافتے ز شانۂ او

ور شدے بر نشانہ سخت انداز   رخنہ در نافِ کوہ کردے باز

صرف تین اشعار میں تمام شعبہائے تیر اندازی کے کمال کو جس صفائی و سلاست سے آپ نے بیان کیا ہے اُس سے کلام کی پختگی و چستی ظاہر ہے یعنی جس طرح چاہتا تھا تیر چلاتا تھا۔ کبھی تو گورخروں کی پشت پر جو خطوط ہوتے تھے اونھیں تیر سے اڑا دیتا

کبھی ہرن کے بالوں کی موشگافی کرتا۔ اور شکار کو کچھ بھی آسیب و آزار نہ پہونچتا اور جو زخم پہونچانا چاہتا تو ایسی قوت و طاقت سے تیر بیٹھتا کہ گورخر کا تو کیا ذکر پہاڑ میں بھی سوراخ ہو جاتا خسرو علیہ الرحمۃ ہشت بہشت کی بنیاد رکھتے ہوے فرماتے ہیں

پس نوشتم بکلک مشک سرشت — نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت
تا کسے کاندرو گذر یابد — بے قیامت بہشت دریابد

اب اس بہشت کا جسے لطف حاصل کرنا ہو اوس کو ایک سرسری نظر سے پوری کتاب مطالعہ کرنا ضرور ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اشعار کہاں کہاں سے لئے گئے ہیں اور باہم ربط و مناسبت اونمیں کس طرح ہے۔

گنبد مشکیں بہشت دوم

بہرام کے وزیر باتدبیر نے صید و شکار سے جب بہرام کو باز رکھنا چاہا ہے تو اوس نے سات گنبد عجیب و غریب نادر و حسین طیار کرائے ہیں۔ ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے ہر ایک میں ایک شاہزادی ایک ایک اقلیم کی رونق بخش ہے۔ بہرام ہر ایک شاہزادی کے گنبد میں ایک ایک شب جاتا ہے اور کسی قصّہ کی فرمایش کرتا ہے۔ شاہزادی قصّہ بیان کرتی ہے۔ اس طرح اس میں سات قصے امیر خسرو نے نظم فرمائے ہیں۔ خسرو کی شاعرانہ قوت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ ایک بہشت کا بیان شروع کرتے ہیں تو اوس کے رنگ کو بیان کرتے ہوے ابتدا قصے سے آخر قصّے تک اوسی رنگ کی رنگینی معلوم ہوتی ہے۔ جو بات نکلتی ہے اوسی

رنگ میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے۔ پھر اوس رنگ کے فلسفے کو بیان کر کے اپنی رنگینی طبع کا عجیب رنگین ثبوت دیتے ہیں۔ مثلاً گنبد مشکیں کی تمہید میں فرماتے ہیں ؎

روز شنبہ کہ باد مشک انگیز — شد بدامانِ صبح غالیہ ریز

شہ بگنبد سرائے مشکیں شد — خانہ زو ہچو نافۂ چیں شد

جامہ راہم برنگِ کیوانی — داد ترتیبِ عنبر افشانی

ان اشعار میں قطع نظر اون صنائع لفظی کے جو امیر صاحب کا روزمرّہ ہے گنبد کا رنگ چونکہ سیاہ تھا اس لئے بہرام کا اوس میں داخل ہونا بھی بروز شنبہ رکھا گیا۔ اور ستارہ شنبہ یعنی زحل کا رنگ سیاہ ہے۔ بہرام خود سیاہ پوش ہے شہزادی کا لباس بھی گنبد مشکیں کی طرح سیاہ ہے۔ اس کا التزام مثنوی کے ہر قصہ میں ہے کہ جس طرح ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے اُسی کی رعایت سے شاہزادیوں کا لباس بھی مختلف رنگ کا ہے۔

ہر یکے ہم برنگ مسکنِ خویش — جامہ را رنگ داد برتنِ خویش

اگرچہ کمال شاعری و لطف سخن کو ان باتوں سے سروکار نہیں لیکن اس قسم کی رعایتوں سے ایک دل فریب تخیل پیدا ہوتا ہے اور ساری کتاب کو پڑھ جانے سے ایک ایسی میناکاری معلوم ہوتی ہے جو ہشت بہشت کو اسم بامسمیٰ بنادیتی ہے۔

گنبد مشکیں یعنی بہشت دوم میں سیاہ رنگ کی رعایت مقصود ہے۔ اسلئے امیر صاحب اوس وقت کو جبکہ تینوں شاہزادے غریب الوطنی ورہ نوردی کے بعد باپ کے

پاس آتے ہیں اور باپ خوش خوش بڑے لڑکے کو سلطنت حوالہ کرتا ہے یوں بیاں فرماتے ہیں ؎

پدر پیر شادمانی یافت | بار دیگر ز سر جوانی یافت
بسکہ از خوش دلی بہ تمکیں گشت | موے کافور گونش مشکیں گشت
کردہ روشن بہ مہتریں پسراں | بالش مشک وام تاجوراں
چتر مشکینش داد یا ہمہ چیز | دیگراں را واے مشکیں نیز

لیکن اس خیال سے کہ سیاہ رنگ عموماً نشان ماتم ہے اس کو عیش و نشاط، فرحت و انبساط سے کیا علاقہ۔ اِس لئے امیر صاحب ختم قصے پر اس فلسفہ کو بیان کرتے ہیں کہ سیاہ رنگ بھی اپنے موقع و مناسبت سے دل آویز و نظرافروز ہوا کرتا ہے ؎

رنگ مشکیں شعار عبّاسی ست | زیور آرائے چرخ شمّاسی ست
ظلمت شب کہ مشک فام بود | بہر آسایش تمام بود
خون تر در میانِ نافۂ خشک | تا نگردد سیہ نباشد مشک
خط و خالیکہ دلستاں دارد | مشکی رنگ ست زیب ازاں دارد

بیان وجوہ میں بتدریج ترقی قوت بھی ملحوظ خاطر رہے۔ قصہ ختم ہوتا ہے۔ بہرام ہم آغوش ہو کر خواب سے راحت پذیر ہوتا ہے۔ اوس عیش کے وقت کو یوں بیان فرماتے ہیں ؎

شاہ کز نازنین مشکیں موئے | ایں فسانہ شنید روئے بروئے

خفت در خواب گاہ حور العین   گل در آغوش و مشک بر بالیں

واقعہ نگاری اور تسلسل

سبحان اللہ ایک رنگ سیاہ نے کتنے خوش آیند خیالات پیدا کر دیے ہیں جس سے
شاعر کی قوت متخیلہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اوس کے
تمام اجزا اس طرح بیان کیے جائیں کہ تسلسل مضامین کی کوئی کڑی چھوٹنے نہ پائے
اس کے ساتھ ہی اس کا بھی لحاظ رہے کہ غیر ضروری بات مذکور نہونے پائے بعض
مقام ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں کنایہ تصریح سے زیادہ صراحت کرتا ہے اور کلام کی
بلاغت اوسی کی مقتضی ہوتی ہے۔ کسی جگہ تصریح و تشریح کے بغیر بلاغت کا حق ادا نہیں
ہوتا۔ مثنوی نگار اگر اس کا لحاظ نہیں کرتا ہے تو اوس کی خامی و کم مائگی سمجھی جاتی ہے
خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری اس کمال میں بھی کامل ہے۔ ہر ایک قصہ میں اس تفصیل
سے جزئیات کو بیان فرماتے ہیں کہ ایک بات سے دوسری بات خود نکلتی آتی ہے
اوس پر زبان کی صفائی اور بندش کی چستی کا یہ حال ہے کہ اوس سے کم عبارت میں
اگر اوسی مضمون کو بیان کیا جائے تو لطف ادا کو کھوے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اور اگر طوالت
دی جائے تو حشو و زوائد میں شمار ہو۔ اوس کا اصلی لطف تو اوسی کو حاصل ہو سکتا ہے
جو پوری کتاب پڑھ جائے۔ لیکن دو ایک نمونہ جستہ جستہ پیش کرتا ہوں۔

پہلی مثال ہشت دوم کی شاہزادی نے جو قصہ بیان کیا ہے اوس میں تین غریب الوطن
شاہزادوں کی فراست اور علم بالآثار کا ذکر ہے۔ اوس وقت جبکہ شاہزادے ایک

بادشاہ کے مہمان ہیں اور اون کی ضیافت میں شراب وکباب مہیا کیا گیا ہی۔ ایک نے شراب میں آدمی کے خون کا لگاؤ بتلایا۔ دوسرے نے کباب کو کتے کا قرار دیا۔ تیسرے نے بادشاہ کو باورچی کا لڑکا کہا۔ بادشاہ پشت دیوار سے اون کی گفتگو سن رہا تھا۔ اپنے متعلق ایسا ہوش ربا حکم سن کر تحقیق شروع کرتا ہے۔ پہلے دونوں حکم صادق آتے ہیں۔ اس سے تیسرا حکم جو خود اوس کے متعلق ہے اوس کے صدق کا پلّہ غالب آتا ہے۔ ماں کے پاس جاتا ہے اوس کے غضبناک انکار پر قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ آخر ماں کو جب اپنی موت کا یقین آجاتا ہے تو مجبور ہو کر اقرار کرتی ہے۔ بادشاہ اپنے مہمانوں کے پاس آتا ہے اور اون کی فراست کی داد دینا چاہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تم لوگوں نے کیونکر یہ پہچان لیا۔ وہ وجہ بتلاتے ہیں۔ امیر صاحب کا قلم اس طرح اوس کی تصویر کشی کرتا ہے ؎

شہ چو بشنید راز ما درخویش — سر فگند از خجالت اندر پیش
رفت در خود فرو و حیران گشت — وز چناں پرسشے پشیماں گشت
جست بیروں ز کاخ شرمندہ — وز تحیر نہ زندہ نے مردہ
شد بخلوت سرائے مہماناں — بے زباں گشت زاں زباں داناں
چوں گذشت از شراب دورے چند — راز را بر گرفت مستی بند
گفت کایں چہ از شما شنیدم راز — ہمچناں یافتم چو جستم باز

ایسے خجلت انگیز راز کے افشا نے بادشاہ کی جو حالت کر دی ہو گی اوس کا نقشہ

امیر صاحب کے قلم نے کس خوبی سے کھینچا ہے۔ ایک ایک شعر کو پڑھئے اور ہزار ہا داد دیجئے۔ بادشاہ کا ہکّا بکّا ہو جانا ایک فطری بات ہے لیکن تسلسل بیان اس کا مقتضی ہے کہ بادشاہ خود اپنے منہ سے اس شرمناک راز کی تصدیق کرے تکمیل قصہ کے لئے اوس کے منہ سے اقرار کرانا ضروری تھا۔ اس لئے بیچ میں شراب کو ڈالا۔ اس سے عمدہ ذریعہ اقرار کا ہو نہیں سکتا تھا۔

دوسری مثال اسی طرح ہشت بہشت کے بیان میں شاہزادہ جب طلسمی سرمہ آنکھوں میں لگا کر وزیر کے دربار میں نظر سے غائب ہوتا ہے اور اپنے موکل دیو کو اشارہ کرتا ہے کہ بدکار وزیر کو دہول لگائے اس کا بیان بس ہو بہو فوٹو ہے ؎

کرد اشارت بدیو تا برخاست — دست خود کرد بہر سیلی راست

زد قفائے بخواجۂ دیواں — کہ بلرزید زاں طراق ایواں

کارداراں زجائے بر جستند — سرآں حال راہے جستند

ہمدریں گفتگوے بُد ہر کس — کاہرمن باز در رسید ز پس

زد چناں سیلی دگر ناگاہ — کز سر خواجہ برفتاد کلاہ

کلہ گرد خوردہ رازاں گرد — تا ستاند قفائے دیگر خورد

حیرتے درمیانِ خلق افتاد — دوست آزردہ گشت دشمن شاد

مرداں از خجالتِ دستور — دور گشتند یک بیک ز حضور

ایں ز سودائے سیلیش خنداں — واں دگر پشتِ دست بر نداں

خواجہ جست از خجالتِ سیلی
بارخِ زرد گردنِ نیلی

ان ابیات میں جس تفصیل سے دیو کا ہاتھ اوٹھانا اور ڈہول مارنے کے لئے اوس کو سنبھالنا اور پھر ایک ڈہول لگا کر ٹھیر جانا لوگوں کا متحیر ہونا اور آپس میں تحقیق کی نظر سے گفتگو کرنا۔ اس اثنا میں دوسری ڈہول کا رسید ہونا وغیرہ وغیرہ جس شرح و بسط سے بیان کیا ہے اوس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے سچ پوچھئے تو واقعہ مذکورہ کی تصویر اس سے زیادہ روشن و دل آویز کیا کھینچی جا سکتی تھی۔

ان دو نمونوں سے یہ دکھلانا تھا کہ امیر صاحب جہاں صنائع و بدایع اور محاسن لفظی و معنوی کے خسرو ہیں وہاں بیان واقعات میں بھی اوسی قدر ارفع و اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ امیر صاحب مثنوی لکھنے کا حق رکھتے تھے اور صحیح معنوں میں آپ نے مثنوی کا حق ادا کیا۔

حیثیت شخصی کا لحاظ

مثنوی نگاری میں یہ حصّہ شاعر کے لئے نہایت ہی معرکۃ الآرا رہا ہے ایک ہی حالت ہوتی ہی مگر اوس کا اثر باعتبار اشخاص مختلف ہوتا ہے اب اگر شاعر حالت کے ساتھ شخص کا لحاظ نہیں رکھتا ہے تو اوس کے بیان کا یہ پہلو کمزور رہ جائے گا۔ مثلاً فرض کرو ایک نبرد آزما ہے جس نے مختلف میدانہائے کارزار میں اپنے شجاعت کا جوہر دکھایا ہے۔ وہ کسی ایسے ناز پروردہ کا ہم سفر ہے جس نے تنعم کے سایہ سے کبھی قدم

باہر نہیں نکالا۔ اتفاقاً کسی موقع پر رہزنوں کی جماعت حملہ آور ہوتی ہے تو اوس وقت
اوس تجربہ کار سپاہی اور نازپروردہ رفیق کے دل پر جو اثر ہوگا وہ ایک دوسرے
سے بالکل مغائر ہوگا۔

سپاہی آزمودہ کار کے حواس درست ہوں گے دست و بازو میں قوت موجود
ہوگی رگوں میں شجاعت کا خون دوڑتا ہوگا۔ چہرہ جوش بہادری سے تمتما رہا ہوگا۔
برخلاف اس کے نازپروردہ کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹ رہی ہوں گی۔ بدن پر
لرزہ طاری ہوگا۔ ہوش برجا نہوں گے۔

اس مثال سے یہ غرض ہے کہ جب کسی واقعہ یا حالت کا بیان ہو تو جس شخص سے
اوس کا تعلق ہے اوس کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے اس کمال کے بھی
نمونے ملاحظہ ہوں۔

مثال اوّل۔ بہرام شکارگاہ میں خفا ہوکر دلارام کو گھوڑے سے اوتار
دیتا ہے اور خود گھوڑے کی باگ موڑ کر روانہ ہوجاتا ہے۔ دلارام دشت پرخار میں تنہا
رہ جاتی ہے اوس وقت اوس کے دل پر کیا گذری اور اوس نے کیا کیا اور کیونکر
کیا اس کی ہو بہو تصویر ان اشعار میں دیکھئے یہ یاد رہے کہ دلارام بہرام کی معشوقہ دل
جاں نواز ہے عیش و عشرت ناز و تنعم میں نشو و نما پایا ہے۔ دل کی کلی ہمیشہ کھلتی رہی
ہے یہ کوئی معمولی حیثیت کی عورت نہیں ہے اس پر جو یہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا
تو اس کی حالت بھی معمولی حیثیت کی عورت سے مغائر ہوگی خسرو اسی کو بیان کرتے ہیں۔

ماند بیخویشتن صنم تا دیر | تشنہ و غرقِ آب و از جاں سیر
پس بصد خستگی زجا برخاست | راہ صحرا گرفت و می شد راست
بسکہ منزل بدشت فیوان دشت | سایۂ خویش دیو می پنداشت
بسکہ رہ برسنان تیزش بود | موزہ غربالِ خاک بیزش بود
از کفِ پاے خارہاے چو تیر | میگذشتش چو سوزنے ز حریر
پاکہ از برگ گل فگار بود | چوں شود چوں بروے خار شود
کس نہ ہمراہ و رہنماش مگر | سایہ در زیر و آفتاب زبر
می نمود اندراں پریشانی | گفتہ و کردہ را پشیمانی
زاں بساط ددان آہو خاے | کرد بیم ددانش آہو پاے
بیم بودش کہ پاشود بطواف | چوں سمِ آہو از میانہ شگاف

کس خوبی سے خسرو علیہ الرحمۃ نے اوس کی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہے ملاحظہ ہو
پہلا اثر تو اس ناگہانی آفت کا یہ ہوا کہ وہ ایسی متحیر و ششدر ہو گئی کہ تھوڑی
دیر تک یہ بھی سمجھ نہ سکی کہ واقعہ کیا گذرا جب آہستہ آہستہ اوس کے حواس اپنا صحیح
فعل کرنے لگے تو اوسے اپنی اس نازک حالت کا اندازہ ہوا۔ زبان سوکھ کر کانٹا
ہو رہی ہے جسم ہے کہ پسینہ میں شرابور ہے جینا وبال ہو رہا ہے۔ دیکھئے پہلا شعر
ان سب کیفیات پر کس طرح حاوی ہے ؎

ماند بیخویشتن صنم تا دیر | تشنہ و غرقِ آب و از جاں سیر

کچھ سوچ سمجھکر اوٹھتی ہے تو جسم میں طاقت نہیں بدن ہے کہ رنج و غم سے چور
چور ہے بصد خرابی اوٹھی اور ایک سمت کا رخ کیا۔ اس کیفیت کو دوسرے شعر میں دیکھیے

پس بصد خستگی زجا برخاست   راہ صحرا گرفت و می شد راست

ایک صحرائے لق و دق مہیب و وحشتناک ہے۔ غولان بیابانی کا نشیمن ہے۔
تنہائی و بیکسی نے ایسا متوحش کر دیا ہے کہ اپنے سایہ کو بھی وہ بھوت سمجھتی ہی انتہائی
اضطراب و گھبراہٹ خوف و وحشت میں جو حالت کہ طاری ہوتی ہے اوس کا صحیح
نقشہ یہی ہے جو اس شعر میں ہے ؎

بسکہ منزل بدشتِ دیواں داشت   سایۂ خویش دیو می پنداشت

اوس کی نزاکت و لطافت کے ساتھ صحرائے پرخار نے کیا سلوک کیا اوس کو
اس شعر میں دیکھیے ؎

بسکہ رہ بر سنانِ تیز بش بود   موزہ غربال خاک بیزش بود

اسی طرح ہر شعر ایک خاص حالت و کیفیت کا نمونہ ہے۔

دوسری مثال۔ ہشت دوم کے قصے میں بادشاہ نے جبکہ بیٹوں سے تخت
و تاج کا مالک بننے کے لئے کہا ہے تو اوس وقت ہر ایک بیٹے نے جو جواب دیا
ہے وہ قابل لحاظ ہے مثلاً بڑا بیٹا یہ جواب دیتا ہے ؎

پور دانا بخاک سود کلاہ   گفت جاوید باد دولت شاہ
کی روا باشد از ہوا خواہی   کہ زنم پیش شہ دم شاہی

تا تو ئی ملک بر کسے نہ سزاست ۔۔۔ بے تو خود زیستن برائے چہ راست

تخت ما و لے چوں منے نبود ۔۔۔ جائے تو جائے چوں منے نبود

مور با آنکہ بر سریر بود ۔۔۔ کی سلیمان و تخت گیر بود

بیٹے کی سعادت مندی اسی کی مقتضی تھی کہ باپ کے رہتے ہوئے بیٹا ہوس سلطانی نہ رکھے لیکن ضمن جواب میں اس امر کی ناموزونی جو آخر شعر میں بیان کی گئی ہے وہ حسن التعلیل کے ساتھ عجب ادب آموز نکتہ ہے ؎

مور با آنکہ بر سریر بود ۔۔۔ کی سلیمان و تخت گیر بود

اس شعر پر جتنا غور کروگے اتنا ہی لطف آئیگا۔

اب بادشاہ منجھلے بیٹے کو بلاتا ہے اور اوس کے سامنے تخت و سلطنت پیش کرتا ہے منجھلے کا جواب سنئے ؎

گفت مارا بجان و بینائی ۔۔۔ کردنی شد ہر انچہ فرمائی

لیک پیشت حدیث تاج و سریر ۔۔۔ عیب باشد ز بندہ عیب مگیر

گر بود در سرت کہ افسر خویش ۔۔۔ خود مزین کنی بگو ہر خویش

مہترے ہست آخر از من خورد ۔۔۔ بار سر جز بدوش نتواں برد

بر بزرگاں رواست این معراج ۔۔۔ تو لوے خورد نیست در خور تاج

اگر منجھلا بیٹا صرف اسی قدر جواب پر اکتفا کرتا کہ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر لیکن تاج و سریر کا ذکر آپ کے سامنے کرنا بڑے عیب کی بات ہے اگر اس ین حکم

عدولی ہو تو بندہ کو نافرمان نہ خیال کیا جائے تو بڑے اور منجھلے کی خصوصیت نمایاں نہوتی۔ اس لئے اوس نے اپنے جواب میں اس قدر اور اضافہ کیا کہ اگر آپ کی یہی خواہش ہے کہ آپ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں تاج شاہی سے مزین فرمائیں تو بسم اللہ بڑا بھائی موجود ہے یہ حق اوس کا ہے اور آپ کے بعد اوسی کو زیب دیتا ہی اُس کی دلیل یہ ہے کہ سر سے بوجھ اوتار کر کاندھے پر رکھنے کا دستور ہے۔ اب جواب کامل ہوگیا۔ بڑے اور منجھلے کا فرق بھی نمایاں ہوگیا۔ باپ کی موجودگی میں سلطنت سے دست برداری بھی ظاہر کر دی اور اوسی کے ساتھ بڑے بھائی کا ادب و حق ملحوظ رکھتے ہوے فرق مراتب باپ اور بڑے بھائی کا بھی "بار سر جز بدوش نتواں برد" کہہ کر قائم کر دیا۔

تیسری مثال۔ بہشت ششم کے قصّے میں جسوقت سوداگر زادہ طلسمی حمام سے ایک سال بعد برآمد ہوا ہی اُس وقت اوس کے غلاموں کو جو مسرت ہوئی ہے اور جس طرح اونھوں نے اپنی خوشی کا اظہار ولی نعمت سے کیا ہے، اوس فرط جوش و محبّت میں بھی اون کی غلامانہ حیثیت پوری طرح ملحوظ ہے ؎

چوں بدیدند روے منعم خویش	در دویدند خواجہ را در پیش
ہر یک از بندگاں بہ آزادی	گریہ میکرد لیکن از شادی
بندہ وارش بپا در افتادند	بوسہ بر دست و پاش میدادند

جذبات عاشق و معشوق اور اُن کے لوازم | سرسری نگاہ میں عاشق کی

نیازمندی معشوق کی بے نیازی ایک معمولی مضمون ہے جسے ہر سخنور بیان کرسکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ منزل عشق کی راہیں جس طرح عمل میں دشوار گزار ہیں اوسی طرح اون کا بیان بھی خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں ایسے ایسے لطیف نکات ہیں جنھیں ہر ناظم کی قوت فکریہ پا نہیں سکتی ؎

ہزار آیت خوبی ست در مطالعۂ رو　　نہ ہر کہ خط بشناسد مفسری داند

پہلی مثال۔ عاشق جب مژدۂ وصل پاتا ہے تو اس روح پرور خبر سے اوس پر ایک عالم وجد طاری ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی عاشق کے لئے معشوق کا وصال بہت ہی دشوار ہو۔ کوشش وسعی کی راہیں مسدود ہوں۔ ہجوم یاس نے اوسے بالکل ہی وارفتہ و از خود رفتہ کر دیا ہو اوس بیخودی کے عالم میں اوسے مژدۂ وصل پہونچے تو پھر اوس کے وجد و طرب کا ایک اور ہی عالم ہو گا۔ خسرو علیہ الرحمۃ ہشت بہشت میں اوس غریب الوطن شاہزادے کا قصہ جو ملکۂ ملتان کی سنگی تصویر دیکھ کر دل ہاتھ سے دے چکا ہے وصل سے مایوس ہو کر پاگل ہو رہا ہے اوسکے پاس جس وقت مژدۂ وصل پہونچا ہے تو اوس کی کیا حالت ہوئی اوس کو بیان کرتے ہیں ؎

سوئے عاشق دویدیارے زود　　بردش از دوست مژدۂ مقصود
چوں بگوش وے ایں سخن در شد　　بے خبر بود بے خبر تر شد
ماند حیراں دراں حکایت نغز　　جوشۓ از دل در او فتاد بمغز

خاست چوں بیدلاں جاں دادہ　　دل دیوانہ راعناں دادہ

پاے کوباں بوجد وحال آمد　　درنہاں خانۂ وصال آمد

دوسری مثال بہشت ششم میں سوداگرزادہ جبکہ ایک طلسم سے نکل کر ایک طلسمی گاؤں میں پہونچا ہے اور وہاں ایک بوڑھی عورت نے اوسے مہمان بنایا ہے تو اوس پیرزن کی حسینہ وجمیلہ لڑکی سے مہمان کی آنکھ لڑتی ہے تیر عشق دل کے پار ہوجاتا ہے اور وہ محبوبہ اپنی اداے معشوقانہ سے اوسے بسمل بنادیتی ہے

زال را بود دخترے عیار　　دل فریبے چو صد ہزار نگار

دزد دلہا دو چشم پُرفن او　　خون صد بیگنہ بگردن او

گشت چوں یک دگر نظرہا گرم　　نازنیں سر فرو فگند ز شرم

روے پوشید وکرد آں سو پشت　　میہماں را بہ یک کرشمہ بکشت

معشوقہ کا سر جھکا لینا مُنہ کا چھپالینا جہاں مقتضاے شرم وحیا ہے وہاں ایک نازِ دلربایانہ بھی ہے لیکن شاعر کا کمال اس نکتہ کے ادا کرنے میں ہے جو اس جملہ میں مضمر ہے (کرد آں سو پشت) جس سے اس کا اظہار مقصود ہے کہ جس طرح میرا چہرہ روشن اور آنکھیں پُرفن ہیں پیٹھ بھی ویسی ہی محرابی ہے پیٹھ پھیرنے سے مقصود اظہار اون خوبیوں کا ہے جو پشت پھیرنے سے ہی نمایاں ہوتی ہیں۔

تیسری مثال۔ اسی بہشت ششم میں اوس موقع پر جبکہ سوداگرزادہ طلسمات طے کرتا ہوا آخر طلسم میں مبتلا ہوا ہے اوس وقت اوس کی حیثیت شاہانہ ہے ایک

ملک کا خود مختار بادشاہ ہے عجب عیش وعشرت سے ایام بسر ہو رہے ہیں خاص کر جب رات ہوتی ہے تو ایک گلبدن نازک اندام ایک گلدستہ پیش کرتی ہے اور تمام شب بادشاہ لذت وسرور میں بسر کرتا ہے آخر نوبت اوس معشوقہ کی پہونچتی ہے جس کا وصال طلسم کا خاتمہ ہے۔

یہ نازنین ایسی ماہ طلعت وپری پیکر ہے کہ سارے طلسمات میں ایسی دلکش صورت اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی بادشاہ بیتاب ہو کر اوس سے ہم آغوش ہوا چاہتا ہے وہ اوس وقت اپنی نزاکت جس پیرایہ میں بیان کرتی ہے اوس سے یہ نکتہ حل ہوتا ہے کہ حسن کی سرکار ایسا بلند پایہ رکھتی ہے جہاں شاہانہ جاہ وتجمل اور ملوکانہ آرایش بھی ہیچ ہے۔ بلاحظہ ہو ؎

ترک جادوگرِ فریب انگیز	گفت آیے بزن بر آتشِ تیز
گرد میدان بارگہ بر تست	تن شاہانہ را بباید شست
تا نگردد چو گیرمت بکنار	نازک اندام من زگرد فگار
کہ مرا نام مردم دیدہ است	گرد بر دیدہ ناپسندیدہ است

لیل ونہار شاعر کا یہ بھی کمال ہے کہ اگر اوسے ایک ہی مضمون بار بار کہنا ہو تو ہر مرتبہ اوسے ایک جدید پہلو سے کہے مثلاً آفتاب کا طلوع وغروب جب عالم شاعری میں ہو تو ایک نئے انداز سے ہو اسی کے ساتھ استعارے ایسے ہوں جو اون واقعات سے جن کا تعلق اوس لیل ونہار سے ہے

مناسبت رکھتے ہوں اس کی مثالیں اس مثنوی میں بیشمار موجود ہیں یہاں صرف چار شعروں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

صبح

(۱) بامداداں کہ صبح جامہ سفید — پردہ برداشت از رخ خورشید

(۲) گنبد آسماں چو شد بیدود — گشت روشن جہانِ زراندود

(۳) آسماں چوں ز چشمۂ خورشید — کرد پیراہن زمانہ سفید

(۴) شاہ انجم برسمِ ہر روزہ — چوں برآمد بہ تخت فیروزہ

شب

(۱) شب چو دریائے چرخ پر ز زرنگ — چشمۂ مہر شد بکام نہنگ

(۲) چوں جہاں رخ نمود در پرِ زاغ — شد فلک پر ز صد ہزار چراغ

(۳) در پرِ زاغ چوں نہاں شد مہر — پرِ طاؤس باز کرد سپہر

(۴) چرخ چوں زلف شب فگندہ بدوش — ماہ گشت از ستارہ زیور پوش

ہر شعر کا استعارہ کیا لطف پیدا کرتا ہے اوس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اصل قصہ پڑھنا ضرور ہے یہ کل اشعار ہشت ششم سے لئے گئے ہیں ناظرین اگر چاہیں تو صرف ایک ہی قصہ پڑھ کر شاعر کی طبع روشن کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

وصل و وصال بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا اظہار نہایت ہی مشکل ہوتا ہے کہیں آداب و تہذیب کا قانون زبان کی مقراض بننے کو

تیار ہوتا ہے اور کہیں حیا گلو گیر ہوتی ہے لیکن ایک قادر البیان چند الفاظ کے ایر پھیر میں سب کچھ اس صفائی سے کہہ جاتا ہے کہ مخاطب صحیح سمجھ جاتا ہے اور مقنن منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

خلوت کی باتیں عاشق جانے یا معشوق۔ زبان اوس کا افشا کیوں کر کرے لیکن جس کے قلم میں زور ہے وہ حسن بیان کا پردہ ڈال کر یوں کہتا ہے۔

پہلی مثال

خویش را کردہ بود لعبت سیم
بمراد حریف خود تسلیم

او بدندان عقیق رامی سفت
قدمی خست وانگبیں میرفت

زاں لب لعل می کشید شراب
نقل ہم پستہ بود ہم عناب

دوسری مثال

در برآورد یار زیبا را
کرد خوش جان ناشکیبا را

یافت آں آرزو کہ در سر داشت
کام دل دید و کام دل برداشت

ہمہ شب بابت بہشتی خویش
راند در جوے شیر کشتی خویش

تیسری مثال

عاشقانہ بپاے یار فتاد
کار با بوس و با کنار فتاد

او در آویخت در دو زلف چو شست
گردن خود بطوق مشکیں بست

روے بر رو نہاد دوش بدوش
خرمن گل کشید در آغوش

بردغارت بدرج مروارید   ایں ہمی چیداوہمی بارید

ایک ہی معنی کو گوناگوں رنگیں لباس اور نئے شان اور نئی ادا سے
آراستہ کرنا خسرو کا حصّہ ہے۔

جزئیات داستان نگاری

داستان نگاری کے ذیل میں بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی آ تی جاتی
ہیں جن کا کوئی خاص مرتبہ تو نہیں ہوتا لیکن اون کا بیان اس کا ضرور مقتضی ہوتا
ہے کہ اس انداز سے کہی جائیں کہ خالی از لطف نہوں۔ مثلاً باغ و راغ کوہ و صحرا یا
معشوقوں کا سراپا وغیرہ اثنائے قصّہ میں اگر ان کے بیان میں طوالت کی جای
تو تسلسل میں خلل پڑتا ہے اور اگر انہیں معمولی الفاظ میں کہا جاے تو لطف
بیان جاتا ہے۔ بدیں وجہ ایک باکمال شاعر ہمیشہ ایسے مواقع پر پھولوں کا ایک
چمن کھلاتا ہوا بلبلوں کے چہچہے سناتا ہوا کسی پری جمال کی ایک جھلک دکھاتا ہوا
ناظرین کو اصل داستان کی طرف بڑھائے جاتا ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ بھی اس
مثنوی میں ایسے مقام کا کم سے کم ایک اور زیادہ سے زیادہ تین شعروں میں حق ادا
کرتے ہوئے داستان کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں ۵

وصف معشوقہ

رخ بزیبائی از گل افزوں داشت   پاے تا سر لباس گلگوں داشت
صفحے دید آفتاب درفش   شقۂ بر تن از حریر بنفش

دید کامد میانۂ بازار | شاہدے ہمچو صد ہزار نگار
زلفِ مرغول عنبرآلودہ | ہندوآسا بگل برآمودہ
نرگسش از کرشمہ شور انگیز | کشتہ عشاق را بغمزۂ تیز

باغ وصحرا

لالہ برکف گرفت جامِ شراب | نرگس از مستی او فتاد بخواب
گشتہ باد از شگوفہ عنبر بوے | سبزۂ نو دمیدہ برلبِ جوے
سوبسو از درخت میوہ قطار | شاخ سر بر زمیں فتادہ زبار
دید در پیشِ غار صحرائے | لالہ و گل دمیدہ ہر جائے
کشت در کشت روضۂ چو بہشت | جوے بر جوے بر کنارۂ کشت
بر سر سبزہاے مینا رنگ | ناے کنجشک پُر ز نغمۂ چنگ

اسی طرح کی بہت سی جزئی باتیں ہیں جن کا احاطہ تمثیل وتحریر سے ناممکن ہے ایک وہ شخص جس نے داستان گوئی و داستان نویسی کے فلسفہ کو سمجھا ہے وہی خسرو علیہ الرحمۃ کی واقعہ نگاری کی داد دے سکتا ہے ہشت بہشت و ہفت پیکر کے قصص اگر اس نگاہ سے کوئی مطالعہ کرے تو اسے خسرو علیہ الرحمۃ

کی برتری صاف دکھائی دے گی۔

تشبیہ و استعارے

نظم ہو یا نثر، حالت فرحت و انبساط ہو یا رنج و اضمحلال تشبیہ و استعارے سے کلام بہت کم خالی ہوتا ہے بلکہ بعض او قات بیخواستہ جذبات کا اظہار تشبیہ و استعارے میں ہو جاتا ہے مثلاً حالت غم و اندوہ میں اظہار غمنا کی اس طرح کرتے ہیں کمر ٹوٹ گئی چھاتی پھٹ گئی دل خون ہو گیا۔ حالانکہ ایک غم زدہ مصیبت کا مارا تصنّع و تکلّف کر نہیں سکتا یہ تو جذبات کا زور ہے جو اس کے منہ سے کلمات استعارے میں نکل رہے ہیں۔ اب ایک ایسی چیز جو اس قدر عام ہو سلسلۂ نظم میں کس قدر ندرت و لطافت چاہے گی۔ شاعر کا اس صنف صنعت میں یہ کمال ہے کہ اوس کے استعارے و تشبیہ ایسی روانی و سلاست سے نظم ہوئے ہوں جس میں تکلّف و تصنّع کا شائبہ تک نہو۔ ایسی جدّت و ندرت اوس تشبیہ و استعارے میں ہو کہ اوسے سنکر سامع میں شگفتگی پیدا ہو جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اوس میں پیچیدگی نہو جدّت ہو زور ہو لیکن سامع کو سمجھنے میں تکلّف نہو۔

اب ہم جا بجا سے ایسے اشعار التقاط کرکے لکھتے ہیں جن کے طرز ادا اور حسن بیان میں ندرت تشبیہ یا جدت استعارہ یا کوئی دوسری خوبی ایسی پائی جاتی ہے جو مثنوی کے لئے زیور ہے۔ ایسے اشعار کے مواقع سمجھنے کے لیے قصوں کو ضرور پڑھنا چاہیے۔ یہاں تو صرف کلام کی خوشنمائی و دل فریبی کا بیان مقصود ہے۔

بہشت سوم

زاں طلسمے کہ کرد مرد دلیر   مہ ز برش عطارد آمد زیر

یہ وہ موقع ہے کہ حسن زرگر اپنی حکیمانہ چال سے اُس قید خانۂ بلند سے رہائی پاتا ہے اور اُس کی بی بی جس نے افشائے راز کیا تھا وہ اوپر پہنچکر قید ہو جاتی ہے۔ عطارد کی منزل چاند سے اوپر ہے۔ یہاں معاملہ برعکس ہو گیا۔ اس لیے خوبی مصرعہ ظاہر۔

بہشت چہارم

جان شیریں بدان شکر خاداد   خضرے را دم مسیحا داد

بادشاہ ہرن کے کالبد کو چھوڑ کر طوطی کے قالب میں آیا ہے طوطی ہند کی شکر گفتاری مشہور ہے اس موقع پر اُس کو مسیحا دم بتانا اور رنگ سبز کی باعث خضر سے جنھیں حیات جاوید حاصل ہے تشبیہ دینا قابل لحاظ ہے۔

ایضاً

درز ماں مرغ را بہ خنجر کشت   کشتہ را ہیں کہ باز دیگر گشت

وزیر نابکار کالبد شاہی کو چھوڑ کر مرغ کے مردہ جسم میں آیا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ کوئی ایک بار

مرتا ہی یہ بدشعار وزیر دو بار مرا۔ ایک تو جب اپنے قالب کو رہا کرکے قالب شاہی میں آیا۔ اور ایک جب مُرغ کے قالب میں آکر ذبح ہوگیا۔

ہشت پنجم

بادہ نوشید نشاط فرماید
خسپد و خیزد و فرود آید

جس طرح ایک موصوف کے لیے کئی صفات پے در پے ذکر کرنا صنعتِ تنسیق الصفات ہی اسی طرح چند افعال کا پے در پے ایک فاعل کے لیے بیان یہ بھی صنعت ہی۔

بادشاہ کی بادہ پیمائی، معشوقہ دل نواز سے طرب انگیزی، خواب شیریں کا لطف اور سحر کے وقت بالاخانہ سے اُتر کر باہر آنا یہ سب کس اختصار کے ساتھ ایک شعر میں آگیا ہی۔

ایضاً

کردہ رہ تا بجائیگاہ رسید
زیر زیر زمیں بماہ رسید

جائے گاہ بمعنی منزل گاہ۔ زیر زمیں چل کر ماہ تک پہونچنے کا لطیفہ کیسا نادر ہی۔

ایضاً

شاہ را کامد آں صنم در پیش
گم شد اوّل در و پس اندر خویش

بادشاہ ملکہ کو دیکھکر پہلے اُس کے حسن و جمال سے متحیر و ششدر ہوجاتا ہی۔ پھر اُس کی صورت بعینہ اپنی معشوقہ بادشاہ بیگم سے مُشابہ پاکر دریائے حیرت میں غرق ہوجاتا ہی۔ الٰہی یہ ماجرا کیا ہی۔ غیر کا مکان۔ غریب الوطن میزبان اُس کے گھر بادشاہ بیگم ساقی کی خدمت

کیونکر انجام دے سکتی ہے۔ اس جلسہ میں اُس کا آنا اور اس بے حجابی سے محفل میں حاضرین کو اداے محبوبانہ سے والہ و شیدا بنانا کیونکر ممکن ہے ع

گم شد اوّل در و پس اندر خویش

میں اختصار و وضاحت کو جس طرح جمع کیا ہے وہ قابل ہزار داد ہے۔

بہشت ششم

دیدکامد بروں ز گوشۂ باغ — آفتابے بکف گرفتہ چراغ

صد ہزاراں ستارہ گرد و پیش — خود چو خورشید و شمع اندر پیش

یہ وہ سماں ہے کہ پریوں کی ملکہ پچھلی شب کو چراغ ہاتھ میں لیے باغ میں آتی ہے اور پریاں تاروں کی طرح اس کو حلقہ کیے ہوئے ہیں۔ شاعرانہ اندازِ بیان کا لطف ظاہر ہے۔

ایضاً

شمع راپیش برد قبلۂ حور — او چو پروانہ در حوالی نور

یہ وہ موقع ہے کہ پریوں کی ملکہ کی کنیز سوداگر زادہ کو بلا کر لے جاتی ہے۔ خود شمع لیے ہوئے آگے آگے جا رہی ہے اور سوداگر زادہ اُس کی روشنی میں پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔ پروانوں کا قاعدہ ہے کہ جہاں شمع ہوگی وہاں اُڑ کر آئینگے اور جمع ہونگے۔ اب شمع کو جہاں لے جاؤ وہ اُس کے ساتھ ساتھ ہیں سوداگر زادہ جس لطف و کیف میں کہ اُس کنیز کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے الفاظ میں اُس کی بہتر تصویر کشی اس سے اور کیا زیادہ ہو سکتی ہے۔

ایضاً

بر دغارت دُرجِ مروارید　　　　او ہمی چید ایں ہمی بارید

لطف بوسہ بازی کی یہ ایک اچھوتی تشبیہ ہی۔ جس انداز سے امیر صاحب نے اس مضمون کو بیان کیا ہی یہ اُنھیں کا حصّہ ہی۔ دوسرے کسی شاعر کے کلام میں اس لطف کی ساتھ یہ مضمون نہیں دیکھا گیا۔

ایضاً

صُبح چوں کرد جیبِ ظُلمت چاک　　　　سایۂ خاک رفت ہم در خاک

تاریکی شب زمین کا سایہ ہی۔ جب صُبح ہوتی ہی تو سایہ جہاں سے نکلا تھا اسی جگہ پوشیدہ بھی ہو جاتا ہی۔ بیان کا یہ طرز اپنی جدّت میں کیا شان رکھتا ہی۔

بہشت ہفتم

مو پریشان و رو خراشیدہ　　　　سمن از برگِ گل تراشیدہ

ملکہ نے حنائی انگلیوں سے اپنے چہرہ کو جو نوچا ہی اُس کی کیسی پیاری تشبیہ ہی۔ پھر ایک ہی شعر میں الفاظ پریشان و خراشیدہ و تراشیدہ اظہار رنج و غم کے لیے کس قدر موزوں و جامع ہیں۔ اِس کتاب کی شعر و شاعری کے متعلق جن لطائف کا نمونہ پیش کرنا تھا جستہ جستہ اُن کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

اب دوسری حیثیت سے اس کتاب پر تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت ہی جس سے یہ معلوم ہو کہ محاسن شعری کے علاوہ قصّوں کے ساتھ ساتھ کوئی سبق اخلاق کا بھی ملتا ہی

یا نہیں۔ ان داستانوں سے اصلاح نفس و حصولِ عزت بھی ممکن ہی یا نہیں۔ قصص کے ذیل میں تدبّر و تفکر کا نتیجہ اور اُس کی ترغیب پائی جاتی ہی یا نہیں۔ مصنف نے تصنیف کے وقت ان باتوں کا خیال رکھا تھا یا نہیں، ناقد کو اس سے کوئی بحث نہیں ہاں اگر مصنّف کا خیال بھی کسی طرح معلوم ہو جائے تو یہ ایک اضافہ اُس مصنّف کے کمال میں ہوگا۔ لیکن نقد کے لیے صاحب تصنیف کے خیال کی جستجو ایک عبث شئے ہی۔

الف لیلہ کب لکھی گئی اور آج یورپ اُس پر اپنے نوٹ چڑھاتا ہی جس سے تاریخی معلومات پیدا ہوتے ہیں حالانکہ لکھنے والے کا خیال بھی اس طرف نہیں گیا ہوگا کہ یہ داستان الف لیلہ کسی وقت اُن بیش بہا معلوماتِ تاریخی کا سُراغ بتائیگی۔ مصر کا تمدّن بہت قدیم تھا۔ اُس وقت کی لکھی کوئی تاریخ ڈھونڈو تو نہ ملیگی۔ لیکن اُس کے کھنڈروں میں پھر کرا ور قدیم آثار میں غور و فکر پیدا کر کے عہدِ قدیم مصر کی ایک تاریخ درست کر دی گئی جس پر بہت کچھ اعتماد کیا جا سکتا ہی۔ ایک سُراغ سے لتنے نہانی سراغوں کا پتہ لگا ہی کہ عقل متحیّر ہو جاتی ہی۔

انگریزی میں شیکسپیر کے ڈرامے مشہور ہیں۔ لیکن اب اُن ڈراموں کے شارحین نے وہ بال کی کھال کھینچی ہی اور نکات بیان کیے ہیں کہ شاید شیکسپیر کا وہم بھی وہاں تک نہ پہنچا ہوگا۔ غرض اس سے یہ ہی کہ ناقد کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جس نکتہ کو وہ بیان کرنا چاہتا ہی مصنّف کا ذہن بھی اُس طرف منتقل ہوا تھا یا نہیں۔ اُس کو کامل اختیار حاصل ہی کہ مُفید یا غیر مفید جیسا کچھ بھی وہ نتیجہ حاصل کرے اُسے بیان کر دے۔ لیکن امیر علیہ الرحمۃ

میں یہ کمال ہو کہ جس طرح نظم کی قوت اُن میں وسیع ہو اسی طرح اخلاق کا دامن بھی اُن کا طویل الذیل ہو۔ وہ صرف شاعری نہیں کرتے بلکہ امراضِ روحانی کے لیے تیر بہدف نسخے لکھتے ہیں۔ ادویات کی تلخی کو قصص و حکایات کی شوخی و شاعرانہ تخیل سے خوش گوار زود ہضم بناتے ہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں قصّے تو عیش و عیاشی کے ہیں لیکن ؎

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ است　　　ہر کہ دیدش نقد خود مردانہ است

اگر ذرا تعمقِ نگاہ سے کام لیا جائے تو بشیمار فوایدِ معاشرت و اخلاق اور تمدن وغیرہ کے انھیں قصّوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بہشت دوم میں جو قصہ ہو اُس میں شاہزادوں نے جس طرح آثار و علامات کو دیکھکر حکم لگائے ہیں اُسی سے معلوم ہوتا ہو کہ کائنات کا ہر ذرّہ گوناگوں علوم و معارف کا دفتر اپنی ذات میں پنہاں رکھتا ہو۔ صحیفہ عالم کے مطالعہ کرنے والے انھیں پیش پا اُفتادہ چیزوں سے معلومات کے زر و جواہر رول لیتے ہیں۔ ایک غافل وہاں سے بے خبر گذر کر اُن بیش بہا جواہر سے محروم رہ جاتا ہو۔ کائنات کی طرف امعان نظر سے دیکھنا اور اُس میں تفکر و تدبر پیدا کرنا بڑے بڑے نہانی اسرار کا انکشاف کرسکتا ہو جو تزائدِ عقل، اصلاحِ نفس و ترقی تمدن کے باعث ہو سکتے ہیں انگریزی میں اس طرح کے غور و فکر کو (Observation) آبزرویشن کہتے ہیں۔ فلسفہ طبیعات میں اس کی صدہا مثالیں ہیں۔ بہشت سوم میں حسن زرگر کے قصہ سے یہ نصیحت حاصل ہوتی ہو کہ اپنے راز کی حفاظت ضروری امر ہو۔ خاص کر عورتوں سے اُس کا اظہار بسا اوقات خطرات سے دوچار کردیتا ہو۔ طبقہ اناث کی خلقت کمزور ہو

اور عقل بھی ناقص۔ حسن زرگر نے اپنے راز کو بیوی سے ظاہر کر دیا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے ایک بہت ہی بلند منارہ پر اُس کو مقید کر دیا۔ اسی قصہ سے دوسری نصیحت یہ حاصل ہوتی ہے کہ مصیبت کے وقت اگر دامن صبر ہاتھوں سے نہ چھوٹے تو مخلصی آسان ہے۔ جیسا کہ حسن زرگر نے قید ہو کر اپنی عقل کو پراگندگی سے بچایا۔ اور پھر عقل سے کام لیکر اپنے آپ کو رہا اور مفشیٔ راز کو قید کر دیا۔ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ کمال اگر بخت و اتفاق سے مصائب میں مبتلا ہو جائیں۔ اور حساد و اعدا کا وار اُن پر چل بھی جائے پھر بھی کمال آخر میں انھیں مرتبۂ اعلیٰ تک پہنچا ہی دیتا ہے۔ جس طرح کہ حسن زرگر بادشاہ کی خدمت میں بلند منصب تک پہنچا۔ اس کی طرف امیر صاحب بھی اشارہ فرماتے ہیں ؎

از خرد کارش آں روائی یافت   کز ملک شغل کد خدائی یافت

تا بدانی کہ ہر کرا خرد ست   آرزوہاش در کنار خود ست

ان دو شعروں سے یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ خسرو کا مقصد قصہ خوانی نہیں ہے بلکہ تلقین و نصیحت کا یہ ایک پیرایہ ہے۔ ہاں یہ سوال ایک سطحی نظر کا شخص کر سکتا ہے کہ نصیحت کسی ایسے قصہ سے بھی بیان کی جا سکتی تھی جس میں اس طرح کے مضامین خلاف تقدس نہ ہوتے۔ لیکن ارباب فن جو اپنے پہلو میں ایک درد مند دل رکھتے ہیں وہی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ نصائح کے محتاج وہی بیچارے گنہگار ہیں جن کا حاسہ اخلاق اسقدر مردہ و بے حس ہو گیا ہے کہ نیکی و کمال کے محاسن سنکر اُن کے حاسۂ اخلاق میں جنبش تک نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے سمجھانے کا یہی طریقہ بہتر ہے کہ وہ جن معائب میں مبتلا ہوں

قصہ اُنھیں کے رنگ کا چھیڑا جائے۔ ہم مشربی وہم رنگی اُن کی توجہ کو کامل طور سے
مبذول رکھیگی۔ لیکن جب کہ آخر میں نتیجہ رسوا کن نکلیگا تو اُن کو یقیناً خود بخود یہ خیال پیدا
ہوگا کہ جس طرح ہمارے ہم مشرب کو رسوا ہونا پڑا ہوسکتا ہی کہ ہمیں بھی رسوائی نصیب
ہو۔ بہرحال اس بحث کا یہ محل نہیں۔ یہاں تو صرف اسقدر بیان کرنا ہی کہ خُذْ مَا صَفَا
دَعْ مَا کَدَرَ۔ ہزل بگزارجداز وبرداز کو پیش نظر رکھکر اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت کچھ
زر وجواہر خرابہ سے بھی مل سکتے ہیں۔ کیسے مُبارک نفوس تھے مسلین سلف کے
جن کے ہزل میں بھی فوائد منافع تھے۔

مقابلہ ہفت پیکر وہشت بہشت

اس سے پیشتر کہ مقابلہ میں دونوں کا رنگ دکھایا جائے یہ کہدینا مناسب ہی
کہ مقصود دونوں حضرات کے لطف کلام کا اظہار ہی نہ کسی کی پستی وبلندی دونوں کلام
اپنے اپنے رنگ میں ارفع واعلیٰ۔ پستی کا کسی جانب گزر کہاں۔ دونوں ہمارے
ہر حیثیت سے پیشوا ومقتدا۔ ہاں جس کے کلام میں جو لطف ونزاکت کہ فقیر نے سمجھی ہی اُسے
اپنی فہم کے مطابق اہل وطن کے سامنے پیش کردیا ہی۔ اگر انھیں بھی پسند آئے تو
چشم ما روشن ورنہ دلِ ما شاد۔ یہ تو اپنا اپنا مذاق ہی اور اپنا اپنا معیار ہے

نہ مرا گوش بہ مدحے نہ مرا ہوش ذمے ... نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
جز من وچند کتابے ودوات وقلمے ... منم وکنج خمولی کہ نہ گنجد درسے

حمد | حمد کا مضمون ایسا دلچسپ ترانہ اور دلکش نغمہ ہے کہ تمام عالم حیوان، نبات وجماد کی زبان قال وحال کا ساز اوس کے کیف ولطف سے ترنم ریز مستی وسرور ہی جس کی سبحہ گردانی کا اظہار خود محمود کے اس روح افزا صوت وصدا سے ہو رہا ہے کہ یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض مگر جس کو دیکھئے ایک نئی دھن سے گا رہا ہے اور جس پر نظر کیجئے ایک عجیب بیخودی کے جوش میں الاپ رہا ہی الحق ؎

اے ترا با ہر دلے رازے دگر ہر گدا را بر درت نازے دگر

پھر انسان جس کی دستار فضیلت پر علّمہ البیان کی کلغی سجائی گئی ہو اس کی شیوہ بیانی کا کیا پوچھنا۔ علی الخصوص رہروان سلوک ومعرفت تو کچھ ایسے دلکش سازمیں حمد کی صدا سنا جاتے ہیں کہ صدیوں بعد جب کبھی ان کے کلام کا اعادہ کیا جاتا ہے تو ارباب ظاہر وغفلت شعار بنی آدم بھی تھوڑی دیر کے لئے وجد میں آکر بیخود ہو ہی جاتے ہیں۔ اس وقت حضرت نظامی وحضرت امیر خسرو (علیہما الرحمۃ) کی مثنوی ہفت پیکر وہشت بہشت سے چند اشعار لیکر پیش کرتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو کہ اوس قادر مطلق نے ان شیریں بیانوں کو کیسی قوت وقدرت عطا فرمائی تھی کہ باوجود امتداد دہر وتغیرات گوناگوں آج بھی آن کے کلام کی حلاوت اوسی طرح ذوق نواز ہے۔

حمد کے ارکان | حمد میں چند باتیں ہیں جنھیں ایک باکمال سخنور علی الترتیب بیان کیا کرتا ہے سب سے پہلے واجب الوجود وقدیم بالذات کا مسئلہ آتا ہی اس کے بعد

ربوبیت وتخلیق کا مضمون۔ پھر عبد ومعبود کا علاقہ اور آخر میں نیاز مندی و مدعا طرازی انھیں عناصر اربعہ سے ایک حمد کامل حمد کہی جاتی ہے جس کا طریقہ خود اوس جل مجدہٗ نے سورۂ فاتحہ میں بتادیا ہے۔

اس وقت تفصیلی بحث تو ان دونوں باکمالوں کے مضمون حمد پر مقصود نہیں لیکن جستہ جستہ بعض اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں جس سے اقلیم سخن پر اُن دونوں سخنوروں کے سلطنت کی نوعیت معلوم ہوگی۔

مسئلہ وجوب وقدم

نظامی	خسرو
اے جہاں دیدہ بود خویش از تو	اے کشایندۂ خزانۂ جود
ہیچ بودے نبود پیش از تو	نقش پیوند کارگاہ وجود
آفرنیدۂ خزانۂ جود	بودنی راہمیشہ بود از تو
مبدع وآفریدگار وجود	بود نابود را وجود از تو

مولٰنا نے جس خوبی سے ذات عز اسمہٗ کا وجوب وقدم اور خالق جملہ کائنات ہونا بیان فرمایا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جس سادگی سے دلیل لائی گئی ہی اور ایک کے تسلیم سے دوسرے کا لزوم جس خوبی سے پیدا کیا ہے اوس کے سامنے حکماء ومتکلّمین کے دلائل ہیچ ہیں اوس پر بود و نبود اور جود و وجود میں صنعت تجنیس واشتقاق صنائع لفظی کی عمدہ مثال۔

لیکن اسی مضمون کو جس روانی و سلاست سے کہ خسرو کہتے ہیں اوس کی برتری وبلندی صاف عیاں ہے۔ پہلا شعر دوسرے شعر کا جواب ہی اور دوسرا شعر پہلے شعر کا نقش ثانی وہی الفاظ ہیں اور اوسی صنعت تجنیس واشتقاق کے التزام کے ساتھ اوسی مضمون کی تکرار ہے مگر قابل لحاظ یہ امر ہے کہ چند نئے الفاظ کی نئی ترکیب نے اصل مضمون کو کس درجہ اوج کمال پر پہونچا دیا ہے۔ خاص کر دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ "بودنی را ہمیشہ بود از تو" جہاں ذات باریتعالی کے خالق ہونے کا اقرار ہی وہاں مادیین کے ایک ملحدانہ مسئلہ کا جواب بھی ہے۔

یہ حق ناشناس فرقہ کہتا ہے کہ جس قدر اشیا کا ظہور عالم میں ہو رہا ہے وہ تنوعات حرکت اور مادۂ قدیم کی جنبش کا نتیجہ ہے خسرو اس خیال باطل کا رد کرتے ہیں اور صحیح فلسفہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ہر ایسی شئے جو ہست ہونے کی قابلیت رکھتی ہے وہ ہمیشہ ہر آن و ہر زمان تجھی سے خلعت وجود پہن رہی ہے تیرے سوا کوئی خالق کسی شئے کا ہو نہیں سکتا۔ اسی شعر کا دوسرا مصرعہ "بودنا بود را وجود از تو" لطف صنعت تضاد کے ساتھ تمام ماسوی اللہ کے وجود امکانی کو جو نیستی سے فضائے ہستی میں آیا ہے جس طرح وجود واجب کی تجلّیات کا مظہر بتا رہا ہے وہ بھی قابل ہزار داد ہے۔ مولانا نظامی نے جس قدر مضمون کہ اپنے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں کہا تھا اوس سے بہت زیادہ اس دوسرے شعر کے ایک مصرعہ میں موجود ہی۔

اب ایک نظر اس پر ڈالنی چاہیے کہ خسرو نے ان خوبیوں کے علاوہ بندش

والفاظ میں کیا ترقی کی ہے مولنا نظامی نے خداوند کریم کو خزانہ جود کا آفرینندہ اور امیر خسرو نے خزانۂ جود کا کشایندہ قرار دیا ہے اس وقت فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ خزانہ جود کے لئے اوس کو کشایندہ کہنا زیادہ فصیح اور بلاغت کا پہلو لئے ہوئے ہے یا آفرینندہ کہنا کوئی خاص لطف پیدا کرتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اہل مذاق صحیح خزانہ کے لئے فتح و کشود کو زیادہ مناسب سمجھیں۔

اسی طرح مولنا نظامی کے کلام میں مبدع کا لفظ جس کی تفسیر عطف تفسیری کے ساتھ لفظ آفریدگار نے کی ہے وہ لطف نہیں پیدا کرتا ہے جو امیر خسرو کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں صرف ایک لفظ نقش پیوند نے اپنی چست بندش سے ایک خاص خوبی پیدا کر دی ہے۔

قاعدہ ہے کہ جب کوئی مقلد کسی مضمون میں کسی موجد کی تقلید اس طرح کرے کہ وہ اوسی مضمون خاص کو اونھیں الفاظ میں ادا کرنا چاہے جس کو پیش رو نے اختیار کیا تھا تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مقلد چاہے جس قدر کوشش کرے لیکن اوس اصل کے مقابل اہل معنی یہ ضرور امتیاز کر لیتے ہیں کہ وہ اصل ہے اور یہ نقل۔ مگر خسرو میں یہ خاص کمال اور اہل فن ہونے کی دلیل ہے کہ وہ اپنے حسن کلام اور زور بیان میں مقلد نہیں سمجھے جا سکتے۔ بلکہ ہر موقع پر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنی روش خاص میں اس بندش و ترکیب کے خود موجد ہیں۔

دوسری خصوصیت خسرو کی یہ ہے کہ جس مضمون کو مولانا نظامی نے انتہائے بلندی تک پہونچا دیا ہے اور اس میں کوئی پہلو کمال کا باقی نہیں رہا تو وہاں سے خسرو صاف آگے نکل جاتے ہیں اور اسے ہاتھ تک نہیں لگاتے لیکن جہاں مضمون تشنہ ہی تو پھر وہاں یہ مینہ برسا دیتے ہیں خسرو کی یہ دونوں خصوصیتیں آپ کو جابجا ملینگی۔

وحدت الوجود

نظامی	خسرو
سازمند از تو گشت کار ہمہ	لاے توحید اژدہاست بپاے
اے ہمہ آفریدگار ہمہ	کہ خدایان خورد بغیر خداے
ہستی و نیست مثل و مانندت	اندر آن لاے معرفت پیشہ
عاقلان جز چنیں ندانندت	لام الف گشت پاے اندیشہ
	ہست بی نیست آشکار و نہفت
	ہم تو بی جز ترا نشاید گفت

مولانا کے شعر میں ہست و نیست مثل و مانند میں جو لفظی تناسب ہے اس کا لطف ظاہر ہے لیکن عقلا کے علم و عرفان کا (ہستی و نیست مثل و مانندت) میں انحصار جیسا کہ واقعہ ہے ویسا ہی دلکش طرز میں ادا بھی ہوا ہے مگر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ وحدت الوجود کا ایک سرجوش جرعہ ہے جو ہزاروں خم کا نشہ رکھتا ہے

ایک ہی مصرعہ میں ایسے اہم مسئلہ کو اس صفائی و سادگی سے بیان کر جانا مولانا نظامی کا حصہ ہو گیا اس مسئلے کی تحقیق جسے حاصل ہو گی وہ (رائے ہمہ آفرید گار ہمہ) کی جب تکرار کرے گا ایک لطف تازہ پائیگا امیر خسرو نے بھی اس مسئلہ کو بیان کیا ہے لیکن آپ نے یہاں بھی وہی طرز اختیار کیا جس طرز کے وہ خود موجد و امام ہیں یہ طرز بیان کچھ اس مثنوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سرکار خسروی کی اقلیم سخن کا یہ بے بہا جواہر اکثر اصناف نظم میں درخشاں و تاباں ہے چنانچہ وہ معرکۃ الآراء قصیدہ مرأۃ الصفا جو خاقانی کے جواب میں ہے اوس میں فرماتے ہیں ؎

زدر یائے شہادت گر نہنگ لا برآرد سر تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش

اس شعر کی شرح میں مولانا جامی کا ایک رسالہ بھی ہے۔ مذکور الصدر اشعار مثنوی کو پڑھئے قطع نظر اس تجنیس و تناسب کے جو بہ پا اور پائے اندیشہ لا و لام الف میں ہے مقام نفی و اثبات کو کس عارفانہ و مجددانہ طرز سے بیان کیا ہے۔

کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کے جو رموز و دقائق ائمۂ تصوّف نے بیان کئے ہیں اُن میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ توحید الوہیت عین وحدت الوجود ہے۔ افسوس کہ اوس شرح کی یہ تنقید متحمل نہیں ہو سکتی۔ بہر حال یہ اشعار وحدت الوجود کے لئے ایک بلاغت کے ساتھ گویا ایک حق نما آئینہ ہیں فہم من فہم۔

اب خسرو کا تیسرا شعر ملاحظہ ہو ؎

ہست بی نیست آشکار و نہفت ہم تو ئی جز ترا نشاید گفت

یہ شعر در اصل مولنا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہے فن معقول میں واجب کی تعریف یہ ہے کہ جس کی ہستی ضروری اور نیستی محال ہست بے نیست اوسی کا ترجمہ ہے۔ ماسوی کا ترجمہ جز ترا واقع ہوا ہے اب شعر پھر پڑھو ہست و نیست آشکار و نہفت میں صنعت تقابل و تضاد کی خوبی عالم امکان کی بے ثباتی وجود واجب کا صورتاً و معناً ثبوت، ہوالاول والآخر والظاہر والباطن کی طرف رہبری ایک مضامین گوناگوں کا ہجوم اس شعر میں پاؤگے۔

ربوبیت

نظامی

تو دہی صبح را شب افروزی روز را نور و مرغ را روزی

خسرو

شب فرستی و شب فروزی ہم روزی آری فراخ روزی ہم

مولنا کے یہاں روز و شب کا مقابلہ افروزی و روزی کا تناسب قابل تعریف مگر صبح و شب اور روز و نور کے سلسلے میں روزی مرغ کا ذکر کسی قدر اجنبی مرغ کی صبح سے مناسبت ظاہر لیکن روزی مرغ کی تخصیص ذرہ غریب۔

امیر خسرو کے شعر میں شب و روز کے تقابل اور فروز و روز کے تناسب کے ساتھ اصل مضمون ایک خاص خوبی سے ادا ہوا ہے جس طرح شب افروز ماہ ہے اوسی طرح فراخ روز آفتاب جس کا تقابل تناسب معنوی کا عمدہ پہلو ہے مگر بحالت یاے مجہول

آفتاب کو فراخ روز اور بحالت یاے معروف فراخ روزی کہنا اس ترکیب میں دو معنی کا ایہام ہے جن میں ہر ایک بجاے خود لطف سے خالی نہیں اوّل فراخ روز اُس شخص کو کہتے ہیں جو بخت و دولت میں اوروں سے زیادہ حصّہ رکھتا ہو۔ اس اعتبار سے تمام کواکب کے مقابل آفتاب اس صفت میں مخصوص ہے۔ دوم فراخ روز و فراخ روزی کی ترکیب لفظی دلالت کرتی ہے کہ جو شخص روز یا روزی کا ذریعہ ہے وہ فراخ روز یا فراخ روزی سمجھا جائیگا ایسی حالیتں جبکہ آفتاب ہر روز کی روشنی کا ذریعہ اور مربی نباتات ہے بہرنوع وہ فراخ روز یا فراخ روزی ہو سکتا ہے۔

نظامی	خسرو
اے بتو زندہ ہر کرا جانیست	گر بجاں زندگی ست حیواں را
وز تنور تو ہر کرا نانیست	زندگانی تو میدہی جاں را
بحیات ست زندہ موجودات	جاں کہ او را بہا نداند کس
زندہ لیک از وجود تست حیات	رایگانش دہی بمور و مگس

مثنوی کی سلاست موجود رکھتے ہوے خدا کی رزاقی و حیات بخشی کو معمولی طور پر بیان کیا ہے پہلے شعر میں اس کے سوا کوئی خاص خوبی نہیں ہے ہاں دوسرا شعر مولانا کے کمال کا شاہد ہے اور آپ کی خلاقی مضمون کا نمونہ۔ لیکن خسرو کے یہاں یہی مضمون ایسے طرز سے ادا ہوا ہے کہ اُس میں جان پڑ گئی۔ زندگی و زندگانی

کا تناسب اور مور و مگس کا مقابلہ جان کے عزیز و بے بہا ہونے کو تیسرے مصرعہ میں ثابت کرتے ہوئے خزانہ کریم کی بے دریغ بخشش کو "رایگانش دہی" کے ساتھ بیان کرنا عجیب جاں نواز انداز ہے۔

خسروؒ کا پہلا شعر مولنا کے دوسرے شعر کا نقش ثانی ہے جس کے خط و خال زیادہ دلپذیر ہیں لیکن دوسرا شعر خاص خزانہ خسروی کا درشاہوار ہے۔

مدعا طرازی

نظامی	خسرو
چوں کہ بر در گہہ تو گشتم پیر	آمدم بر درِ تو بے خود وار
زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر	باخودم دار و بیخودم مگذار
چہ سخن کیں سخن خطاست ہمہ	بجرم رخت خواجگیم بسوز
تو مرائی جہاں مراست ہمہ	بندہ ام خوانۂ بندگی آموز
منِ سرگشتہ راز کار جہاں	دُور کن باد خسروی ز سرم
تو توانی رہاند باز رہاں	پُر کن از خاک بندگی بصرم

مولنا کے اشعار دعائیہ پڑہو۔ اُن سے یہ معلوم ہوگا کہ ایک وہ بندہ جسکی عمر آستانہ خالق پر بسر ہوئی ہے پیری کی حالت میں جب مقام خوف کی سیر کرتا ہے تو (زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر) کی صدا بلند کرتا ہے پھر جب مقام رجا پر پہونچتا ہے اوس وقت (تو مرائی جہاں مراست ہمہ) کا جلوہ اوس کے پیشِ نظر

ہوتا ہے ان سب سے اوس بندے کی شکستگی وخاکساری اور توکل وقناعت کلی صاف ظاہر ہے لیکن یہی دعا جب خسرو کی زبان سے نکلتی ہے تو سوز و گداز سوختگی و برشتگی بیہوشی وخود فراموشی میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے پھر دعا کا خاتمہ جس مدعا پر کیا ہے وہ کمال بلندی حوصلہ سے مشعر ہے۔

بیخودو باخود وخاک وباد کا تقابل وتناسب باد خسروی کا ایہام اور خواجہ وبندہ کا تلازم گویا صنایع لفظی ورعایات معنوی کا گنجینہ ہے اور نفس مضمون کو جس خوبی سے بیان کیا ہے اوس کا پورا لطف اہل معنی کو آسکتا ہے۔ خاص کر تیسرے شعر میں جس مدعا کی خواستگاری کی گئی ہے وہ تصوف وسلوک کے ایک بڑے مقام کی آرزو ہے بظاہر اس کے یہ معنی ہیں کہ کبر ونخوت کو میرے دماغ سے دور کردے اور نیازمندی وبندگی کی خاک سے میری نگاہ کو بھر دے لیکن حقیقتاً غرض یہ ہے کہ خودی وہستی کے خیال کو میرے سر سے نکال تاکہ میں خود کو مٹا کر فضاے خدائی کی سیر کرسکوں جسے اصطلاح صوفیہ میں سیر فی اللہ کہتے ہیں اور میری آنکھوں کو جو لوازم بندہ وحادث کی دیکھنے والی ہیں اونھیں لوازم بندگی کی خاک سے پُر کردے تاکہ مجکو لوازم بندگی بالکل نظر نہ آئیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب خاک سے بصر پر ہو جاتی ہے تو بینائی کچھ کام نہیں دیتی ہے۔ حمد کے یہ چند اشعار جو ان دونوں باکمالوں کے پیش کیے گئے اُن میں اتحاد مضمون تھا جس سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ ایک ہی مضمون ومفہوم کون کس نکتہ سنجی سے ادا کرتا ہے

اب چند اشعار بلا مقابلہ ایسے نقل کیے جاتے ہیں جن کا مضمون باہم متحد نہیں ہے

نظامی	خسرو
نام تو کا بتدای ہر نام ست	از تو خاکی خوش آتشی ناچیز
اوّل آغاز و آخر انجام ست	بولہب خوار و بوتراب عزیز
اوّل الاولی بسبق و شمار	ہر کرا شکر گوے خویش کنی
آخر الآخری بآخر کار	نعمتش را بشکر بیش کنی
ہر کسے نقشبند پردۂ تست	وانکہ باشکر نبودش خویشی
ہمہ ہیچند کردۂ تست	گوشمالی دہی بدرویشی
ہمہ را روے باخدا دیدم	
واں خدا برہمہ ترا دیدم	

مولانا نے دوسرے شعر میں ہوالاوّل و ہوالآخر کے مضمون کو جس سہل ممتنع الفاظ میں فصاحت و سلاست کے ساتھ بیان کیا ہے اوس کی خوبی ذوق سلیم چاہتی ہے اسی طرح دیگر اشعار بھی اپنی اپنی روش میں ایک خاص معنی رکھتے ہیں۔

خسرو کے یہاں بھی پہلے شعر میں لف و نشر مرتب اور خاک و آتش خوار و عزیز کے تقابل کے سوا جو معنوی تناسب بولہب و بوتراب میں ہے اوس کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی پھر خاک کی خوشی اور آگ کی ذلّت پر بوتراب کی عزت اور بولہب کی ذلّت کو شاہد بنانا ایسی حسن التعلیل ہے کہ اوس کا اظہار غیر ممکن ہے۔

نعت شریف

حمد کے بعد نعت کا مضمون گویا لازم و ملزوم کے مثل ہے ایک نکتہ داں شاعر نعت میں ایسے مضامین رنگینی کے ساتھ بیان کرتا ہے جن سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت آپ کی شان کی عظمت وجلالت ظاہر ہوتی ہے نیز وہ کمالات جو پیغمبر روحی فداہ کے ساتھ مخصوص ہیں اوس کا بیان بھی جذب قلوب کے لئے نعت کا ایک عنصر قوی ہے۔ اگر مضامین نعتیہ کی تحلیل کی جائے تو حسب ذیل اجزا اُس کے قرار پائیں گے۔

(۱) مرتبہ ایجاد میں ذات مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل و اوّل ہونا۔

(۲) رسالت ونبوت کا ذات اقدس پر خاتمہ۔

(۳) آپ کی رسالت کا عامہ وتامہ ہونا۔

(۴) آپ کی شریعت کا تمام شعبہائے حیات انسانی کے لئے ایک کامل دستور العمل ہونا۔

(۵) آپ کے اخلاق مثل شفقت، رحم، عطا، سخا، شجاعت، ہمت وغیرہ وغیرہ اور معجزات۔ انہیں مضامین سے رنگیں بیان شاعر نعت کا ایک روح پرور گلدستہ تیار کرتا ہے۔ اِس مختصر تمہید کو یاد رکھتے ہوئے بُلبلانِ گلزار مدینہ کی نغمہ سرائی سننا چاہیے۔

نظامی	خسرو
نقطۂ خطّ اوّلیں پرکار	روشنائی دہِ چراغ یقیں
خاتم کار آفرینش کار	نور پیشین و شمع باز پسیں

نظامی

نو بر باغ ہفت چرخ کہن
درۃ التاج عقل و تاج سخن

خسرو

نور او کز سپہر صد چند ست
مہ شگاف و سپہر پیوند ست
انبیا پیش آں خجستہ چراغ
طفل گہوارہ در مقام بلاغ

مولانا نے اوّل ما خلق اللہ نوری اور خاتم النبیین کے مضمون کو نہایت پسندیدہ طور پر بیان کیا ہے اوّل و آخر کا مقابلہ نقطہ و خط کا تناسب نو و ہفت میں سیاقۃ الاعداد کا التزام جیسا کہ قادر البیانی کا مولانا کے ثبوت ہے ویسا ہی عقل و تاج سخن کا درۃ التاج کہنا ایک نکتۂ جاں نواز ہے۔

یہی مضامین اشعار خسرو میں ہیں یہاں مقصود کا بیان بدلالت التزامی ہے جس کا لطف ظاہر ہے پیشین و پسیں شگاف و پیوند کا تقابل روشنائی، چراغ، نور و ماہ و سپہر کا تناسب مہ شگاف و سپہر پیوند کی تلمیح ایسے صنایع ہیں کہ شعرا کو جن کی بندش میں طرح طرح کی دشواریاں واقع ہوتی ہیں اور یہاں بے تکلّف زبان قلم سے نکلا پڑتا ہے ان محاسن کے علاوہ مولانا کے مطلع کا پورا مضمون ایک خاص بلاغت کے ساتھ امیر خسرو کے یہاں صرف ایک مصرعہ میں ادا ہو جاتا ہے نور پیشین و شمع باز پسیں۔ پھر یہ کیسی بلیغ نعت ہے اور الخلق کلہم من نوری و سراجاً منیرا کی کیسی معنی خیز تفسیر بیشک اسی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تجلیاں ہیں جو انبیاے سابقین کی معصوم و مقدس حیات اور اُن کے

چشمۂ تبلیغ کی روانی و شیرینی ہمیں محسوس ہو رہی ہے اور بیشک یہ واقعہ ہے کہ ایک شمع سے ہزاروں شمعیں جگمگا اٹھتی ہیں۔ پس وہ شمع جسے اُس حیّ و قیّوم نے عرب کے دو سوکھے پہاڑوں میں روشن کیا اُس سے بیشمار شمعیں روشن ہوئیں اور ہوتی رہیں گی ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

پھر مہ شگاف کے لفظ میں معجزہ شق القمر اور سپہر پیوند میں آسمان کے خرق و التیام کی تلمیحیں حسن بیان کا نمک ہیں۔ تیسرے شعر کی چستی اور الفاظ کا باہم دست و گریباں ہونا ایسی وجدانی کیفیت ہے کہ اُس کا لطف بیان میں نہیں آسکتا۔ مضمون اس شعر کا ایسا بلیغ ہے جس پر صد آفرین و مرحبا۔ دیکھو تمام انبیا علیہم السّلام کی تبلیغ ایک خاص قوم تک محدود تھی اور اُن کی شریعت ایک خاص دور ایّام کی مصلح۔ ان انبیاء علیہم السّلام کا کیا ذکر جن کی تبلیغ و تعلیم سے اُمّت محروم رہی اور اُنھیں اپنی اُمّت ہی کے ہاتھوں جامِ شہادت پینا پڑا۔ اُن اولوالعزم انبیا علیہم السّلام کو دیکھو جن کی دعوت تبلیغ کو لبیک کہا گیا کہ افرادِ اُمّت میں سے کسقدر اُن کے متبع ہوئے اور متبعین کہاں تک اُس تعلیم کا اثر تھا۔ بنی اسرائیل کا موسیٰ سے یہ کہنا کہ یا موسیٰ اجعل لنا الٰہاً کما لھم آلھہ۔ (یعنی اے موسیٰ ہمارے لیے بھی تو ایک ویسا ہی معبود تیار کر جیسا کہ اُن لوگوں کا معبود ہے) اور عیسائیوں کی تثلیث کیا ظاہر کرتی ہے۔

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جل مجدہ نے خاتم النبیین، کافۃ للناس، رحمۃ للعالمین فرما کر آپ کے دامن رسالت کو ایسا وسیع فرما دیا کہ تمام عالم علوی و

سفلی اوس کے سایہ رحمت میں تا یوم محشر آ گئے دعوت تبلیغ و تاثیر توحید کا نقش دیکھنا ہو تو مہاجرین و انصار کا تصور کر لو۔ آغاز اسلام میں کیا کچھہ مصائب ان نفوس قدسیہ پر نہ گذر گئے مگر توحید سے ذرہ برابر جنبش نہو ئی آج بھی کلمہ شہادت کا اقرار خالص توحید کا ثبوت دے رہا ہے اس شعر کو اب پھر پڑھو ۵

انبیا پیش آں خجستہ چراغ　　طفل گہوارہ در مقام بلاغ

رسالت ختم المرسلین کے کیسے دقیق نکتوں کی طرف اشارہ ہے فتدبروا یا اولی الابصار

نظامی	خسرو
اولیں گل کہ آدمش بفشرد	خاتم چرخ زادہ ز انگشتش
صاف او بود دیگراں ہمہ درد	پدر او چکیدہ از پشتش
و آخریں دور کاسماں راند	اوست جانے کہ قالبش بیقیں
خطبۂ خاتمیت او خواند	جان روح القدست و روح امیں
ایں جسد را حیات ازاں جان ست	
ہمہ تختند و او سلیمان ست	

مولانا کے اشعار میں اول و آخر صاف و درد جسد و جان کا تقابل اور خاتم و سلیمان و تخت کا تناسب لفظی و معنوی نہایت ہی پسندیدہ ہے۔ وجود باجود کو اصل الاصول اور بدایت و نہایت کا ذات اقدس سے تعلق ثابت کرنے کے لئے جو الفاظ جمع کئے ہیں ہر ایک اون میں سے ایک در خوش آب (ہمہ تختند و او سلیمان ست) ہیں

(ہما فیض حاں)

ایک نئی ترکیب سے سلطان کونین کی حکمرانی ظاہر و باطن کا اظہار۔

مگر خسرو نے اس موقع پر نازک خیالی اور مضمون آفرینی کی جدّت کو اوج کمال پر پہونچا دیا ہے دونوں کے پہلے شعر کو پڑھو ذات گرامی روحی فداہ کے اصل ہونے کو جس طرح خسرو نے بیان کیا ہے اوسکی بلندی علانیہ پاؤ گے۔ کنت نبیا و آدم بین الماء و الطّین۔ انا من نور اللہ و الخلق کلّھم من نوری کی تلمیح کیسی لطیف ہے حضرت عیسیٰ جن کا لقب روح اللہ اور حضرت جبرئیل جن کا لقب روح الامین ہی ادن کی جانوں کو جان نازنین کا قالب قرار دینا اشعار نعتیہ کی روح ہے۔

خسرو	نظامی
امّی و حرف سنج تخت کُن	امّی و امّہات را مایہ
قلمش راست کار و راست سخن	عرش سایہ است عرش را سایہ
کاف و نون یک قم ز نامۂ او	پنج نوبت زن شریعت پاک
لوح محفوظ زیر حنامۂ او	چار بالش نہہ ولایت خاک
بہتریں نقطۂ رسل بشمار	ہمہ ہستی طفیل او مقصود
آسماں دائرہ است و او پرکار	او محمدؐ رسالتش محمود

مولانا کے اشعار میں امّی و امّہات محمد و محمود کا اشتقاق پنج نو اور چار میں سیاقۃ الاعداد مثنوی کا زیور ہے۔ لیکن آپ کے اُمّی ہونے پر آپ کو مایۂ اُمہات جو کہا ہے ایسی عجیب و غریب نعت ہے کہ مولانا غالباً اُس کے موجد ہیں۔ فقیر کے علم میں

کسی دوسرے شاعر نے اس لفظ کو اس طریق سے نہیں باندھا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ان دونوں فدائیان رسول نے نظم میں بیان کیا ہی نثر میں ایسی تصویر کشی کی جائے کہ تمام خط و خال اُس کے واضح ہو جائیں لیکن مدعی متعصب کا خیال قلم زد کرتا ہے اس لئے صرف ایک اشارہ کرتا ہوں کہ اصطلاح شعر الفظ امہات میں ارباب فلاسفہ سے الگ ہے حکما کی اصطلاح میں امہات سے مراد اربعہ عناصر ہوتے ہیں لیکن شعرا کے نزدیک کبھی اس کا اطلاق عالم علوی و عالم سفلی پر ہوتا ہے اور کبھی امہات سے امہات اسماء مراد ہوتے ہیں جو موافق مذہب صوفیہ الاوّل والآخر والظاہر والباطن یہ چار اسماء الٰہیہ ہیں ان لطیف اشارات کا لحاظ رکھتے ہوئے شعر پڑھیے اور ہزاروں داد دیجیے۔

خسرو بھی علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں۔ امیّ ہونے پر عالم ماکان و مایکون ہونا لوح محفوظ کا آپ کے زیر خامہ ہونا بہترین نعت ہے اس پر لوح و حرف تختہ و قلم کاف و نون نقطہ و دائرہ و پرکار کا تناسب نہ پنج میں سیاقۃ الاعداد ان صنائع نے مثنوی کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے لیکن مایہ امہات جو تاثیر بے اختیار پیدا کرتا ہے وہ لطف کہاں۔

نظامی	خسرو
شاہ پیغمبراں بہ تیغ و بہ تاج	ختم پیغمبراں یار خدائے
تیغ او شرع و تاج او معراج	گمرہاں را بصدق راہ نمائے

خسرو	نظامی
منکر شرع راز اصل و فرع	امر و نہیش براستی موصوف
سر زدہ ہم بتازیانۂ شرع	نہی او منکر امر او معروف
بہدایت دلیل بے دیناں	ہرکہ برخاست میفگندش پست
بشفاعت پناہ مسکیناں	وانکہ او فتاد میگرفتش دست
چون بحجّت زہر دعوی خاست	تیغ ازیں سو بقہر خوں ریزی
حجّت او را درست دعوی راست	رفق ازاں سو بمہر ہم آمیزی
درجہاں گیری از زبر تا زیر	مرہمش جاں نواز تنگ دلاں
ہم زبانش درست وہم شمشیر	آہنش بند سارے سنگ دلاں

سیاست نبوی کا سیاست سلطانی سے جس خوش اسلوبی سے فرق بتایا ہے وہ قابل لحاظ ہے جس نے غزوات کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہوگا اس مقام کا لطف اوسے آئیگا ستم شعاروں کی سرکوبی کے ساتھ مجروح دلوں پر رحمت وشفقت کا کیسا پھایا رکھا ہے۔ ان باکمالوں نے حمد ونعت میں مسائل صحیحہ کی ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ اگر صحیح مذاق سے ان کی کتابیں پڑھی جائیں تو بہت کچھ عقل کی روشن کرنے والی باتیں معلوم ہوں باعتبار مضمون ومفہوم دونوں حضرات کے اشعار یکساں ہیں لیکن شاہ پیغمبراں میں وہ قوت نہیں جو ختم پیغمبراں میں ہے۔ اسی طرح خسرو کے اس مصرعہ میں کہ "بشفاعت پناہ مسکیناں" جو شان رافت ورحمت عیاں ہے وہ "مرہمش جاں نواز تنگ دلاں" سے زیادہ ہے۔

نعت میں بھی تقریباً وہ اشعار لکھ دیے گئے جن کے مضمون باہم مشترک تھے
اب خسرو اقلیم سخن کے اوس نعتیہ مضمون کو دیکھو جس کے یہ خود موجد ہیں اور تمام
متاخرین اسی چمن ہمیشہ بہار کے گلچین ہیں۔

میم احمد کہ در احد غرق ست   کمر خدمت از پئے فرق ست
احمد اندر احد کمر بند ست   یعنی ایں بندہ آں خداوند ست

احد و احمد کی تجنیس زائد بندہ و خداوند کا تقابل این و آں اور کمر و کمر بند کا
تناسب گویا انکا روز مرّہ ہے لیکن دوسرے مصرعہ کے پئے و فرق کے الفاظ صنعت
تقابل کے ساتھ ممکن کو واجب سے حادث کو قدیم سے عبد کو معبود سے جس طرح
ممتاز کر رہے ہیں اوس کی داد دی نہیں جاسکتی۔

قران کریم نے جہاں کہیں مراتب مخصوصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان
فرمائی ہیں وہاں ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ عبد سے یاد فرمایا ہے مثلاً معراج
کا جہاں بیان ہے وہاں یوں ارشاد ہے سبحان الّذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام
اسی طرح انتہائے مقام قرب و اختصاص کو یوں فرمایا ہے فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ۔
اس نکتہ کو ملحوظ رکھ کر اس بیان کی داد دیجئے کہ احمد کا میم جو احد کے وسط میں
ہونے کی وجہ سے گویا احد میں فنا ہو گیا ہے فی الحقیقت وہ میم احد و احمد خداوند و بندہ
کے فرق و امتیاز کے لئے خدمت و عبادت کا پٹکا ہے تاکہ خلق جان لے کہ احمد بندہ
اور احد خداوند ہے اور احمد ہر وقت بندگیِ خداوند میں کمر بستہ و مستعد ہے۔

منقبت

جس طرح حمد کے بعد نعت کا مضمون لازم ہے اسی طرح مضامین نعتیہ کا ایک قوی عنصر خلفاے اربعہ و دیگر اصحاب کرام کی منقبت ہے کوئی نعت اصحاب کی مدح سے خالی نہیں ہوتی مولنٰا نظامی نے چار یار با صفا کی منقبت صرف ایک شعر میں مجملاً بیان فرمائی ہے ؎

چار یارش گزیں بأصل و بفرع ۔۔۔ چار دیوار گنج خانہ شرع

لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے یہاں بھی حسن بیان و زور کلام کا دریا بہا دیا ہے ملاحظہ ہو ؎

چار یارش بچار سوے زمین ۔۔۔ چار رکن چہار صفۂ دین

اوّل آں اولین خلیفۂ کار ۔۔۔ ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

دوم آن کز شکوہ پایۂ او ۔۔۔ دیو بگریختہ ز سایۂ او

سوم آں جامہ جریدۂ پاک ۔۔۔ چاشنی گیر خوان ارسلناک

چارم آں قصر وحی را دہلیز ۔۔۔ در علم و کلید خیبر نیز

آنکہ پاک کند پاک کیشانند ۔۔۔ رضی اللہ عنہم ایشانند

مذکورہ اشعار میں صنایع لفظی و معنوی تناسب و تقابل سیاقۃ الاعداد و تلمیحات عجیبہ جس قدر موجود ہیں اون کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ہاں دوسرا شعر جو خلیفہ اوّل کی مدح میں لکھا ہے وہ خسرو کا حصہ ہو گیا منقبت میں پوری آیۂ کریمہ ثانی اثنین اذ ہما فی الغار کو بحر مثنوی میں موزوں کر کے تلاوت کرنا در اصل اس مدح کی کرامت اور مبدء

فیاض کے فیض خاص کا اثر ہے اوّل کو ثانی قرار دیکر لا ثانی ثابت کرنا خسرو اقلیم سخن کا وہ انداز بیان ہے جس میں غیر کی شرکت پائی نہیں جاتی۔ علیٰ ہذا خلیفہ چہارم حضرت مولیٰ علی کی منقبت میں قصر و دہلیز و در کا تناسب اور آپ کو در علم و کلید خیبر کہنا ایک بے مثل بیان ہے آپ کے عقد میں جگر پارۂ نبوی بضعۃٌ منّی حضرت سیدۃ النسا فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور حضرت مولیٰ حضور اقدس کے ساتھ اخوت کی قرابت بھی رکھتے تھے اسلئے آپ کو وحی الٰہی کے محل عرش منزل کا صحن خانہ کہنا اور انا مدینۃ العلم وعلی بابہا کے اعتبار سے در علم قرار دینا ایسا ہی بیان واقعہ ہونے پر روحانی لطیفہ ہے جس طرح خیبر کشائی کی صفت کو کلید خیبر کے استعارہ سے ظاہر کرنا ایک رنگین دقیقہ ہے۔

اہل معانی کے نزدیک کسی آیۃ یا حدیث یا دعا کے پورے جملے کو بے تبدل و تغیر کسی شعر میں موزوں کر دینا شاعر کا کمال سخن سمجھا جاتا ہے اس کمال کی بہترین مثال یہاں دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ اور آخر شعر کے آخر مصرعہ میں موجود ہے۔

معراج

معراج کا مضمون فی الحقیقت نعت اقدس کا ایک جزو ہے لیکن شعرا نے اسے ایک مضمون مستقل قرار دیکر علیحدہ عنوان سے بیان کیا ہے اس میں حسب ذیل مقاموں کے بیان سے داد نازک خیالی و سخن آفرینی دیجاتی ہے (۱) شب معراج کی تعریف (۲) جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش (۳) وصف براق (۴) مقامات سیر و منازل سیارگان (۵) سیر عرش (۶) مقام قاب قوسین (۷) لامکان (۸) وصل و وصال و تکمیل و کمال (۹) رجوع بعالم صورت

باہزاراں دولت (۱۰) وقف دولت معراج برامت گنہگار۔

معراج کا عنوان قایم کرتے ہوئے دونوں حضرات کی شاعرانہ قوت نے جو عروج اختیار کیا ہے اوس بلند خیالی تک تو اس بینوا کی فہم پہونچنے سے قاصر ہے۔ بادۂ توحید مے عرفان کا وہ جوش ہے کہ اوبلی پڑتی ہے مینلک نظم میں الفاظ کے موتی نہیں ہیں بلکہ حقایق و معارف کے خم کے خم ہیں زہے قسمت اگر اُس کا ایک جام روحانی کسی کو نصیب ہو جاے ارباب فہم وذکا اگر صحیح مذاق کے ساتھ دونوں حضرات کے پورے کلام کا مطالعہ کریں تو لطف بیان سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

فن شاعری میں یہ بھی ایک خاص صنعت ہے کہ کسی مضمون کا اختتام اس طرح ہو کہ آیندہ مضمون کا اوس سے اظہار ہو جاے اور ماسبق کی انتہائی کڑی مالحق کے ابتدا سے ملکر سلسلۂ کلام کو مسلسل کر دے قصیدے میں اسی صنعت کو گریز کہتے ہیں اس صنعت کا لحاظ رکھتے ہوے مولنا نظامی نعت شریف کا خاتمہ اس شعر پر فرماتے ہیں ؎

چون نگنجید در جہاں تاجش ۔۔۔ بخت بر عرش کرد معراجش

اسکے بعد جبرئیل امیں کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش بیان کرتے ہوے اُس رات کی تعریف صرف ایک شعر میں تمام کر دیتے ہیں ؎

شب شب قدر وقت وقت دعاست ۔۔۔ یافت خواہی ہر انچہ خواہی خواست

خسرو علیہ الرحمۃ نعت گرامی اس شعر پر ختم کرتے ہوئے کہ ؎

گر بود مردم آسماں را تاج ۔۔۔ جز محمد کراست ایں معراج

شب معراج کے وصف میں فرماتے ہیں ؎

فرخ آں شب کہ آں چراغ دو کون	زد بقندیل عرش پرتوِ عون
شب چو بر سر نہاد چتر سیاہ	چتر اسری کشید بر سر ماہ
جلوہ گر شد بہ لاجوردی سریر	دولتش زیں سرائے دامنگیر
شب او گشتہ زیور راہش	نور او گشتہ مشعل راہش
در دل شب ز پرتوِ آں نور	حرف باریک غیب خواندہ ز دور

شب چراغ۔ قندیل۔ نور مشعل و پرتو کا تناسب۔ چتر اسری کا ایہام و تلمیح گویا عارض نظم کے رخ افروز خط و خال ہیں بظاہر اشعار کا یہ مفہوم متبادر ہوتا ہے کہ رات کی سیاہی اور چاند کے سریع السیر ہونے کا بیان ہے (اصطلاح عرب میں سرے و اسری رات کے سفر کرنے کو کہتے ہیں) لیکن حقیقتاً چوتھے شعر میں شب و ماہ و نور کا جو استعارہ ہے اُس کے لحاظ سے بطریق ایہام اشعار کے معنی یہ ہوئے کہ جب شب کی تاریکی عالم پر چھاگئی اور ماہ فلک تیز روی سے قطع منازل کرکے روپوش ہوگیا اس وقت ماہ دنی فتدلی نے سر پر تاج سبحان الّذی اسری بعبدہ کا رکھ کر عالم بالا کا سفر شروع کیا اور آپ کی شاہد دولت یعنی ذات اقدس جس وقت آسمان کے تخت لاجوردی پر جلوہ آرا ہوئی تو اوس وقت گیسوے عنبرین جو واللیل اذا سجی کے مظہر تھے ماہ رخسار پر جو والشمس والضحی کا پرتو ہیں تجلّی آرا ہوئے۔ آپ کے پرتو انوار سے وہ شب سیاہ اس قدر منور و تاباں ہوگئی کہ غیب کے اسرار خفیہ بھی دور سے پڑھے جاتے تھے۔ ان

اشعار میں جن کمالات محمدیہ کی طرف اشارہ ہی اوسے فطرت سلیم ہی سمجھ سکتی ہی۔
مولٰنا نظامی علیہ الرحمۃ نے جبریل امین کی گذارش چند اشعار میں بیان کی ہے
اور رات کے متعلق صرف ایک شعر پر ختم کر دیا ہی خسرو علیہ الرحمۃ نے جبریل کی گذارش
میں صرف ایک شعر پر اکتفا کیا ہی اور رات کے متعلق چند اشعار لکھے ہیں۔ اس کی کوئی
خاص وجہ نہیں کہی جا سکتی۔ بہرحال جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری یا براق کی صفت
یا منازل سیّارگان میں جو شاعرانہ قوت کا اظہار کیا گیا ہی اوسے ترک کرتا ہوں اور
صرف اون مقامات پر جہاں زورِ طبیعت کا اصلی جوہر کھلتا ہی اکتفا کرتا ہوں۔

سیرِ عرش

نظامی	خسرو
قطرہ قطرہ ازاں محیط گذشت	عرش بر از جنیبہ بارش را
قطرہ بر قطرہ ہرچہ دید نوشت	پاے گم شد جنیبہ دارش را
چوں درآمد بساق عرش فراز	رویش افگند ز آفتاب حضور
نردباں ساخت از کمند نیاز	بر قنادیل عرش پرتو نور

سیرِ عرش اگرچہ دونوں حضرات نے ایک نئے انداز سے شروع کی ہی اور ہر ایک
اپنے اپنے انداز میں کامل ہی لیکن مولٰنا کا اوّل شعر اوس کمال کا نمونہ ہی جس میں کسی
غیر کی شرکت ممتنع تسلیم کی گئی ہی۔ ہاں خسرو کے دوسرے شعر میں البتہ مولٰنا کے دوسرے
شعر سے ترقی نمایاں ہی لیکن مولٰنا کے پہلے شعر کا سرور ایسا غالب ہی کہ اوس کی لذت

کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام افلاک سے ایک چشم زدن میں گذر جانا اور پھر ہر ایک کا تفصیلی ملاحظہ کس بلاغت وسلاست سے بیان ہوا ہی سبحان اللہ۔

اصطلاح میں قطرہ قطرہ اور ذرہ ذرہ کسی کام کا کرنا اوس وقت کہا جاتا ہی جبکہ اوسے بالاستیعاب اس طرح انجام دیا جائے کہ ذرہ برابر بھی اوس کے تکملہ سے رہ نہ جاے اور قطرہ بر قطرہ کی اصطلاح نہایت ہی تیزروی و تیز دوی کے معنوں میں مستعمل ہے اب شعر پڑھئے پہلا مصرعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مقام سیر میں کیا فلک اور کیا سیّارہ اوس سے اس طرح گذرے کہ ایک ذرہ برابر بھی ملاحظہ سے نہ چھوٹا اور دوسرا مصرعہ اوس تیزروی کو بتاتا ہی جس سرعت سے یہ مقامات طے کئے گئے کسی محیط سے قطرہ قطرہ گذرنا اور اوس کے ہر حصہ کو قطرہ بر قطرہ طے کرنا کیسا بلیغ استعارہ ہی

مقام قاب قوسین

نظامی	خسرو
قاب قوسین او در آں آشنا	جلوہ کرد از برائے کونینش
از دنیٰ شد بقابِ او ادنیٰ	سر بدرگاہ قاب قوسینش

اس مقام کا بیان دونوں حضرات نے سرسری طور پر معمولی الفاظ میں کیا ہی۔ کوئی خاص لطف کہیں نہیں ہی لیکن عبودیت کی شان خسرو کے شعر میں نمایاں ہی اس بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خسرو کا شعر بہتر ہے۔

مقام وصل و وصال و تکمیل و کمال

نظامی

چوں حجابِ ہزار نور درید
دیدہ در نورِ بے حجاب رسید
گامے از بود خود فراتر شد
تا خداوندیش میسّر شد
از نبی جز نفس نبود آنجا
ہمہ حق بود و کس نبود آنجا
شربتے خاص خورد و خلعت خاص
یافت از قرب حق زہے اخلاص
جامش اقبال و معرفت ساقی
ہیچ باقی نماند از باقی

خسرو

شد بجائے کہ جاں نمی گنجد
خود ہم اندر میاں نمی گنجد
دیدہ را نور لایزالی داد
سینہ را سرِّ ذوالجلالی داد
چوں ز عالم بروں نہاد قدم
پیش رو شد بہ پیشگاہ قدم
یافت در خود متاع موزوں را
دید بے شک خدائے بیچوں را
نکتہ برخواند بے وکالت ہوش
قصّہ بشنید بے میانجی گوش
گوش کے سرِّ غیب را سنجد
بحر اندر صدف کجا گنجد

اس مقام کا بیان جہاں کہیں بھی پایا جاتا ہی وہاں اسی طرح کے اشارات و کنایات ہیں سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف دیکھو مقام قرب کا کس طرح بیان فرمایا ہی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ پہلے امکان و حدوث کا وجوب و قدم سے قرب کان

قاب قوسین سے تعبیر فرمایا اُس کے بعد او ادنیٰ کہہ دیا جہاں پہونچکر فہم گم عقل حیران تکمیل وکمال کا بیان بھی اسی طرح ہی فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ احادیث مصطفویہ بھی اسی انداز خاص سے آیات کی مفسر ہیں۔ جہاں تک سیر کا تعلق ہے وہاں الفاظ صاف، بیان واضح لیکن جہاں اس مقام کا بیان آیا وہاں پر عقل خیرہ اور علوم متداولہ بیکار۔ جس نے جو کچھ سمجھا اور جو کچھ کہا وہ نتیجہ اُن علوم کا نہ تھا جو نقوش وخطوط سے حاصل ہوتے ہیں پھر اونھیں نقوش و الفاظ میں کیونکر ظاہر کیا جاے یہ حضرات جو کچھ فرما گئے اور مراتب و آداب جس طرح ملحوظ رکھے وہ اُن کی پاکی نفس کی دلیل ہے۔

مولنا نظامی نے فنائیت ومحویت مطلقہ کے ساتھ وحدت وجود کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوے عبد ومعبود کے فرق کو جس بلاغت و نازک خیالی سے ادا فرمایا ہی اس سحر آفرینی کی داد دی نہیں جاسکتی۔ دوسرے شعر کو پڑھو ؎

گامے از بود خود فراتر شد تا خداوندیش میسّر شد

یعنی جب وہ نور ہزاروں حجابات نورانی طے کرتا ہوا بے حجاب نور تک پہونچا تو اپنے بود سے ایک قدم اور آگے بڑھا یہاں تک کہ اوسے خداوندی حاصل ہوئی لفظ بود جو مصرعہ اوّل میں ہی یہ لفظ وجود کا فارسی ترجمہ ہی وجود کے معنی مختلفہ کی طرف غور کرو پھر لفظ خداوند وخدا کے حقیقی معنی میں جو فرق ہی اوسے سوچو علواً کبیراً کی تفسیر واضح ہو جائیگی بارگاہ قدم کے عظمت وجلال کا نقشہ آنکھوں میں پھر جائیگا اور بے اختیار دل سے آداب مراتب کی داد نکلے گی۔ پانچویں شعر میں جو کیف وسرور ہی وہ صرف لفظ

باقی سے ظاہر ہوتا ہی۔ یہاں پر لفظ باقی جو قافیہ ہی اوس سے جن معانی کا ایہام ہوتا ہی
اُن میں سے ہر معنی موج خیز خمیازۂ مستی و سرور ہی۔

اب خسرو کے اشعار پڑہو اسی مقام کا بیان ہی کلام کی فصاحت' بیان کی سلاست
الفاظ و ترکیبوں کا باہمی پیوند، بندش کی چستی اور معانی کی آمد ایک بحر زخار ہی کہ موجیں
مارتا چلا آرہا ہی اس مقام کے بیان میں کمال بلکہ بیان کی جان آداب مراتب کا پاس و لحاظ
ہی اس کی نگہہ داشت مولنا کے اشعار میں تم دیکہہ چکے۔ خسرو کے اشعار میں اگرچہ وہ رنگینی
و مصع کاری نہیں جو مولنا کے اشعار میں ہی لیکن بیان کی روح جس روانی و صفائی کے
ساتھ یہاں پاؤگے وہ اپنی نظیر آپ ہی۔ پہلے شعر کو پڑہو۔ لفظ شد جس سے بیان شروع ہوتا ہی
اس کو ذہن میں رکھتے ہوے دوسرے مصرعہ کو سوچو مقام وصل کو کس ادب سے بیان کیا
ہی علیٰ ہذا چوتھے شعر کا پہلا مصرعہ ایک خاص بلاغت کا نمونہ ہی متاع موزوں کو اپنے آپ میں
پانا کیسا نادر لطیفہ ہی اب دوسرا مصرعہ اسی شعر کا پڑہو اور ہزار مرحبا کہو وصل و وصال کا بیان
ختم ہوتا ہی سب کچہہ کہہ گئے اور آخر میں یہ فرماتے ہیں کہ "بحر اندر صدف کجا گنجد" یعنی صدف
بحر میں پایا جاتا ہے بحر کی سمائی صدف میں کہاں ممکن۔ صرف اس ایک ہی مصرع میں آداب
کے تمام مراتب طے کر دیے اور معارف و حقایق کا ایک دریا بہا دیا۔ مجہہ میں بیان کی
کہاں طاقت ہے تم خود سوچو اگر مسائل و مقامات تصوف کے صحیح معلومات ہیں تو بے
اختیار کہہ اوٹھوگے کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں بلکہ کوئی ہاتف غیبی بول رہا ہی۔

رجوع بعالمِ صورت

نظامی

بامداد اے صد ہزار درود
آمد از لوح آں مدار فرود
ہرچہ آورد بذلِ یاراں کرد
وقف کار گناہ گاراں کرد

خسرو

با ہزاراں ہزار نقد مراد
در شبستانِ دولت آمد شاد
بہرہ داد از رہِ جوانمردی
رہ رواں را از آں رہ آوردی
کرد چوں بخشش خاصگاں ہمہ چیز
داد بخشش گناہ گاراں نیز

روایات معراج اگر محفوظ ہوں تو ان تلمیحات کا لطف ہے جس وقت دربارِ احدیت سے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا خلعت خاص عطا ہوا اُس وقت اُس اُمت نوازِ پیغمبر نے فرمایا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین یعنی یہ سلام ہم سب پر اور خدا کے صلحا بندوں پر۔ بجاے عَلیّ یعنی مجھ پر کے جو علینا یعنی ہم سب پر فرمایا اس رحمت وسلامتی کے دامن میں تمام امت گنہگار کو چھپالیا۔ اشعار مذکورہ میں انھیں بذل ونوال کی تلمیح ہے دونوں کے اشعار میں ایک ہی مضمون اور ایک ہی مفہوم۔ لیکن خسرو نے الفاظ ایسی روش سے آراستہ کیے ہیں جس سے تاثیر زیادہ ہوگئی۔

❊

مدح سلطان

حمد، نعت و معراج کے بعد شعرا نے مدح سلطان وقت بھی ضرور لکھی ہے اور یہی وہ مضمون ہے جو سارے کلام میں روکھا پھیکا اور سیٹھا ہوتا ہے۔ علی الخصوص متاخرین کے کلام میں تو ایسی بدمزگی پائی جاتی ہے کہ منھ بگڑ جاتا ہے۔ ممدوح کی تعریف میں مبالغہ و اغراق کرتے ہوئے انبیا علیہم السلام پر فضیلت دیتے ہیں پھر اس سے سیری نہیں ہوتی تو صفات اُلوہیت اُس میں ثابت کرتے ہیں کلمات کفریہ کہنے سے بھی باک نہیں رکھتے۔

جب اُس کے سراپا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اُن کا قلم ایسا حلیہ کھینچتا ہے جو کسی معشوق طناز سراپا ناز و ادا کی شکل موزوں ہو۔ بیان جب واقعات سے اس قدر مبائن ہوگا تو لازمی نتیجہ بدمزگی ہے۔ مثلاً اگر پانی کی یہ تعریف کی جاے کہ وہ زرد رنگ منجمد مثل پتھر کے سخت آگ کی طرح جلانے والا ہے تو یہ کوئی تعریف پانی کی نہ ہوئی بلکہ کائنات میں سے کسی ایسی موجود کی یہ تعریف کی گئی جس کا اسم مجہول ہے۔ بہرحال متقدمین کا کلام پھر بھی کچھ جان رکھتا ہے اسی بنا پر چند اشعار جستہ جستہ دونوں حضرات کے جو مدح سلطان میں لکھے گئے ہیں پیش کرتا ہوں۔

تمہید مدح

خسرو	نظامی
مشتری کوست کاردان سپہر	چوں اشارت رسید پنہانی
دوشش سعے من آمد از سر مہر	از سرا پردۂ سلیمانی

نظامی	خسرو
برگرفتم چو مرغ بال کشائے	گفت کاے از ضمیر دریا کار
تا کنم بر در سلیماں جاے	گشتہ بازارگانِ دریا بار
در اشارت چناں نمود برید	زآتش طبع یافتہ جاوید
کہ ہلالے برآورد شب عید	روز بازار گرم چوں خورشید
آنچناں کز حجاب تاریکی	آمدم تا رواج دُرِ ثمیں
کس نہ بیند در و زباریکی	سوے گردوں برم متاع زمیں
تا کند صید سحر سازی تو	گوہرے دہ کہ چرخ تاب بود
جادواں راخیال بازی تو	درخور گوش آفتاب بود
عطسۂ دہ زکلک نافہ کشائے	آں گہر ہا کہ آسماں تاب ست
تا شود باد صبح غالیہ سائے	کہنہ و زرد و خورد و بے آب ست

دونوں حضرات کی تمہیدیں اپنی اپنی روش میں جداگانہ انداز رکھتی ہیں۔ حضرت نظامی کے یہاں قاصد کی زبان سے مدح کی فرمائش ہے اور دربار خسروی میں مشتری جو قاضی فلک ہے وہ حاضر ہوکر آسمان کی زیب و زینت کے لئے گوہر گرانمایہ کا ملتمس ہے۔ مولانا کا چھٹا شعر خاص بلاغت کا نمونہ ہے لیکن بحیثیت مجموعی خسرو کی تمہید مولانا کی تمہید سے افضل ہے۔ مگر آئندہ مولانا نظامی نے تمہید کو بہت زور دے کر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

نام ممدوح

نظامی	خسرو
عمدۃ الملکت علاؤ الدیں	جم ثانی علاءِ دنیا و دیں
حافظ و ناصر زمان و زمیں	آسماں خاتم آفتاب نگیں
نامِ او زینتِ علا دارد	بادشاہ جہاں محمد شاہ
گر گزشت از فلک روا دارد	سایبانِ جہاں بچترِ سیاہ
فلکِ بے علاقہ دار دلیست	مہ سپہرِ منورش خواندہ
در علاءِ فلک بلندی ہست	دیں علاے مصورش خواندہ

دونوں کے ممدوح میں اتفاق سے مشارکت اسمی ہے۔ اس لئے موازنہ کا موقع پورا ہے کہ کس نے نام کس طرح موزوں کیا اور اُس سے کیا کیا نکات پیدا کئے اگرچہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی طبیعت بادشاہوں کی مدح میں کند ہو جاتی ہے اسی لئے ان کے قصائد میں بھی خاص مدح کا حصہ کمزور ہوتا ہے یہی حال ان کا مثنوی میں بھی ہے کہ بادشاہ کی تعریف میں جوش و خروش نہیں پایا جاتا۔ باوجود اس کے کہ اُسی ممدوح کے رعایا ہیں اراکین دولت میں شامل ہیں پھر بھی قلم شاعرانہ انداز سے مدح سلطان میں رواں نہیں پایا جاتا۔ لیکن اگر کہیں متوجہ ہو گئے ہیں تو کسی سے کم بھی نہیں رہتے ہیں جیسا کہ اس مقام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پلّے برابر ہیں کسی کو کوئی ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

سخاوت

نظامی	خسرو
بادشاہاں کہ در جہاں ہستند	ابر با ایں ہمہ زبردستی
ہر یک ابرے بدست بر بستند	گرد در پیش دست تو پستی
دست ابر تو ابرِ نیسانست	داد دریا کفِ تو دُر بہوس
واں دگر ابرہا زمستانست	کفِ دریا چہ داد مشتے خس
آبِ چشمہ کہ آبِ پاکی شد	ابر باری تو زاں کفے چو سحاب
با تو چوں آبِ چشم خاکی شد	ابر بار دو سے سوار کے آب

مولنا نظامی نے ممدوح کے ہاتھ کو ابر نیساں اور دوسروں کے ہاتھوں کو ابرہائے زمستان جو کہا ہے وہ عجب لطیف استعارہ ہے۔ اسی طرح چشموں کے آب کو پاک وصاف مان کر آب چشم و سرشک بنا دینا اور پھر اُن کا خاکی ہوجانا نہایت ہی پسندیدہ اور لطیف خیال ہے اُس پر چشمہ و چشم کی تجنیس سبحان اللہ۔ خسرو کے یہاں زبردستی وپستی کا تقابل پیش وپستی سے پس کا تضاد، لفظ کف کی تجنیس تام مماثل بے مثل ہے۔ نفس مفہوم کسی طرح مضمون سابق سے کم نہیں

کمال تیراندازی

نظامی	خسرو
نوک تیرش بہر کجا کہ شتافت	نوک پیکانش در مقام ہنر
گہ جگر دوخت گاہ موئے شگافت	بردہ داغِ کلف زروئے قمر

نظامی

تیرش از دست گرگ و پائے پلنگ
بر سم گور کردہ صحرا تنگ

مولٰنا نظامی کے اشعار میں دست و پا و سم اور گرگ و پلنگ و گور کا تناسب پسندیدہ ہی اور نفس مضمون سے ایک خاص خوبی ظاہر ہے یعنی اُس کی تیر اندازی کا کمال میدان جنگ اور صید وحوش و سباع دونوں میں بے نظیر ہے۔ خسروؒ نے ایک ہی شعر میں غلو و اغراق کے ساتھ نوک تیر کے کمال کو اپنے فن و ہنر میں اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ اُس سے زیادہ اوج دشوار سمجھا جاتا ہے۔

تیغ زنی

نظامی	خسرو
بازی خرس بردہ از شمشیر	تیغش از برکہ سلیم شدہ
خرس بازی در آوردہ بہ شیر	کوہ چوں آسیا دو نیم شدہ
شہ چو دریاست بے دروغ و دریغ	تیغ و رمحش کہ خصم راسودند
جزر و مدش بہ تازیانہ و تیغ	مار مسکوب و ظل ممدودند
ہرچہ آرد بزخم تیغ فراز	زد بیک چاشنی تیغ چو آب
بسر تازیانہ بخشد باز	فتنہ در خواب رفت مست و خراب

نظامی

فتح بر خاکِ پائے او زدہ فرق

فتنہ در آبِ تیغ او شدہ غرق

مولٰنا نظامی نے ایک نئے انداز سے تلوار کے جوہر دکھائے ہیں پہلے شعر کا مفہوم بالکل نیا اور تازہ ہے بازی خرس و خرس بازی کی ترکیب و تقلیب سے ایک خاص لطف پیدا کیا ہے خرس بازی وہی خرسک بازی ہے جو اساتذہ کے کلام میں موجود ہے اور وہ لڑکوں کا ایک خاص کھیل ہے۔ خرس مکر و حیلہ میں ضرب المثل ہے اس لئے لفظ خرس بازی مکر و فریب کی جگہ بولا جاتا ہے علیٰ ہذا دوسرے شعر میں تازیانہ و تیغ کا جزر و مد بطریق لف و نشر مرتب و تقابل ایک بے مثل بیان ہے مگر آخر شعر کا آخر مصرعہ "فتنہ در آبِ تیغِ او شدہ غرق" ایسا سہل ممتنع واقع ہوا ہے کہ اُس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے پہلے شعر میں کوہ و کاہ کا اشتقاق و تقابل تیغ و آب فتنہ و خواب کا تناسب قابل تعریف دوسرے مصرعہ میں آیۃ کریمہ کی تلمیح اور پھر تلوار و نیزے کی تعریف میں جواب الجواب بلکہ لاجواب ہے۔ چاشنی کا لفظ بطریق ایہام بیاں جرعۂ شراب کے معنی میں نہایت مناسب واقع ہوا ہے آخر شعر کا مضمون مولٰنا نظامی کے آخر شعر سے بہت زیادہ اعلیٰ ہے "فتنہ در خواب رفت و مست و خراب" فتنہ کے لئے جس قدر کہ خواب موزوں ہے غرق مناسب نہیں۔ بہرحال میدان شمشیر زنی میں دونوں کی تلواریں یکساں روا

ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔

مولٰنا نظامی نے بادشاہ کی مدح میں پوری قوت سے زور کلام کا جوہر دکھایا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے مدح کرتے ہوئے ایسا ناصحانہ پہلو بدلا ہے جس سے اسلاف کی حق گوئی کا ایک بے نظیر جلوہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

سبب نظمِ کتاب

مولٰنا نظامی نے سبب تصنیف کا کوئی خاص عنوان قرار نہیں دیا ہے بلکہ تمہید مدح سلطان میں جو قاصد سے گفتگو ہوئی ہے اُس کے کچھ اشعار سبب تصنیف قرار دیئے جا سکتے ہیں مگر خسرو علیہ الرحمۃ نے سبب تصنیف کا ایک خاص عنوان قرار دیا ہے اور ایسی طرز جدید سے اپنے شاعرانہ کمال کا اظہار کیا ہے کہ دل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ دونوں کی روش اس طرح جدا ہے کہ اُن کا صحیح مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تقریباً خسرو ہی کے اشعار پر اکتفا کرنا ہوگا۔

نظامی

گفتمش گفتنی کہ بہ پسندند ۔۔۔ نہ کہ خود زیرکاں بر و خندند

گفتم ایں نامہ را چو دیر مجوس ۔۔۔ جلوہ دادم ازاں بہفت عروس

تا عروسانِ چرخ اگر یک راہ ۔۔۔ در عروسانِ من کنند نگاہ

از ہم آرایشی و ہمکاری ۔۔۔ ہر یکے را یکے کند یاری

آخر از ہفت خط کہ یار شود | نقطہ بر میانِ کار شود
نقشبندے کہ نقش دہ دارد | سرِ یک رشتہ رانگہ دارد

طوالت کے خوف سے تمام اشعار نقل نہیں کئے گئے پورے مضمون کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی فکرِ رسا بحرِ مواج کی ایک طوفان خیز موج ہے جو دمبدم جوش مارتی ہوئی چلی جا رہی ہے اور رہ گزر کے نشیب و فراز اُس کے سدِ راہ ہو نہیں سکتے۔ اشعار مذکورہ صدر میں عروسانِ چرخ سے مراد وہی سبعہ سیارہ ہیں جن کی نسبت کو ہفت گنبد بہرام کی تعمیر میں ملحوظ رکھا ہے ہفت خط جام جمشید کے وہ ساتوں خط ہیں جو علم نجوم کے موافق ہفت افلاک و ہفت اقلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔

نقش دہ سے مراد نقش دہ در دہ ہے جو اصول تکسیر کے موافق تسخیر کا اثر رکھتا ہے۔ ان اصطلاحات کے مفہوم ذہن میں ہوں اور پھر اشعار پڑھے جائیں تو کلام کی خوبی اچھی طرح سمجھ میں آئے۔

امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سببِ تصنیف کی اس طرح ابتدا کی ہے۔

توصیف ایام

شبے از روز بیضی خوشتر | وقتے از نوبہار دلکش تر
ہفت و نہ گرد ماہِ چاردہ روز | ماہتابی شدہ جہاں افروز
برکشادہ ہولے نورانی | آسماں راگرہ ز پیشانی

ہفت، نہ اور چہاردہ میں صنعت سیاقۃ الاعداد جس خوبی سے موزوں کی ہے وہ قابل ہزار داد ہے۔ ہفت و نہ گردن بمعنی آراستگی تمام جیسے اہل ہند سولہ سنگار

کہتے ہیں ماہ چہار دہ روز بدر کامل ہے جو چودھویں تاریخ کو پورا ہو جاتا ہے اس کے علاوہ شب کو روز بیغی سے خوشتر کہنا اور بدر کامل کی آرائش تمام وکمال کے بعد اُس کی چاندنی کو جہاں افروز قرار دینا کیسا لطیف خیال ہے۔

موسم بہار

زحمت از باغ بردہ بادِ خزاں　　　بادِ نوروز نرم نرم وزاں
گل ز شبنم پُر از نسیم شدہ　　　پردہ دارِ دُرِ یتیم شدہ
جنبشِ بادہاے مشک سرشت　　　بازکردہ دریچہاے بہشت

ان اشعار میں بادِ خزاں اور بادِ نوروز کا تقابل شبنم ونسیم کا تناسب دُر اور دریچہ کا اتفاق وتجانس قابل لحاظ ہے موسم کی خوش گواری کا ایک عجب دلکش انداز میں بیان ہے خزاں کے جھونکے باغ وراغ کو ویران وسنسان کردیتے ہیں نہ پھولوں کی شگفتگی رہتی ہے نہ بلبلوں کی زمزمہ سنجی، طبائع مضمحل جذبات افسردہ لیکن شاعر یہاں یہ ثابت کرتا ہے کہ بادِ خزاں کا جانا چمن دنیا کی تر وتازگی کا باعث ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ ہر قسم کی زحمت وبیرونقی خزاں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ گلزار عالم ایک لہکتا مہکتا چمن قدرت بن گیا تھا۔

کیفیت شاعر

من در احرامِ کعبۂ دل خویش　　　نخل بر دست وچاہ زمزم پیش
گشتہ کالکم کلید سینۂ من　　　داد بیروں ہمہ خزینۂ من
در گریباں فرو رفتہ سرم　　　پر گہر گشتہ دامن ہنرم

شعر اوّل میں چند الفاظ جو تناسب کعبہ کے لئے جمع کئے گئے ہیں اور دیگر اشعار

میں جو استعارات نمکیں اور بلاغت رنگیں موجود ہے وہ شاعر فصیح اللسان کے قادر الکلام ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

تقریر بزبان ہمنشیں علی نامی

کامد آں ہمنشین جانی من | ناقدِ سکۂ معانی من
ہم علی نام و ہم بہ بینائی | چوں علی در کشائے دانائی
گفت اے جادوے طلسم انگیز | موشگاف از زبانِ خامۂ تیز
گاہ فکرت چو خوے گندر ویت | صد عطارد چکد ز ہر مویت

حضرت امیر خسرو نے اس عنوان کے تحت میں ۷ شعر لکھے ہیں جن میں سے ہر ایک انتخاب و لاجواب ہے زورِ سخن قوت کلام جدت شاعری میں ہر ایک شعر چشمۂ صافی کی طرح رواں ہے چوتھا شعر جو شاعر کی مشقت علمیہ کا مظہر ہے اس کی قادر الکلامی کے کمال کا کیسا آئینہ ہے یعنی وہ ہمنشیں شاعر سے یہ کہتا ہے کہ مشقت فکر کے وقت جو پسینہ آئے وہ ایسا ابر نیساں ہو کر نہ برسے جس سے موتی پیدا ہوتے ہوں بلکہ ہر بن مو صدہا عطارد کا مینھ برسا دے اس مقام کا بالاستعاب جو صاحب ذوق سلیم مطالعہ کرے گا اسے شاعر کی طبع کامل کا ایسا زور دکھائی دے گا کہ بحر مواج بھی اس کے سامنے ایک قطرہ سے زیادہ بے حقیقت ہے۔

ہر یکے رقعہ را کہ کردی نشر | دوختی دامنش بدامنِ حشر
ہر جریدہ کہ ساز کردہ تست | درے از لطف باز کردہ تست
سکۂ معنی از چہار سواد | کردی آراستہ چو سبع شداد

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

رقعہ کا ایہام اور پھر اُس کے دامن کا دامن حشر سے پیوند چہار، سبع، پنج کا سیاق ایک ایسا وجدانی کیف ہے جو بیان میں نہیں آسکتا۔

پہلے شعر کا مفہوم شاعر کی کس درجہ قوّت متخیلہ کی بلند پروازی کو ظاہر کرتا ہے یعنی جس داستان کہنہ کو تو نے اپنی تازہ بیانی سے شہرت دی ہے اُس کے دامن کو دامن حشر سے وابستہ کردیا۔ اب اُس کا آوازہ قیامت تک آویزۂ گوشِ روزگار رہے گا۔

ترتیب خمسہ

دادی اوّل بہ گنبدِ دوّار روشنائی ز مطلع الانوار
کردی آنگاہ با نشاط تمام شہد خسرو و شیریں اندر جام
باز در عالم خرد مندی شورِ مجنوں و لیلےٰ افگندی
پس دہاں پر دُرِ دری کردی شرحِ رازِ سکندری کردی
ایں زماں کز جواہرِ انجم ق مے نگاری صحیفۂ پنجم
کوش کیں خط چناں نگاری چست کہ فزوں آید از چہار نخست

ان اشعار میں پنج گنج کے چار خزائن جو پہلے گوہر معانی سے معمور ہو چکے تھے اُن کا تذکرہ اُن کے ناموں کے ساتھ ہے چونکہ حضرت نظامی نے سکندر نامہ میں جو آپ کی آخری مثنوی ہے اپنی تصانیف سابقہ کا اسی طرح ذکر کیا ہے اس لئے امیر خسرو بھی خمسہ کی آخری مثنوی میں اُس کے دیگر ارکان اربعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ نظامی کے اشعار اس موقع پر اگر نقل کر دیئے جائیں تو کچھ نامناسب نہ ہونگے اگرچہ اس کی

بحر غیر ہی مگر باعتبار مضمون پورا مقابلہ ہی کہ کس نے کس طرح کتابوں کے نام شمار کئے ہیں

سوے مخزن آوردم اوّل بسیچ — کہ سستی نکردم درین کار ہیچ
وزو چرب و شیریں بر انگیختم — بشیرین و خسرو در آمیختم
وزانجا سراپردہ بیروں زدم — درِ عشق لیلےٰ و مجنوں زدم
چو از عشق مجنوں بپرداختم — سوے ہفت پیکر فرس تاختم
کنوں بر بساطِ سخن گستری — زنم کوسِ اقبالِ اسکندری

ہر شعر کا مولنا نظامی کے خسرو کے اشعار سے مقابلہ کرلو خسرو کی برتری اس مقام پر ایسی نمایاں ہی کہ محتاج تشریح و بیان نہیں۔ مولنا نظامی کا پانچواں شعر البتہ لطیف ہے باقی اشعار معمولی ہیں خاص کر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ تو بہت ہی سست ہی۔

اب اس عنوان کا صرف ایک مضمون اور لکھنا ہی جس میں مصنف نے کتاب کا نام اور اُس کا موضوع ایک خاص بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہی فرماتے ہیں ؎

گویم افسانہاے طبع فزاے — از لب لعبت فسانہ سراے
ہر فسانہ صراحیِ ز شراب — دور مستی و بلکہ داروے خواب
ہر یکے را بہشت نام کنم — جام کوثر درو تمام کنم
ہفت باشد بہشت و گوہر ہفت — ہشتم آں کاندرو بود ہر ہفت
پس نوشتم ز کلک مشک سرشت — نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت
تا کسے کاندرو گزر یابد — بے قیامت بہشت دریابد

صنعت سیاق و اشتقاق وغیرہ تو شاعر کا روزمرہ ہی اُس پر طبیعت کا جوش لطف زبان وسلاست بیان کے ساتھ کوثر و سلسبیل کی روانی کا مزہ دیتی ہی۔

آغاز قصّہ بذکر بہرام

خسرو	نظامی
گنج پیمائے ایں خزانہ پر	گوہر آمائے گنج خانۂ راز
از خزانہ چنیں کشاید دُر	گنج گوہر چنیں کشاید باز
کآفتاب جمال بہرامی	کاسماں را ترازوے دو سرست
چوں شدا ز نور در جہاں نامی	در یکے سنگ و در یکے گہرست
پدرش رخت زندگانی بست	گاہ آید چو گوہرا ز سنگے
او بجائے پدر بہ تخت نشست	گاہ لعلے چو کہربا رنگے
سرِ موئے کجی ز دہر نخاست	گوہر و سنگ شد بہ نسبت تام
جز سرے کو بشانہ گرد د راست	نسبت یزدگرد با بہرام

آغازِ قصّے کی تمہید دونوں باکمالوں کی ایک ہی طرز سے شروع ہوتی ہی۔ گزشتہ ایام کا واقعہ ہی اس لئے عہد سلف کا مورخ دونوں کے دربار میں بہرام کی تاریخ بیان کرتا ہی۔ صنائع و بدائع دونوں کلاموں میں یکساں۔ پہلا شعر بھی ایک دوسرے کا جواب ہی لیکن امیر خسرو عہد بہرام کے امن وامان سکون و قرار کو عجیب لطف سے بیان فرماتے ہیں ؎

سرِ موئے کجی ز دہر نخاست　　جز سرے کو بشانہ گرد د راست

یعنی اُس کے عہد میں زمانہ سے کجی بالکل دُور ہوگئی تھی کسی جگہ بال برابر بھی فتنہ و فساد نہ پایا جاتا ہاں ارباب نعمت کے سر شانہ کشی کے وقت البتہ کج دکھائی دیتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ملک آباد تھا اور اہل ملک ناز و تنعم میں زندگی بسر کرتے تھے۔

تیر اندازیِ بہرام

نظامی	خسرو
پیش تیرش گرازنے بودی	آہنِ تیر چوں محک کردی
بسنانش چو حلقہ بربودی	خطِ گوراں زپشت حک کردی
تیرش از حلق شیر حلقہ ربائے	ور زِ آہو بُدے نشانۂ او
تیغش از قفل گنج حلقہ کشائے	مُوئے بشگافتے زشانۂ او
در نظرگاہ راست اندازی	ور شدی در نشانہ سخت انداز
بیلکش را بموئے بُد بازی	رخنہ در ناف کوہ کردی باز
	زانش باران تیر محکم بود
	کہ کمانش کمان رستم بود

مولنا نظامی بہرام کی قدر اندازی اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ اگر دانہ ارزن کو جسے ہندی میں چینا کہتے ہیں وہ اپنے تیر کا نشانہ قرار دیتا تو اُسے حلقہ کی طرح بنا لیتا تھا۔ اور اگر شیر کی طرف تیر ڈالتا تو اُس کے حلق سے اُس حلقہ کو جو قمری و فاختہ کی طرح اُس کا طوقِ گلو ہوتا ہی اُڑا لیتا تھا پھر اس پر مولنا ترقی فرماتے ہیں اور اُس کے کمال کا یوں اظہار فرماتے ہیں کہ اُس کا پیکان تیر بال کو بھی دو حصوں میں چیر دیتا تھا۔ مبالغہ میں اغراق وغلو کا جو لطف ہی اُس پر حلق و حلقہ کا اشتقاق و تجانس اور بھی لطیف ہی۔

امیر خسرو نے جس انداز سے جواب دیا ہی اُس کا لطف بیان سے باہر ہے

پہلا شعر خسرو کا مولنا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہی۔ وہاں حلقہ حلق شیر کو بہرام کا تیر نشانہ بنا کر اُڑاتا تھا اور یہاں گورخروں کی پشت خط کو جو بعینہ حلقہ حلق شیر کی طرح ایک قدرتی سیاہ سیلی ہوتی ہی اُس کا تیر امتحان کے وقت مٹاتا ہی وہاں راست اندازی کے وقت موشگافی کی جاتی ہے یہاں نشانہ آہو کے بال کو چیرا جاتا ہی۔ غرض یہ کہ دونوں کا بیان لاجواب ہی۔

صفتِ اسپِ بہرام

خسرو	نظامی
گرچہ بودش چو برق کوہ گزار	اشقرے بادپائے بودش چست
صد طویلہ بہر طویلہ ہزار	بہ تگ آسودہ و بگام درست
لیک بود اشقرے گزیدۂ شاہ	پر برآورد پائے زاندامش
چیرہ تر زابلق سپید و سیاہ	دست ہر کس شکستہ از گامش
بادپائے کہ چوں بگام شدی	رہ نوردے کہ چوں نوشتے راہ
تگ زدن بر صبا حرام شدی	گوئے بردے ز چرخ و مہر و ز ماہ
ور بآہنگ تگ بروں جستے	اشقرے گو رسم چو زیں کردی
وہم را دست و پائے بر بستے	گور بر گردش آفریں کردی

مولنا نظامی نے گھوڑے کی تیز روی و تیز دو ی کو نہایت لطف سے بیان کیا ہی فرماتے ہیں کہ وہ گھوڑا ایسا سریع السیر تھا کہ اُس کے پاؤں کو پاؤں نہ کہنا چاہیے بلکہ وہ پر تھے

کہ اُس کے جسم سے نکلے تھے۔ کسی کا ہاتھ اُس کے قدم تک نہیں پہنچ سکتا تھا گور صحرائی جن کی تیزی ضرب المثل ہے وہ بھی اُس گھوڑے کی گرد پر آفریں خواں تھے۔ اظہار سرعت کے لیے جس قدر مبالغہ کیا جا سکتا تھا انھیں چند اشعار میں ادا کر دیا گیا۔ اُس پر سُست و پا کا تقابل چرخ و مہر و ماہ کا تناسب، آسمان و مہر و ماہ کے مقابل لفظ گو کا لانا نظم کا زیور ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی وہی اشقر ہے اور وہی اُس کی تیز روی مگر بندشیں جُدا ترکیبیں نئی خیالات نرالے مضامین انوکھے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ صفت آپ کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ ہرگز امتیاز نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کتاب کے مقابلہ میں آپ کوئی دوسری کتاب لکھ رہے ہیں یہاں وہ اشقر سریع السیر ابلق لیل و نہار سے زیادہ تیز ہے صبا اُس کے سامنے قدم نہیں اُٹھا سکتی دوڑ کے وقت وہم تک کے بھی ہاتھ پاؤں باندھ دیتا ہے پَر ہونے پر مُرغ تیز کا کام کرتا ہے اس کے علاوہ اشقر و ابلق کا تقابل اور باقی الفاظ کا تناسب قابل تعریف ہے۔

زندہ گرفتاریِ گور

نظامی	خسرو
چوں کمندِ شکار بگرفتے	بعد ازاں چوں بروں شدی بشکار
گور زندہ ہزار بگرفتے	کم رسیدی رمندہ را آزار
نام خود داغ کردہ بر رانش	در کمندش بحکم بر بستے
دادہ سر ہنگیِ بیابانش	باز گشتے و شاد بہ نشستے

خسرو	نظامی
گرم بر رانش داغ فرمودے	چوں کہ داغ ملک براں دیدے
خطِ آزادیش ہماں بودے	گرد آزار او نگر دیدے
چرخ زاں گور گیریِ بہرام	بندۂ راز بند بکشادے
گورخانہ زمانہ کردش نام	بوسہ بر داغ گاہ او دادے
تا دریں کہنہ گورخانہ پست	درچنیں گورخانہ مورے نیست
گورخاں ہم زداغ گور نہ رست	کہ برو داغ دست زورے نیست

مولٰنا کا مقصود یہ ہے کہ آخر میں بہرام گورخروں کو زندہ گرفتار کرتا اور اُن کی ران پہ اپنے نام کا داغ ڈال کر چھوڑ دیتا۔ دوسرے شکاری جب شاہی مہر اُس پر دیکھتے تو اُس کا ادب کرتے اور کسی طرح کی تکلیف اُسے نہ پہنچاتے۔ آخر شعر میں ایک عبرتناک نتیجہ ظاہر فرمایا ہے کہ عالمِ فنا میں ایک چیونٹی بھی نہ ملے گی کہ وہ کسی زبردست کی داغ دار نہو۔

اب دیکھنا یہ ہی کہ اسی مضمون کو سادگی کے ساتھ مقابلہ کی حالت میں امیر خسرو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں خسرو کے اشعار پڑھو اُسی مضمون کی سادگی و صفائی کے ساتھ ایسی خوبی سے تکرار ہی کہ باہم مقدم و موخر کا فرق غیر ممکن ہے لیکن نتیجہ جو خسرو نے بیان کیا ہی وہ اُس نتیجہ سے زیادہ عبرتناک ہی یعنی اس دُنیا کے پرانے گورخانے میں خود زمانہ کا گورخان بھی داغ گور سے نہ بچا اور آخر کار وہ بھی قبر کا غلام بنا۔

واقعہ نگاری

بہرام نے اپنی معشوقہ دلارام سے پوچھا کہ تو فرمایش کر کہ کس طرح ہرن کو اپنے تیر سے شکار کروں نظامی علیہ الرحمتہ نے دلارام کی یہ خواہش بیان فرمائی ہے کہ ایسا تیر لگایا جائے جو گورخر کے سر کو اُس کے سُم کے ساتھ بخیہ کر دے۔ خسرو یہ بیان کرتے ہیں کہ دلارام نے کہا کہ کمال جب ہی کہ تیر آہوئے نر کو مادہ بنائے اور مادہ کو جامۂ نر۔ دونوں کے اشعار یہ ہیں۔

نظامی	خسرو
گورے آمد بگو کہ چوں تازم	باز گو تا زنم بدانائی
وز سرش تا سمش چہ اندازم	ہر یکے را چنانکہ فرمائی
گفت باید کہ رُخ برافروزی	سیمبرہم برخصتِ شاہی
سرِآں گور بر سمش دوزی	گفت ایں خواہش ازمن خواہی
شاہ چوں دید پیچ پیچی او	ناوکِ زن برآہوئے سادہ
چارہ گر شد زبد پسیچی او	کہ بود مادہ نرۂ نرش مادہ
	شاہ دریافت خوردہ دانی او
	تاخت مرکب بہ ہم عنانی او

دونوں کے اشعار موجود ہیں اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو دونوں پلّے برابر ہیں۔ اگرچہ فرمایشِ دلارام دونوں کے یہاں غیر غیر ہے مگر صفائی و بے ساختگی میں دونوں کا

کلام مساوی ہے۔ ہاں آخر شعر مولٰنا نظامی کا اہلِ زبان ہونے کو بتا رہا ہے اور خسرو کا آخر شعر اُن کے زبان داں ہونے کا مقر ہے پیچ پیچی اور بدلسیچی خاص اہلِ زبان کا لب ولہجہ ہے خسرو کے یہاں لفظ خوردہ دانی واقع ہوا ہے ارباب مذاق صحیح امتیاز کر سکتے ہیں کہ اہلِ زبان و زباندان ہونے میں اسی طرح کا ایک فرق لطیف پایا جاتا ہے۔

نظامی	خسرو
خواست اوّل کماں گروہہ چو باد	بخدنگے دو شاخ آہوئے نر
مہرۂ در کماں گروہہ نہاد	بردہ زاں گونہ کو نداشت خبر
صید را مہرہ در فگند بگوش	چو بہ بر فرق او بداں ساں اند
آمد از تاب مہرہ مغز بجوش	کہ ازاں نر بمادہ فرق نماند
سم سوئے گوش برد صید زبوں	دو یک انداز را بہم پیوست
تا ز گوش آرد آں غلولہ بروں	پس برآہو روانہ کرد ز شست
تیر شہ برق شد جہاں افروخت	ہر دو در سر چناں نشاندش غرق
گوش و سم را بہ یکد گر بردوخت	کہ دو شاخش پدید کرد بہ فرق
چوں سر و سم بدوخت شاہ زتیر	زاں دو شر طاہنرکہ در خور کرد
بسر و سم در آمداں نخچیر	کرد نرمادہ۔ مادہ را نر کرد

واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اُس کے اجزا و لوازم اس طرح بیان کئے جائیں کہ سامع کی نگاہ میں اُس کی ہو بہو تصویر کھنچ جائے مولٰنا نظامی نے دلارام کی ایک

انوکھی فرمایش بیان کی تھی بہرام کی قدر اندازی اسی کی مقتضی تھی کہ عجیب سے عجیب تر فرمایش بھی پوری کی جائے۔ انھیں امور کا لحاظ رکھتے ہوئے مولنا بہرام کے کمال کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ بہرام نے بجائے تیر و کمان کے پہلے غلیل کو اُٹھا کر ایک غلہ اُس گورخر کے کان میں پہنچایا جس سے اُس کا مغز جوش مارنے لگا۔ گورخر نے اپنے سم سے کان کھجلایا بہرام کا برق رفتار تیر فوراً آپہنچا اور گورخر کے سم کو اُس کے سر سے بخیہ کر دیا۔

چند اشعار میں واقعہ کی تصویر کھینچ کر صورت حال کو اس طرح دکھا دینا کہ گویا ہم اُس کو بچشم سر دیکھ رہے ہیں مولنا کا حصّہ ہی۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی برابر کا جواب ہی۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہاں گور کو شکار بنایا ہے اور یہاں ہرن کو نشانہ ٹھیرایا ہے۔ بہرام نے ایک خدنگ سے آہوئے نر کے دونوں شاخوں کو سر سے ایسا اُڑایا کہ اُس کو خبر بھی نہوئی۔ اور دوبارہ اپنے تیر دوشاخہ کو دوسری آہوئے مادہ کے سر پر ایسا جمایا کہ گویا وہ اُسی کی دو شاخیں ہیں اس طرح چشم زدن میں آہوئے مادہ نر اور نر مادہ کر کے دکھا دیا۔

تشبیہ و استعارہ مبالغہ و اغراق جو عروس سخن کے زیور ہیں ان کی چند مثالیں گزر چکیں انھیں نمونوں سے قیاس کیا جا سکتا ہی کہ خسرو علیہ الرحمۃ کو نظامی جیسے ملک الکلام کے ساتھ ان انواع میں پہلو بہ پہلو رہنے کا پورا استحقاق ہے۔ اور یہ محض بُہتان ہو کہ خسرو صنائع لفظی کے ایسے دلدادہ ہیں کہ اس کے التزام سے لطف معنی خاک میں مل جاتا ہی۔

واقعہ نگاری جسے مثنوی کی جان کہا جا سکتا ہی اُس میں خسروؔ کا پلّہ نظامی سے ہرگز کم نہیں۔ اب ایک موقع مرقعہ نگاری کا دکھایا جاتا ہی جس میں ایک شاہدِ ناز کا سراپا کھینچا گیا ہی۔

مولٰنا نظامی کا یہ کمال خصوصیت کے ساتھ ہر مقام پر نمایاں و بے مثل تسلیم کیا گیا ہی آپ کا خامۂ فکر ایسی تصویر بت طناز کی کھینچتا ہے جس کے مقابل مانی و بہزاد کے اصنام بھی سربسجود ہو جاتے ہیں۔

خسرو	نظامی
خاصہ ترزاں ہمہ کنیزے بود	داشت باخود کنیزکے چوں ماہ
آفتابے بزیر چرخ کبود	چست وچابک بہم رکابیٔ شاہ
اصلش از چین و رخ چو صورت چیں	فتنہ نامی ہزار فتنہ درو
گیسوش چوں سواد چیں مشکیں	فتنۂ شاہ و شاہ فتنہ برو
قامتے در خوشی چو عمر دراز	تازہ روئے چو نو بہار بہشت
ہوس انگیز تر ز عشقِ مجاز	خوش خرامے چو باد بر سرکشت
	انگبینی بروغن آلودہ
	چرب و شیریں چو صحن پالودہ

مولٰنا نظامی نے اختصار کے ساتھ جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہی بالخصوص دوسرے شعر میں فتنہ کا انقلاب لاجواب ہی اُس کے شیریں لب و شکر گفتار ہونے کے لیے جو تشبیہیں لائی گئیں سب کی سب حلاوت بخش ہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار پڑھو وہی کنیز یہاں بھی ہے لیکن ادائیں ترالی۔ غمزے نئے۔ کرشمے جدید۔ مولٰنا نے اُس کے رُخ دلفروز کو ماہ کہا ہے۔ خسرو نے "آفتاب بزیر چرخ کبود" فرما کر سرکار حُسن کے عجیب و غریب کرشموں کا خاکہ کھینچ دیا۔ پھر تیسرے شعر میں قامت کی ایک نئے انداز سے تعریف کرتے ہوئے "ہوس انگیز تر ز عشق مجاز" صرف اسی ایک مصرعہ میں ایک دفتر کا دفتر لکھ دیا۔ انصاف شرط ہے ایک مصرعہ میں اس جامعیت کے ساتھ جس کے قلم نے سراپا کشی کی ہو اُس کے خسرو اقلیم سخن ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

ایک اور موقع

	نظامی	خسرو	
قامت عارض	خرمنِ گل و لے بقامتِ سرو	روئے گل رنگ داد گل را رنگ	عارض دہن
	شستہ روئے و لے بخونِ تذرو	دہنش تنگ با شکر ہم تنگ	
غمزہ	خوبیِ غمزہ اش سحر گہِ خویش	نرگسش دُورباش غمزہ خدنگ	چشم و لب
	بستہ خوابِ ہزار عاشق پیش	لعل در آشتی و عشوہ بجنگ	
لب	لبِ لعلش چو برگ تر باشد	خال او گو ہزار پردہ درید	خال
	برگ آں گل پر از شکر باشد	عالمے را بگنجدے نخرید	
چشم	چشم چوں نرگسی کہ خفتہ بود	گیسوئے پیچ پیچ از سرِ ناز	گیسو
	فتنہ در خواب او نہفتہ بود	داد در دستِ فتنہ رشتہ دراز	

خسرو	نظامی
رگ نمودہ بروں ز لطف بدن	عکسِ روشن بزیرِ زلف بہ تاب
ہم چو رشتہ درون دُرِ عدن	چوں حواصل بزیرِ پرِّ عقاب
بر چو نارنج نو بشاخِ درخت	خالش از زلفِ عنبر افشاں تر
سخت رستہ ز صحبتِ دلِ سخت	چشمش از خالِ نامسلماں تر

مولانا نظامی کے پہلے شعر میں استعارہ کی لطافت اور حُسنِ تکرار کا لطف قابلِ دید ہے قامت و عارض کی تعریف چونکہ ایک ہی شعر میں کی گئی ہے اس لئے دوسرا شعر جہاں چہرہ کی تازگی و سُرخی کو ظاہر کرتا ہے وہاں خوش رفتاری سے بھی مشعر ہے عموماً شعرا کے کلام میں شراب سے مُنہ دھونا چہرہ کو زیادہ گل گوں کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن نظامی نے اُس گلِ رخسار کے رنگیں چہرے کو شراب سے نہیں دھویا ہے بلکہ خونِ تدرو سے دھوتے ہیں جس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ تدرو جس کی خوش رفتاری ضرب المثل ہے اُس کے خرام ناز نے اُس کا خون کردیا تھا۔ اسی طرح تیسرے شعر میں لبِ لعل کو برگِ گلِ تر لکھکر پرشکر کہنا موصوفِ واحد کے لئے صفاتِ متعددہ ثابت کرنے کی ایک عمدہ مثال ہے۔

پانچویں شعر میں عکسِ رخسار اور گیسوئے تاب دار کے لئے جو تشبیہ مولانا نے بیان کی ہے غالباً اُس کے موجد خود مولانا ہیں کسی دوسرے اہلِ زبان کے کلام میں یہ نادر تشبیہ دیکھی نہیں گئی۔

زلف عنبر بو جو اُس کے گلابی چہرے پر بار بار جھوم جھوم کر آجاتی ہے اُس نظارے کو یوں تشبیہ سے سمجھاتے ہیں "چوں حواصل بزیرِ پرِ عقاب"، حواصل ایک بحری پرند ہے سفید و چمکدار، عقاب سیاہ شکاری پرند ہے۔ اب مصرعہ پڑھئے اور اقلیم سخن پر مولنا کی پر جلال آزادانہ سلطنت کی ہزاروں داد دیجئے۔

اب خسرو کے اشعار پڑھو دوسرا شعر ان کی جدّت پسند طبیعت اور قادرالکلامی کا پورا ثبوت دے رہا ہے ایک ہی شعر میں مضامین گوناگوں بیان کرنا خصوصیات خسرو ہے، چشم مخمور و نیم باز کو دورباش قرار دیتے ہوئے غمزہ کو دل و جگر کے شکار میں مصروف رکھنا لب لعلین کو صلح جو و آشتی پسند کہتے ہوئے عشوۂ فتنہ انگیز کا جنگ و جدال سے باز نہ آنا کس خوش اسلوبی و جدت طرازی سے بیان ہوا ہے خال و گیسو کے اشعار پڑھو چار مصرعوں میں کس قدر محاورات جمع کر دیئے گئے ہیں اُس پر خال و کنجد گیسو پیچ پیچ اور رفتنہ و رشتہ کی درازی میں تناسب لفظی و معنوی کس قدر قابل تعریف ہی۔ اگر ناظرین غور کریں گے تو خسرو کے اکثر اشعار میں تشبیہیں نہ صرف لطیف و نادر اُنھیں ملیں گے بلکہ اکثر کو جدّت و ایجاد خسروی کا نمونہ پائیں گے خاص کر پچھلا شعر اُس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے وہ تھوڑی ہی۔ غرض سراپا لکھنے میں بھی خسرو اپنے مقابل سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

موضوع کتاب اور اُس کے اجزا

ابھی بیان ہو چکا ہی کہ ہفت گنبد بہرام کی ہفت اقلیم کی شاہزادیوں سے زیب و زینت

ہی ہر گنبد کا رنگ مختلف ہی اُس رنگ کی مناسبت سے بہرام و شاہزادی کا لباس بھی رنگین ہوتا ہی۔ بہرام شاہزادی سے کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے وہ بادشاہ کو دعا دیتے ہوئے ایک قصہ کہتی ہے ختم داستان پر بہرام ہم آغوش ہو کر داد عیش دیتا ہے

اس طرح ہر قصے میں پانچ چیزیں ہوتی ہیں ایک تو بہرام کا داخلہ دوسرے شاہزادی کی دعا تیسرے شاہزادی کی زبان سے داستان۔ چوتھے رنگ کی بوقلمونی۔ پانچویں استراحت بہرام۔

داستانیں دونوں کتابوں میں بالکل مختلف ہیں اس لئے اُن میں مقابلہ نہیں ہوسکتا پھر یہ بھی ہے کہ واقعہ نگاری و داستان نویسی میں خسرو کی برتری ایسی نمایاں ہی جو مقابلہ سے بے نیاز ہی باوجود اختصار و ایجاز کے ہر داستان کے اجزا و لوازم اس استیعاب سے خسرو نے بیان کئے ہیں کہ اس کمال کی داد نہیں دی جاسکتی۔ اب مقابلہ میں صرف داستان کے بقیہ چار ارکان سے بعض نمونے مقابلتہً پیش کی جاتے ہیں

رنگ سیاہ گنبد اوّل

خسرو	نظامی
رنگ مشکیں شعار عباسی ست	در سیاہی شکوہ دارد ماہ
زیور آرائے چرخ شماسی ست	چتر سلطاں ازاں کنند سیاہ
ظلمت شب کہ مشک فام بود	ہیچ رنگے بہ از سیاہی نیست
بہر آرایش تمام بود	راست ماہی چو پشت ماہی نیست

خسرو	نظامی
خون تر در میان نافہ خشک	از جوانی بود سیہ موئی
تا نگردد سیہ نباشد مشک	وز سیاہی بود جواں روئی
خط و خالے کہ دلستاں دارد	بسیاہی جہاں بصر بیند
مشک رنگ ست زیب ازاں دارد	ہر کسے بر سیاہ بہ نشیند
	گرنہ سیفور شب سیاہ شدی
	کی سزاوار مہر و ماہ شدی
	ہفت رنگے ست زیر ہفت اورنگ
	نیست بالاتر از سیاہی رنگ

فضیلت سیاہی پر جو دلائل قائم کئے ہیں اگرچہ واقعی ہیں مگر طرز بیان زیادہ چست نہیں لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کے دلائل زیادہ دلپذیر اور طرز بیان بہت ہی چست ہے۔

گنبد چہارم رنگ سرخ

خسرو	نظامی
رنگ گلنار دل کشاے بود	سرخی آرایش نو آئین ست
چوں مے لال جاں فزاے بود	گوہر سرخ را بہا این ست
زیب باغ ست رنگ گلناری	چونکہ آمیزشِ رواں دارد
چوں شفق بر سپہر زنگاری	سرخ زاں شد کہ لطف جاں دارد

خسرو	نظامی
ہر کہ شد بخت و دولتی یارش	زر کہ گوگرد سُرخ شد لقبش
رُخ بسرخی بود چو گلنارش	سُرخی آمد نکوترین سببش
ہست گلنار ہمچو نار کلیم	
گل نارست باغ ابراہیم	

اس مقام پر بھی مولنا کے دلائل وطرز بیان سابق کی طرح سادہ اور جدت و چستی سے خالی ہیں برخلاف اس کے خسرو کے دلائل میں جدّت اور طریقہ نہایت ہی چست و معنی خیز ہو اُس پر صنعت تقابل و تناسب لفظی و معنوی نے اور بھی بیان کو رنگین بنا دیا ہی صنائع لفظی کا ایسی صنعت سے لانا جس سے معنی میں رنگینی و لطافت پیدا ہو جائے خسرو کا حصّہ ہی۔

گنبد ہفتم رنگ کافوری

خسرو	نظامی
جامہ کافور گوں بہ ست بساز	ہر چہ ز آلودگی شود نامید
کہ بخیر الثیاب یافت طراز	پاکیش را لقب کنند سپید
پاک رنگ ہست رنگ کافوری	در پرستش بوقت کوشیدن
تا مہارا بیاض مغفوری	سنت آمد سپید پوشیدن
چوں شود مشک آدمی کافور	
موے او را خدائے خواند نور	

خسرو

روز روشن کہ سر بسر نورست

ہمہ نورش برنگ کافورست

اس جگہ بھی سابق کی طرح خسرو کے دلائل میں قوت و فضلیت موجود ہے۔ سات رنگوں میں سے تین کا مقابلہ کرکے کمال خسرو کا نمونہ دکھا دیا گیا۔ ایک اوّل اور دوسرا وسط اور تیسرا خاتمہ کا رنگ اختیار کیا ہے۔ چونکہ ان مقامات کا بیان نہایت صاف وسلیس ہے اس لئے وجوہ افضلیت کا تفصیلی اظہار غیر ضروری سمجھکر ترک کر دیا گیا۔

خواب بہرام با معشوقانِ طنّاز

اس موقع کو کہ شاہزادی جب قصّہ ختم کرتی ہے تو بہرام اُس سے ہم آغوش ہوکر سورہتا ہے دونوں حضرات نے بیان کیا ہے۔ لیکن نظامی کے یہاں عموماً بہرام کا خواب ایک معمولی خواب ہے لیکن خسرو علیہ الرحمتہ جب بہرام کو سُلاتے ہیں تو عاشق و معشوق کے سونے کا نقشہ نگاہوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ دو تین نمونے اس کیف کے بھی مقابلتہً لکھے جاتے ہیں۔

داستان اوّل خواب با ملکہ ہندی

خسرو	نظامی
شاہ کز نازنین مشکیں موے	چونکہ بانوئے ہند با بہرام
این فسانہ شنید روے بروے	باز پرداخت ایں فسانہ تمام

نظامی	خسرو
شہ بران گفتۂ آفرینش گفت	خفت در خوابگاہ حور العیں
در کنارش گرفت شاہ و بخفت	گل در آغوش مشک بر بالیں

خسرو کے اشعار میں جو لطف و کیف ہی وہ محتاج بیان نہیں۔ موئے و روئے۔ عین و آغوش و بالیں کے تناسب کے علاوہ اُس محبوبہ ہندی کو مشکیں موے سے موصوف کرنا اور حالت خواب کو مشک بر بالیں قرار دینا ایک خاص صنعت طرازی ہی۔

داستان دوم ملکہ گنبد زعفرانی

نظامی	خسرو
شہ چو ایں داستاں شنید تمام	شاہ را چوں نگار شکرخاے
در کنارش گرفت و خفت بکام	زعفراں وار شد نشاط افزاے
	در بر آورد شاہ زرد قباش
	زعفراں ساے گشت بر جلواش

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس مقام پر بلیغ و دقیق استعارہ کے ساتھ جس طرح مضمون بیان کیا ہی اُس کا صحیح اندازہ کافی مذاق سخن چاہتا ہی۔

خواب بہرام با ملکہ گنبد سُرخ

نظامی	خسرو
روے بہرام ازاں گل افشانی	ماہ گلنار چہرہ چوں بہ تمام
سُرخ شد چوں گلاب ریحانی	گفت افسانہ خفت با بہرام

نظامی

دست بر سُرخ گل کشید دراز
درکنارش گرفت وخفت بہ ناز

یہاں خسرو نے سادگی و اختصار سے کام لیا ہے اور مولنا کے اشعار میں رنگ آمیزی ہے لیکن پھر بھی دو نمونے رنگینی کے جو پہلے اشعار خسروی میں دکھائے گئے ہیں اُن کے مقابل میں یہ سُرخی پھیکی ہے۔ بہرحال من حیث المجموع خسرو کا پلّہ اس مضمون میں بھی راجح ہے۔

داخلۂ بہرام بہ گنبد

شام ہوتی ہے اور بہرام معشوقۂ دلنواز کے گنبد میں داخل ہوتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مولنا نظامی کا یہ بیان گنبد سُرخ میں نہایت ہی بلیغ ہے۔ اس لئے صرف مقابلہ میں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نظامی	خسرو
شب چو منجوق برکشید بلند	شب چو پرویں نمائے گشت سپہر
طاق خورشید درکشید بلند	ماہ برخویش بست زیورِ مہر
شاہ زاں سُرخ سیب شہد آمیز	داد فرماں خدائیگان سریر
خواست افسانۂ نشاط انگیز	کاید آں ماہروے در تقریر
	بہ فسون وفسانۂ چو نبات
	مغز شہ ترکند بآبِ حیات

مولانا کے ہاں لفظ منجوق کا ایہام ایسا دقیق اور لطف انگیز ہی اور اُس کو یہاں ایسے مخفی استعارہ کے پہلو سے بیان کیا گیا ہی کہ اُس کا مذاق اہل زبان سے دریافت کیا جا سکتا ہی۔

پھر لفظ درکشید و برکشید میں ایسی فصاحت موجود ہے جو سہل ممتنع کی ایک بے مثل مثال ہی مقصود یہ ہے کہ سورج غروب ہوا۔ اور آسمان پر چاند نکلا۔ اس کے لئے جو اہتمام کیا گیا اور جس آمد و بے تکلفی سے ادا کر دیا وہ مولنا کے کمال کا نمونہ ہے

خسرو علیہ الرحمۃ کا بھی وہی مقصد یعنی ہی سورج چھپ گیا رات ہوئی اور چاند نکلا لیکن انصاف طلب یہ امر ہی کہ مقابلہ میں منہ کھولنا اور وہ بھی مولنا جیسے اہل زبان کے سامنے اور پھر بازی میں پیچھے نہ رہنا سوائے خسرو کے اور کس کو نصیب ہوا۔

پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ اوّل مصرعہ کے ساتھ ہمکناری کا جو لطف ظاہر کر رہا ہی اُس کے علاوہ ایسے خاص لطیف استعارہ کا حامل ہے کہ اُس کی داد مولنا نظامی ہی دے سکتے ہیں۔

خسرو کا ہر ایک شعر مقابل کا جواب الجواب بلکہ لاجواب واقع ہوا ہے۔ لیکن نگاہ متصفانہ شرط ہی۔

ایک اور موقع

اگرچہ ایک مثال بھی اپنے مقام پر کافی ہوتی ہے لیکن بعض اہلِ خیال کا خیال کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور مثال بھی پیش کر دی جائے۔

خسرو	نظامی
چون شب تیرہ گشت گوہر سنج	چوں پری سبزۂ زمرد وار
در زمیں در شد آفتاب چو گنج	باغ انجم فشاند برگ بہار
شاہ مست و حریف ہم سرمست	زاں خرد مند سرو سبز اورنگ
رفتہ بیروں عنانِ ہر دو ز دست	خواست تا پُر شکر فشاند تنگ
گفت فرمان دہ سریر بلند	
کہ شکر لب زلبستہ ریزد قند	

مولٰنا نظامی کے یہاں اوّل شعر میں شب کا ہونا اور دوسرے شعر میں اُس نازک اندام محبوبہ سے قصہ کی فرمایش جس آب و تاب سے بیان ہوئی ہے وہ تمام الفاظ کے تناسب و تقابل سے ظاہر ہے خاص کر بہرام کو سروِ سبز اورنگ کے ساتھ استعارہ کرتے ہوئے اُس کی زبان سے یہ کہنا "خواست تا پر شکر فشاند تنگ" کس قدر باحلاوت و شیریں تقریر ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار میں اگرچہ گنبد سبز کے تلازم کو نظر انداز کر دیا گیا ہے مگر ایک ہندی شاعر ایک ایرانی کے مقابل کہتا ہے کہ (در زمیں در شد آفتاب چو گنج) اور قند مکرر کی شکر ریزی یوں کرتا ہے (کہ شکر لب زلبستہ ریزد قند) واقعہ ہے کہ اگر ارباب سماع پر کیف ہوں تو یقیناً یہ سمجھیں گے کہ یہ طوطی ہند نہیں ہے بلکہ بلبل شیراز چہک رہا ہے۔

خسرو کے اسی زور قلم کا نتیجہ ہے جو اہل زبانوں نے بھی ان کے سامنے سرِ تسلیم

ختم کر دیا ورنہ اہلِ زبان کب کسی زبان داں کو خاطر میں لاتے ہیں۔

اشعار دعائیہ

ہر شاہزدی نے جو آغاز داستان سے پہلے بہرام کو دعائیں دی ہیں ایک دو نمونے اُس کے بھی ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ملکہ گنبد ریحانی

خسرو	نظامی
لُعبتِ سیم با ہزار نشاط	پری آنگہ کہ بردہ بود نماز
سو درخ را بہ پائگاہ بساط	بر سلیماں کشادہ پردۂ راز
گفت شاہا جہاں بکام تو باد	گفت کاے جانِ من بجانِ تو شاد
در جہاں ہر چہ ہست رام تو باد	ہمہ جانہا فدائے جان تو باد
ہر کہ بد بیندت چو بد بیناں	خانۂ دولت ست خرگاہت
دوزخی باد ہمچو بے دیناں	تاج و تخت آسمان درگاہت
	تاج را سر بلندی از سرِ تست
	تخت را بادشاہی از درِ تست
	گوہرت عقد مملکت را تاج
	ہمہ عالم بدر گہت محتاج

مولنا کے اشعار میں نماز بردن خاص اہلِ زبان کا محاورہ ہی جو اُن کی ہی زبان سے

بھلا معلوم ہوتا ہے معنی اس کے اطاعت کرنے کے ہیں، پری وسلیمان کا تقابل وتناسب بھی اک خاص لطف پیدا کرتا ہی باقی مضمون دعا معمولی ہے کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔

اشعار خسروی کی بندش صاف اور چست ہی مگر دعا کا مضمون یہاں بھی معمولی وسادہ ہی لیکن دوسرے مصرعہ میں جو محاورہ آداب بجا لانے کے معنی میں ذکر کیا ہے وہ مولنا نظامی کے پہلے شعر کے اُس محاورہ کا جواب ہی جو اہل زبان کے ساتھ خاص ہی۔

ایک اور مثال

خسرو	نظامی
نازنیں بر زمیں نہاد جبیں	چوں ز فرماں شہ گزیر نبود
گفت کاے شہریار روے زمیں	عذر با نار دلپذیر نبود
بخت ہموارہ ہم عنان تو باد	گفت رومی عروس چینی راز
سر بدخواہ بر سنان تو باد	کاے خداوند روم و چین و طراز
ہر مرادی کہ بشمری زانگشت	تا شدی زندہ دار جان ملوک
یک بیک جملہ باد ت اندر مشت	عز نصرت خدائگان ملوک
شرم دارم کہ پیش در زدری	ہر کہ جز بندگیت راے کند
کہربا را کشم بجلوہ گری	سر خود را نثار پاے کند

مولانا کے پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ "عذر ہانا رہ دلپذیر بنود" آپ کی فصیح البیانی کا خاص نمونہ ہے طراز ترکستان کے شہروں میں ایک حسن خیز شہر ہے جس کا ذکر اس جگہ ایک لطف پیدا کر رہا ہے۔ دُعا کا پہلو جو اختیار کیا گیا ہے اُس کی بلاغت بھی قابل تحسین ہے بظاہر کوئی فعل دعا پر دلالت نہیں کرتا ہے اور حقیقت میں سب دعا ہے۔

امیر خسرو کا تیسرا شعر ہزاروں اشعار دعائیہ کا جواب ہے۔ تمامی مرادات کے حصول کے مضمون کو شاعر قادر الکلام نے جس خوبی سے بیان کیا ہے اُس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو جس صنعت و خوبی کے ساتھ بیان کرنا چاہے بے تکلف اُسے ادا کر سکتا ہے۔

پھر آخر شعر میں دُر دُری کا باہمی صنعت تجنیس و اشتقاق کی جلوہ گری اس پر کہربا کے ساتھ تقابل قابل دید ہے دری بضم دال مہملہ بہ معنی ستارہ روشن کے ہے اضافت تشبیہی کے نسبت سے دریا لضم کا مضاف الیہ بنانا کیسی پاکیزہ ترکیب اور زبان دری کی کیسی چست بندش ہے۔

ساتوں قصّوں میں مضامین مشترکہ کا مقابلہ ضرورت سے زیادہ کرکے دکھا دیا گیا جس سے ثابت ہے کہ مولانا نظامی کو تقدم زمانی کا شرف خسرو علیہ الرحمۃ پر حاصل ہے۔ ورنہ خسرو کی مثنوی کسی طرح اپنا پایہ کم نہیں رکھتی ہے۔ کہیں نظامی کو ترجیح ہے اور کہیں خسرو کو ہاں کہیں کہیں بعض محاورات اہل زبان کی خصوصیت البتہ ظاہر کرتے ہیں مثنوی کا خاتمہ دونوں حضرات کے یہاں بہرام کی موت نے کر دیا ہے۔ گور خر کے

تعاقب میں بہرام کوئیں میں گر کر موت کا خود ہی شکار ہو جاتا ہے مولٰنا نظامی اپنی
کتاب بادشاہ کے دُعائیہ اشعار پر ختم فرماتے ہیں۔

نظامی

دولتی باش ہر کجا باشی | در رکابت فلک بفرّاشی
دولتت راکہ از زیادت باد | خاتم کار با سعادت باد
این دعا را ز قدسیاں آمین | میرسد ہر زمان بعلیین

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی جہاں ختم ہوئی ہے وہاں ناصحانہ اشعار لکھتے ہوئے اپنے شیخ
طریقت کی طرف عجب اخلاص و ارادت سے ملتفت ہوئے ہیں۔

خسرو

خسروا پائے نیک مرداں گیر | با مسیحا نشین و پیش بمیر
بایدت خانۂ حیات درست | از خضر باید آب حیواں جست
خواہی از خاک بر سپہر خرام | خاک شو زیر پائے شیخ نظام

اس کے بعد خسرو نے اپنی کتاب کا تمام ہونا سنہ تصنیف تعداد اشعار وغیرہ
بیان کئے ہیں آخر میں اپنے اُستاد علاّمہ شہاب کا شکریہ ادا کیا ہے۔ مولٰنا شہاب
علاء الدین خلجی کے عہد میں ایسے جامع معقول و منقول فاضل جلیل الشان تھے کہ اکثر
فضلا نے آپ کے تلمذ سے شرف حاصل کیا تھا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کا معمول تھا کہ اپنی تصنیف جس طرح کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے

سامنے فاتحہ کی غرض سے پیش فرماتے، اُستاد علاّمہ کے ہاتھوں سے بھی اُسے مشرف کرتے تھے۔ یہ خصوصیت کچھ خمسہ کے ساتھ نہیں ہے۔ اعجاز خسروی کے متعلق بھی ایسے ہی کلمات خسرو علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمائے ہیں کہ شہاب نے تمام اغلاط کے جنون کو اپنے قلم اصلاح سے بند کر دیا ہے اب کوئی اس میں کسی طرح کی غلطی نہ پائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ کی تصانیف عجیب گوناگوں فوائد و برکات سے مالا مال ہیں اُنھوں نے اشعار کے ضمن میں بہت سے اہم اخلاقی مسائل کی تعلیم فرمادی ہے کہیں والدہ ماجدہ سے جو ملے ہیں اُسے نظم کیا ہے تاکہ لوگ شفقتِ مادری کو جانیں اور ماں کا حق اپنی سعادت سے ادا کریں کہیں بھائی کا مرثیہ لکھکر اخوت کے حقوق بتائے ہیں کہیں اُستاد کی تعلیم کا شکریہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ اس مثنوی میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اُستاد کے فضل و کمال کا ایک بلیغ خطبہ پڑھتے ہیں۔ اُس کے بعد فرماتے ہیں ؎

نور دل چوں بعالم افگندہ — سایہ بر کار من ہم افگندہ

من بدو عرضہ کردہ نامۂ خویش — او باصلاح راند خامۂ خویش

چوں ہمہ عیب دید دشمن دار — شستہ چوں دوستانِ آئینہ وار

ہرچہ او گفت می نہادم گوش — برکشیدم مگس ز شربتِ نوش

وانچہ بنمود من نجستم پے — عیب آں بر من ست نے بر وے

انچہ او دید بس نہایت دید — خس و خارے ز گلشنے برچید

یارب او چوں بہ ہیچ نامۂ من   بر و بیروں خطائے نامۂ من

نامۂ او کہ حرز جانش باد   در قیامت خطِ امانش باد

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام کا مقابلہ امام مثنوی گویان مولنا نظامی کے ساتھ جب دکھا دیا گیا تو اب کسی اور کے کلام سے مقابلہ کرنا ایک عبث فعل ہوگا۔

اس لئے کہ خسرو کے بعد اگر کسی نے مثنوی کا حق ادا کیا ہے تو وہ صرف جامی علیہ الرحمہ ہیں لیکن اُنھوں نے اس داستان کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اس بحر میں آپ کی مثنوی سلسلۃ الذہب ہی لیکن وہ خالص صوفیانہ رنگ میں ہی۔ حمد و نعت بھی اُس مثنوی میں مولنا نے گہرے صوفیانہ رنگ میں لکھی ہی۔ بعضوں نے ہموزن کو ہم رنگ سمجھ لیا اس لئے وہ لکھ گئے کہ سلسلۃ الذہب ہفت پیکر و حدیقہ کے ہم رنگ ہی۔ خیر اس طرح کی غلطی مقلدین سے نقل کرنے میں ہو ہی جاتی ہی۔

یہاں یہ مقصود ہی کہ خسرو کے کلام کا مقابلہ ان کے مابعد کے شعرا سے کرنا ایک فضول امر ہے بدیں وجہ ہاتفی کی ہفت اورنگ سے مقابلہ نہیں کیا گیا لیکن بہ نظر مقابلہ خواجو کرمانی اور ہاتفی دونوں کی مثنویاں مطالعہ کی گئی تھیں اس لئے محض چند اشعار دونوں کے حمد و نعت سے نقل کرتا ہوں تا ناظرین کرام اسی سے ایک سرسری اندازہ کر سکیں گے۔

ہفت منظر ہاتفی

حمد

سایۂ آفتاب نہ خورشید   آفتابِ تو سایۂ جاوید

مسجد و دیر را تو کردی ساز | در ایمان و کفر کردی باز
دیر و مسجد می ترا جویند | گرچه هر یک درِ دگر کوبند
جمله موجود را توئی معبود | هستی و بودهٔ و خواهی بود
پشه را هم ز مطبخ جود | طعمه از مغز کلهٔ نمرود
از پئے دیدن سیاه و سفید | نے چراغت بکار و نے خورشید
دیدنِ تو چو دیدنِ ما نیست | وان شنیدن شنیدنِ ما نیست
تاج شاهان و خسروانی کوس | هست بر درگهت چو تاج خروس

مناجات

روز محشر که سر زنم از خاک | سینه صد پارهٔ و گریبان چاک
پیشت آیم ز جرم فرسوده | پائے تا سر گناه آلوده
نکنی کردهٔ مرا منظور | رحمتِ خویش آوری بظهور
دانم ایں را که جمله بد کردم | بد من سرنوشت خود کردم
در ازل هرچه کرده ام تقصیر | نبود غیر کردنش تدبیر
رحمت از ماتقی دریغ مدار | ز فنایش بزیر میغ مدار
نیز طبعش کنی ز جمله غنی | در ثنائے محمدِ مدنی

نعت و معراج

اے بلند از تو پایهٔ معراج | انبیا را سر اولیا را تاج

قرشی تخت و هاشمی افسر — ابطحی رای و یثربی مهتر

شهِ بطحا محمدِ عربی — ای شرار از تو شرار بولهبی

ماهِ مشرق طلوع عالمگیر — نورگیر از تو آفتاب منیر

نه نشست کسی به بالادست — زیردست تو بود هرکه نشست

خضر آبِ روان ز جوی تو یافت — سوی آن چشمه ره بسوی تو یافت

رفت عیسی اگر به چرخ کبود — بودی از وی هزار پایه فزود

ای خوش آن شب که آن هلال صبا — سوی اقصا نهاد رخشت پای

همره طورِ تجلّی ذاتی — بهر ماهِ رخ تو مرآتی

آن شنیدی هزار گونه کلام — نه زبان بود در میان نه کام

سخنانش نداشت پیش و پسی — همه بودند جمع هم نفسی

خواهش دل ز حد برونت داد — آنچه می خواستی فزونت داد

شد یقینت که خانه بی غیرت است — مژده دادت که عاقبت خیر است

سفرت بود طرفة العینی — آن شد آمد نداشت مابینی

کس و بیکس گناهگاری چند — بامید شفاعت خرسند

گر شفاعت گری بجا آری — نیست اندیشه از گنهگاری

خواجو کرمانی

محمد

بسم من لا اله الا هو — صنع لفظی و زین معناه

قادرے کو منزه ست از عیب | صانع کو مقدس ست از ریب

رزمه پرداز کارگاه وجود | نقش بند نگارخانهٔ جود

آنکه هم اوّل ست وهم آخر | وانکه هم باطن ست وهم ظاهر

روح درکیش اوست قربانی | کفر در دین او مسلمانی

عقل قاصر زکنه آلایش | وهم عاجز ز حصر نعمایش

خلعت جاں به انس وجاں داده | وآب حیواں بخضر جاں داده

حسن ذاتش نگر بجسن صفات | در صفاتش ببیں تجلی ذات

آنکه روزی بمور ومار دهد | روشنائی به نور ونار دهد

برقع از صورتِ سخن بگشاد | شمع معنی بدست خواجو داد

اے ز دل کرده شمع منظرِ گل | وے ز گل کرده برج اختر دل

بدر لاله که هست قاصد شام | در رهت بندهٔ منیرت نام

مهدیِ مهد خاک یعنی روح | یافته از تو زندگانی روح

اے زعشقِ تو عقل شیدائی | همه پنهانیت ز پیدائی

ابتدائے ترا نهایت نیست | وانتهائے ترا بدایت نیست

من دل مرده را حیاتی بخش | وز غمِ نیستی نجاتی بخش

بے نوایم مرا نوائے ساز | دردمندم مرا دوائے ساز

شربت از مشربِ یقینم ده | میوه از بوستان دینم ده

زنیفرخان

در توحید بر دلم بگشائے — رہِ ایوان وحدتم بنمائے
خانۂ غفلتم ز بر برکش — دامنِ عصمتم بسر درکش
عالمِ ہستیم بباد مده — خرمنِ ہستیم بباد مده
مرغِ طبع مرا بگلشن راز — بلبلِ پرده ساز معنی ساز
ظلمتِ ظلم از رواں بفزائے — وآبِ حیوانم از زباں بگشائے
ملک معنی مسخرم گرداں — حکم و حکمت میسرم گرداں
دلِ خوا آچو ز شمع دل بفروز — چشم تجریدش از جہاں بردوز

نعت

اے رُخ ماه مطلع لولاک — وے بقد سرو گلشنِ افلاک
سیدِ انبیا پناه رسل — مقصدِ کن فکاں امام رسل
نبیِ ہاشمی رسول خدائے — مرغ دستاں سرائے ہر دو سرائے
حجۃ حق خلاصۂ کونین — رحمتِ خلق و ہادیِ ثقلین
شمع بطحیٰ چراغ بیت حرم — صدر و بدرِ جہاں جہان کرم
راه بنمائے الذی اسریٰ — مجلس آرائے قصر ما اوحیٰ
مروه را زینت و صفا از تست — رونقِ ملک اصطفا از تست
تو کماں دار قاب قوسینی — عرش را زیب و فرش را زینی
بو البشر خوشہ چین خرمن تو — روضہ خرم بہ بوئے مسکن تو

شرفِ بام کبریائت مہر — کاسہ ریز مطبخ تو سپہر
تو مہ و مطلع تو اوج فلک — توشہ و لشکر تو فوج ملک
خادمِ خوان دعوتِ تو خلیل — مرغ باغ بنوتت جبریل
کشتۂ تیغ غمزۂ تو ذبیح — وز دمت روح پرورید ہ مسیح
آستانِ تو سجدہ گاہ فلک — وآستیں تو بوسہ جائے ملک
سدرہ را منتہا تو دیدن و بس — گل باغ دنا تو چیدن و بس
گر یتیمی چہ غم کہ از تعظیم — بیش باشد بہائے دُرِّ یتیم
دمبدم چشم ما کہ رفت برود — می فرستد بروضۂ تو درود
رفتم از دست عذر من بہ پذیر — سر برآور زخاک و دستم گیر
در حریمِ شفاعتم بہ نشاں — وآستیں بر لضاعتم مفشاں
کار خواجو چنیں خراب مہل — زو رقش درمیان آب مہل
بکشایش در سرائے اماں — برسانش بمنتہائے رساں

خواجو کرمانی کی یہ مثنوی اخلاقی و صوفیانہ ہے چھوٹے چھوٹے اخلاقی مضامین پند و موعظت کے اس میں لکھے ہیں۔

حمد و نعت میں جو اشعار کہ ہم معنی و مضمون واقع ہوئے ہیں اُنھیں اگر خسرو سے ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ تمام مثنوی نگار خسرو سے بمراحل دور ہیں۔

تائید تنقید از بہارستان جامی

بہارستان جامی میں سخن سنج جام نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کی قادر الکلامی کی جو داد دی ہے وہ فقیر کے دعوی پر ایک روشن برہان ہے۔ فرماتے ہیں۔

"امیر خسرو علیہ الرحمہ در شعر متفنن است قصیدہ و غزل و مثنوی ورزیدہ و ہمہ بکمال رسانید۔ تتبع خاقانی می کند ہر چند در قصیدہ بہ وے نہ رسیدہ امّا غزل از وے گذرانیدہ و غزل ہائے بواسطہ معنی آشنا کہ ارباب عشق و محبت بحسب ذوق و وجد آں خود را در می یابند مقبول ہمہ کس افتادہ است خمسہ نظامی بہ از وے کسے در جواب نگفتہ و ورائے آں مثنویہا دیگر دارد و ہمہ مطبوع و مصنوع۔"

اب بعد اس کے کہ ایسی زبردست شہادتیں کمال خسروی کے متعلق پیش کی جا چکیں، اصناف سخن کا بھی ایک نمونہ پیش کر دیا گیا خصوصیت کے ساتھ صنف مثنوی میں مولانا نظامی کے کلام سے مقابلہ بھی کر کے دکھا دیا گیا ان مراحل کے بعد شاید اس دعوی کی تصدیق میں کہ خسرو کا وجود نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں ایک جوہر فرد ہے کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔ اب رہی یہ بحث کہ اس طرح کی جامعیت اور کمالات گوناگوں کے کیا وجوہ ہوئے اس کے لئے صرف حضرت سعدی کا مشہور فیصلہ کفایت کرتا ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کمال خسروی کے متعلق روایات عجیبہ کی وجہ

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام سے پیشتر دنیا اس خبط میں مبتلا ہے کہ جہاں کسی فرد بشر میں کوئی قوت عامۂ ناس سے زیادہ ہوئی بس اوسے خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا گیا

چنانچہ حکماے یونان میں سے فلاطون وغیرہ اسی لقب کے مستحق سمجھے گئے۔ آج یورپ باوجود اس کے کہ علم و فن میں اپنے کو انتہا مرتبۂ کمال پر سمجھتا ہے لیکن کیا مجال کہ اوس قدیم خبط سے ہوش میں آسکے وہی رٹ لگی جاتی ہے کہ عیسی خدا ہے خدا کا بیٹا ہے۔

لیکن تعلیمات اسلامیہ نے جبکہ دنیا کے عقول صحیح کر دیے تھے تو کسی کو یہ جرأت تو نہو سکی کہ کسی صاحب کمال کو اس لقب سے یاد کر سکے لیکن پھر بھی جب کسی کے لئے غیر معمولی کوئی وصف ثابت کیا جاتا تو اوس کے لئے غیر معمولی وجوہ بھی تراشے جاتے۔

اگر خسرو علیہ الرحمہ جیسا شخص اسلام سے قبل دنیا میں آیا ہوتا تو اوس کے محیر العقول کمالات بھی ملک و قوم سے اوسی لقب کی سفارش کرتے جو ایسی باکمالوں کو ملک و اہل ملک کی جانب سے ملا کرتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ کسب و اکتساب تعلیم و تعلّم سے جہاں تک طبیعت میں ملکہ اور قوائے دماغی کی تربیت علی العموم ہو سکتی ہے اوس مقدار خاص سے اگر کسی کی طبیعت میں ملکہ یا دماغی قوت میں نشو و نما زیادہ پایا گیا تو پھر اوس کے بیان وجوہ میں عجیب و غریب رنگ آمیزی کی جاتی۔

خواجہ حافظ شیرازی اور مولنا نظامی کے متعلق جو روایات کہ عوام میں مشہور ہیں وہ اثبات دعوی کے لئے کافی ہیں۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ اکتساب کمال کے لئے جہاں صحیح استعداد طلب کامل محو وانہماک شرائط ولوازم ہیں وہاں نفوس قدسیہ اور ارواح زاکیہ کی توجہ و دعا بھی ایک اثر خاص رکھتی ہے۔

خواجہ حافظ و مولنا نظامی وغیرہ چونکہ زمرۂ صوفیہ میں ہیں اس لئے ان حضرات نے اپنے عہد کے شیوخ سے ضرور استفادہ و استفاضہ دعاے مقبول کا فرمایا۔ یہ اونھیں بابرکت دعاؤں کا اثر ہے کہ ان حضرات کے قلم نے معارف و حقائق کے ایسے مینہ برسائے کہ آج تک رہروان معرفت اُن سے سیراب ہو رہے ہیں۔

عوام نے اونھیں برکات و فیوض کو اپنے الفاظ میں اس طرح شہرت دی جس سے رفتہ رفتہ واقعہ طلسمی افسانہ بن گیا۔ اور اصل حقیقت مخفی ہوگئی یہ نتیجہ اوسی استعجاب کا ہے جو حافظ و نظامی کے شاعرانہ کمال نے عوام میں پیدا کر دیا تھا۔ اس طرح کی روایات سے گو واقعہ کی صورت مٹ جاتی ہے لیکن یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ اوس کا کمال غیر معمولی تسلیم کیا گیا۔

ایسی صورت میں پھر اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ خسرو علیہ الرحمہ جیسے جامع کمالات کے متعلق اس طرح کی روایتیں مشہور نہ کی جاتیں عوام میں کیا کیا مشہور رہے اوسے ہم عوام ہی کے حوالہ کرتے ہیں ہاں جو واقعہ نفس الامر ہے اس مقام پر ہدیۂ ناظرین ہے۔

امیر سیف الدین جو خسرو علیہ الرحمہ کے والد ماجد ہیں اونہیں قصبہ پٹیالی عرف مومن پور یا مومن آباد ضلع ایٹہ میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔ وہاں ایک ولی کامل مجذوب

حال رہا کرتے تھے خسرو علیہ الرحمہ کے والدین اون کے معتقد و خدمت گذار تھے جب خسرو علیہ الرحمہ پیدا ہوے تو آپ کے والد ایک خرقہ میں لپیٹ کر اس مولود مسعود کو اوس صاحب ترک و تجرید کے پاس لے گئے وہ واقف اسرار دیکھتے ہی یہ الفاظ زبان پر لایا "درآوردی کسے را کہ از خاقانی دو قدم پیش خواہد برد"

یہ روایت تقریبًا ہر اوس کتاب میں موجود ہے جس میں خسرو علیہ الرحمہ کا تذکرہ ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار میں مجذوب کے اس جملے کو نقل فرما کر اس کا مطلب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ "قصد آں مجذوب از دو قدم مثنوی و غزل باشد" یعنی خاقانی صرف قصائد میں اوستاد تھا اور اس کا کمال علاوہ قصائد کے مثنوی اور غزل میں بھی ہوگا۔

اس روایت کی نقل سے مدعا یہ ہے کہ ایک صاحب حال واقف اسرار آگاہ حقیقت ولی کامل کے منہ سے ایسے بابرکت مژدہ کا نکلنا ایک ایسی دعاے مستجاب تھی جس کے حاصل کرنے کے لئے خسرو ہی جیسا بلند طالع مولود ہو سکتا ہے۔

دوسری یہ روایت ہے کہ جب خسرو علیہ الرحمہ تعلیم سے فارغ ہوئے اور آپ کی شاعری کا عہد شباب شروع ہوا تو اوس وقت آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی تو اُن سے لعاب دہن کی التماس کرتا تاکہ اوس کی برکت سے کلام میں حلاوت و شیرینی پیدا ہوتی۔

اعجاز سخن اور شیخ طریقت کا فیض

چنانچہ ایک روز جب کہ دولت زیارت حضرت خضر کی نصیب ہوئی تو اُن سے اپنی دلی تمنا کا اظہار نیازمندانہ کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ "ایں بچہ از شیراز برد" یعنی شیرینی سخن کی دولت

شیخ سعدی شیرازی کو نصیب ہو چکی۔ اس مایوس کن جواب سے خسرو علیہ الرحمۃ شکستہ خاطر ہوئے اور شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین محمد سلطان الاولیا قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں صورت واقعہ دردانگیز لہجہ میں عرض کی شیخ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شکستہ خاطر ہونیکی کیا بات ہے حلاوت سخن میں عطا کئے دیتا ہوں چنانچہ آپ نے چند پارے مصری کے خسرو کی سر سے نچھاور فرمائے اور ایک ٹکڑا آپ کے منہ میں بھی ڈالدیا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ خسرو علیہ الرحمۃ جب حضرت شاہ بو علی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اوس وقت اون سے لعاب دہن کی التماس کی ہی شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیرینی تو سعدی کے حصہ کی ہو چکی نمکینی باقی ہے یہ فرمایا اور ایک کنکری نمک کی اپنے منہ میں ڈالکر پھر اوسے خسرو کے منہ میں ڈالدیا۔

جب شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے خسرو واپس تشریف لائے تو اوسوقت اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا اور شیرینی سخن کے طالب ہوئے اوسوقت حضرت نظام المشائخ نے مصری کھلائی اور حلاوت سخن عطا فرمائی۔

صاحب سیر الاولیا مولنا سید محمد کرمانی المعروف بامیر خرد جو امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے معاصر ہیں اور شیخ المشائخ حضرت سلطان الاولیا کے مرید و خلیفہ بھی ہیں سیر الاولیا میں تحریر فرماتے ہیں کہ "روزے در مدح سلطان المشائخ پیش سلطان المشائخ شعرے گذرانید فرمان شد کہ چہ میخواہی چون ہوس سخن در نظم داشت شیرینی سخن خواست فرمان شد کہ آں طاس شکر کہ زیر کھٹ ست بیار و بسر خود نثار کن و قدرے ازاں بخور امیر خسرو ہم چناں کرد لاجرم شیرینی سخن او شرق و غرب عالم گرفت"! سیر الاولیا کی روایت انکشاف اصل حقیقت میں سب روایتوں سے زیادہ

قابل وثوق ہے۔ اگرچہ بہت ممکن ہے کہ عطاے شیرینی کی دولت چند بار نصیب ہوئی ہو اور جس کو جو روایت پہونچی اوس نے اوسی کو نقل کیا۔

لیکن خود امیر خسرو علیہ الرحمہ مثنوی نہ سپہر میں ایک اشارہ کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامعیت اور زور کلام خود شیخ طریقت حضرت نظام المشایخ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بذل فرمائی کا صدقہ ہے فرماتے ہیں۔

من از وے لعاب دہاں یافتم — کزاں گونہ آب دہاں یافتم

دو قطرہ ازاں در دوات افگنم — تظلم در آب حیات افگنم

اسمیں کوئی شک نہیں کہ خسرو علیہ الرحمہ نے جہاں اور برکات مخصوصہ اپنے شیخ سے حاصل کیں وہاں حلاوت سخن بھی شیخ کی دعاء مقبول کی بدولت حاصل کی۔ رہی یہ بحث کہ خاصان خدا کی دعا یا لعاب دہن میں یہ قوت و تاثیر ممکن بھی ہے یا نہیں اس مقام پر ایک امر زاید ہے اور موضوع سے بہت دور جاتا ہے جس سعید ازلی کو نفوس قدسیہ کی مقدس و مقبول دعائیں نصیب ہوئی ہیں وہی خوب جانتا ہے کہ "رب اغبر اشعث لو اقسم باللہ لابرہ" جو ایک زبردست بشارت صادق و مصدوق ہے وہ کیا کچھ قوت و تاثیر رکھتی ہے اور جو شخص اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہے وہ اگر انکار کرتا ہے تو اوس کی محرومی اوس کی عذر خواہ ہے ع

ہر کہ ایں کار ندانست در انکار بماند

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ الکریم و علی الہ و اصحابہ اجمعین ط

حررہ بعلمہ

فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ

بہار شریف۔ محلہ میرداد ضلع پٹنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے کشایندۂ خزانۂ[1] جود | نقش پیوند کارگاہِ وجود
کوکب آرائے آسمانِ بلند | ہم زمیں ساز و ہم فلک پیوند
بودنی را ہمیشہ بود از تو | بودنا بودرا وجود از تو
آفرینش رقم کشیدۂ تست | ہر چہ جز تست آفریدۂ تست
در نیابی[2] بفکر عالمیاں | در نگنجی بوہم آدمیاں
آدمی کیست خاک بے سروپاے | کو[3] بداند خدائے را چو خدائے
سخن آنجا کہ از خدادانی ست | لافِ دانش دلیل نادانی ست
آنکہ خود را شناخت نتواند | آفرینندہ را کجا داند
آنکہ درکارِ خویش گُم باشد | دم[4] غیب از وے اشتلم[5] باشد

(۱) حدم = خزائن (۲) سسنم = بفہم (۳) رم = کہ (۴)(۵) لفظ ترکی ست
بمعنی ستم و ظلم را از حد گذرانیدن ۱۲

مور کافتد میانِ دریا[1] بار ... کے رسد از شناوری بکنار

عقل گو[2] صد ہزار رنگ آمیخت ... از خجالت بپائے پس بگریخت

ہر چہ اندر جہاں نداند کس ... ہمہ دانند کاں تو دانی و بس

کردنی ہر چہ در جہاں شاید ... آنچناں‌ش کنی کہ می باید

حرفِ انگشت چوں زُنُست بہشت ... کس بحرفِ تو چوں نہد انگشت

ساختی از قضا جریدۂ راز ... بستی از حرف کاف و نونش طراز

لائے توحید اژدہاست بپائے ... کہ خدایاں خورد بغیرِ خدائے

اندراں لائے معرفت پیشہ ... لام الف گشت پائے اندیشہ

ہمہ ہستی زملک تا ملکوت ... یک رقم زاں جریدۂ جبروت

ہستِ[3] بے نیست آشکار و نہفت ... ہم تو بی جز ترا نشاید گفت

تو بُدی و نبود ایں ہمہ چیز ... ہم تو مانی و کس نماند نیز

کے کسے چوں تو پایدار شود ... بندہ کے آفریدگار شود

ہر چہ نتواں ز پادشاہی کرد ... کردی و میکنی و خواہی کرد

تو توانی کہ بخشی از شاہی ... ہر چہ خواہی و ہر کرا خواہی

---

[1] دریائے بزرگ ۱۲ لغا جب = گر[2] وجودیکہ در آن عدم راہ نیابد و ہم آشکار و ہم پنہاں باشد آن وجود پاک تست ہم

دریں معنی مولٰنا عبد العلیم آسی غازی پوری قدس سرہٗ شعرے فرمودہ و دُر سُفتہ: بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ

آشکار + اُس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے ۱۲ لغا ر = آں

کارسازی وکارسازت نه	هیچکس کاردانِ رازت نه
گر بجان زندگی ست حیوان را	زندگانی تو میدهی جان را
جان که او را بها نداند کس	رایگانش[۱] دهی بمور و مگس
تو نگاری زخاک صورتِ پاک	تو توانیش باز کردن خاک
خاک را آدمی توانی کرد	آدمی نیز خاک[۲] دانی کرد
گل برآری زگِل بجلوه گری	هم برآری و هم فرو دری
سنبل آری زخاکِ صحرائی	هم بیاری و هم بیارائی
گوهر اندر صدف به بند کنی	پس برآری وارجمند کنی
شب فرستی و شب فروزی هم	روز دادی[۳ب] فراخ روزی هم
دهی از لطف هر کرا خواهی	چشمه را آب و آب را ماهی
پشه را میهمانِ جود	طعمه بخشی زکاسهٔ نمرود
عاجزی را چو دل بزور کنی	شیر شرزه زبون مور کنی
از تو خاکی خویش آتشی ناچیز	بولهب[۴] خوار و بوتراب[۵] عزیز
هر کرا شکر گوے خویش کنی	نعمتش را بشکر بیش کنی

---

۱ صفت وبے عوض ۱۲ ۲ آدمی را خاک کردن هم میدانی ۱۲ شوکت ۳ب رس = آری ۴ لهب بمعنی شعله وابولهب کنیت عبدالعزیٰ ست که عم رسول الله صلی الله علیه وسلم بود در مذمت او سورت تبت یدا نازل گشته ۱۲ ۵ تراب بمعنی خاک ابوتراب کنیت حضرت مولیٰ علی کرم الله وجهه است روزے حضرت مولیٰ بزمین مسجد استراحت میفرمود پیغمبر صلی الله علیه وسلم از غایت شفقت برائے بیدار کردن قم یا اباتراب فرمودند وخاک را از جامه جسم بدست مقدس خویش پاک فرمودند پس ازآن روز کنیت حضرت علی ابوتراب گشت ۱۲

وانکه با شکر نبود ش خویشی — گوشمالش دہی بدرویشی

اے بصد لطف کارساز نده — ق — بنده را از کرم نوازنده

بندگان را بخواجگی شب و روز — ۲ — خواجگی بخش بندگی آموز

بکرم رخت خواجگیم بسوز — بنده ام خوان و بندگی آموز

آمدم بر در تو بے خود وار — با خودم دار بے خودم مگذار

دُور کُن باد خسروی زسرم — پُر کن از خاک بندگی بصرم

بے نیازم کُن از در ہمہ کس — جز ز درگاه بے نیازی و بس

آنچناں ره بخویش کُن بازم — کز تو با دیگرے نه پردازم

ہمہ جا لطفِ خویش یارم دار — بر درِ خویش رستگارم دار

اندراں تلخئے که در انجام — زانده نزع تلخ گردد کام

اولم کُن بشربتے سیراب — کآخرم تلخئے نیارد خواب

در قیامت که حشر کار شود — ق — عاصی از کرده شرمسار شود

چوں بصحرا نہی نہانِ ہمہ — شرمسارم مکن میانِ ہمہ

از گنہ آنچه در جہاں کردم — رحمتم داد دل ازاں کردم

چوں ز رحمت شد ایں عمل یارم — ہم برحمت حواله کُن کارم

چوں رسد خواجۂ نکوکاراں — ق — در شفاعتگہِ گنه گاراں

---

۱ یح = ز بندگی ۲ اضافه بموجب نسخه ۳ بس = تلخیم ۴ میدان محشر ۱۲ ۵ دل داد یعنی دلیر ساخت ۱۲

زانِ[1] شفاعت رواجِ کارم بخش	بشفیعِ[2] بزرگوارم بخش

دُرود روان سوی روضهٔ محمدی که هشت بهشت
راگلِ خلد از گلابِ عرقِ او شگفت اللهم صل علیٰ محمد

سخن آں بہ کہ بعد حمد خدای	بود از نعت خواجهٔ دو سرای
احمد آں مرسل خلاصهٔ کون	پرده پوشِ اُمم بدامن عون
میم احمد که در اَحَد غرق ست	کمر خدمت از پئے فرق ست
احمد اندر اَحَد کمر بندست	یعنی این بنده واں خداوندست
عاصیاں را در آفتاب[3] نشور	ظل[4] محمد[5] و داد از منشور
نورِ او آفتاب را مایه	سایهٔ خلق و ابر بے سایه
بهرِ تعظیم و ارادتِ پاک	سایهٔ او رها نکرده بخاک
پایهٔ قدر بش آسماں پیوند	سایهٔ نورش آفتابِ بلند
روشنائی دهِ چراغ یقیں	نورِ پیشین و شمعِ بازپسیں
نورِ او کز سپهر صد چندست	مه شگافت و سپهر پیوندست
انبیا پیشِ آں خجسته چراغ	طفلِ گهواره در مقامِ بلاغ

---

[1] ج = از [2] ب = برسول [3] روز قیامت ۱۲ [4] ظل بمعنی سایه [5] محمد و بمعنی درازه و منشور بمعنی فرمان شاهی و اینجا فرمان الهی ۱۲

کارپردازِ کارنامۂ[1] غیب　　　خازنِ گنج خانۂ لاریب

اُمّی و حرف سنجِ تختۂ کُن　　　قلمش راست کار و راست سخن

کاف و نون یک رقم ز نامۂ او　　　لوحِ محفوظ زیرِ خانۂ او

بهترین نقطۂ رسل بشمار　　　آسمان دائره است او پرکار

در سرشتِ خود از دقیقۂ عون　　　ذاتِ پاکش خمیرمایۂ کون

نہ سپہر از وجود او شد چیز　　　بلکہ هژده هزار عالم نیز

زبدۂ هرچہ بود و هرچہ بود　　　دولتے زین بزرگ تر چہ بود

درّۃ التاجِ کُن فکان نسبش　　　قرۃ العینِ انس و جان لقبش

هستی از وے علم برآورده　　　او تفاخر بہ نیستی کرده

گفت عیسیٰ خود از کتابِ احد　　　یاتی من بعدی اسمہ احمد

ذاتِ او خلق را کلید نجات　　　هم حیاتِ جہان هم آبِ حیات

عیسیٰ از کیمیائے جانست بپوست　　　بیگمان کیمیائے عیسیٰ اوست

خاتمِ چرخ زادۂ انگشتش　　　پدرِ او چکید از پشتش

اوست جائے کہ قالبش بیقین　　　جانِ روح اللہ است و روحِ امین

ختمِ پیغمبران بار خدائے　　　گمرہان را بصدق راهنمائے

منکرِ شرع را ز اصل و ز فرع　　　سر زده هم بتازیانۂ شرع

---

[1] لب = کارخانۂ ۵ مراد از قرآن پاک ست کہ در توصیفش عز اسمہ ذالک الکتاب لاریب فیہ فرمودہ ۱۲

بهدایت دلیلِ بے دیناں | بشفاعت پناہِ مسکیناں
چون بحجت ز بہرِ دعویٰ خاست | حُجتِ او درست دعویٰ راست
در جہانگیری از زبر تا زیر | ہم زبانش درست و ہم شمشیر
بر سریرِ فلک بحجّت میر[۱] | لائے لولاک دور باشِ سریر
پنج منشور[۲] از چہِ ظلمات | سوئے نہ بام نردبانِ نجات
کنگرِ شینِ شہرِ عشق از ہمہ راہ | بر شدن را فگندہ حبل اللہ
بردہ بر عرش خواجگی را تاج | عرشیانش بہ بندگی محتاج
اوج بر بُلبلانِ ماز اغش | غلغلِ مرغِ سدرہ در باغش
آنکہ او سنگ زد بدندانش | یافت گوہر[۳] ز لعلِ خندانش
عذر خواہِ امم بہ پردۂ راز | عذر او جرم سوز و مجرم ساز
وصفش از حدِّ عقل و جاں برتر | بارگاہش ز لامکاں برتر
آفریں باد بر چناں خاکے | کہ ازو زادہ شد چنیں پاکے
نور او از زمیں بروں دادہ | آسمان و زمیں ازو زادہ

۱؎ ریختت امیر ۲؎ دور باش بواؤ معروف نیزہ باشد کہ سنان آن را دو شاخہ سازند و چوب آنرا بزر و جواہر مرصع ساختہ پیشا پیش سواری بادشاہاں برند تا خلق از دور مشاہدہ نمودہ یکسو شوند و نیز اگر عدوے کند بجانب بادشاہ انداز دیداں دفع کنند۔ پس لائے (لا) لولاک را دور باش گفتن عجب استعارۂ بلیغ است و للہ در قائلہ ۱۲ ۳؎ در حدیث آمدہ است بنی الاسلام علیٰ خمس لیے بنیاد اسلام بر پنج چیز نہادہ شدہ است کلمہ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج پس از پنج منشور ہمیں مراد باشد یا نماز پنجگانہ واز چہ ظلمات کفر و ضلالت ۱۲

۴؎ از گوہر مراد دعا در حق کفار ست ۱۲ شوکت

خاک و آبش بکار خانۂ راز — گشته نه بام را عمارت ساز

چار یارش بچار سوئے زمیں — چار رکن و چہار صفّۂ دیں

آں بزرگاں کہ ہمنشینِ ویند — روشن از پرتوِ یقینِ ویند

اوّل آں اوّلیں خلیفۂ کار — ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

دویم آں کز شکوہِ پایۂ او — دیو بگریختہ ز سایۂ او

سوم آں جامعِ جریدۂ پاک — چاشنی گیر خوانِ ارسلناک

چارم آں قصرِ وحی را دہلیز — درِ علم و کلیدِ خیبر نیز

دوستان دگر کزاں جمعند — صبح را نور و شام را شمعند

آنکہ پاکند پاک کیشانند — رضی اللہ عنہم ایشانند

راہِ شاں را کہ نہ فلک زپس ست — توشہ خوشنودی خدائے بس ست

ہر یکے سرِّ سرمدی دارد — زانکہ نورِ محمّدی دارد

ہمہ را داد دولتش ہمہ چیز — آفریں بروے و بر ایشاں نیز

ابداللہ ہر با رضائے تمام — از خدا بادشاں درود و سلام

گردِ آں انجمِ سپہر افروز — پرتوِ نورِ مصطفےٰ شب و روز

ہر کہ از مصطفےٰ ندارد نور — سایہ اش دور باد از ما دور

نامِ پاکش کہ مردۂ آنم — زندہ باد ابیاد[١] او جانم

---

١ ج = زیاد

بندہ خسرو کہ در پناہش باد	مردہ و زندہ خاکِ راہش باد

صفتِ معراجِ سیّد المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

گر شود مردم آسماں را تاج	جز محمدؐ کرا است ایں معراج

فرخ آں شب کہ آں چراغِ دو کون	زد بقندیلِ عرش پرتوِ عون

شب چو بر سر نہادہ چترِ سیاہ	چترِ اسریٰ کشید بر سرِ ماہ

دو لقش زیں سرائے دامن گیر	جلوہ گر شد بہ لاجوردِ سریر

شبِ[1] او گشت زیورِ ماہش	نورِ او گشت مشعلِ راہش

در دلِ شب ز پرتوِ آں نور	حرف باریک غیب خواندہ ز دور

جبرئیل آوریدش از درگاہ	راہوارے کہ وہم رانَد راہ

بر نشست و عنانش داد فراز	تا شتاباں شود براہِ دراز

اوّل آں دم کہ کوسِ اسریٰ زد	خیمہ در بارگاہِ[2] اقصیٰ زد

رفت زانجا ہمہ نوا بخشید	خستۂ[3] خویش را دوا بخشید

پس بہ پیشش عطاردِ نامی	بردِ شعرِ یمانی و شامی

---

[1] مراد از شب گیسوے معنبر و از ماہ چہرہ انور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

[2] مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس ۱۲

[3] خستۂ خویش باعتبار معجزہ شق القمر ماہ را قرار دادہ ۱۲

چوں از آنجا جنیبه راند به پیش　　زهره در رقص شد ز قبهٔ خویش

در رهش آفتاب روشن و پاک　　پیش ازاں[1] رو نهاده بود بخاک

چوں به پنجم سپهر کرد خرام　　طرقوا[2] زد چو چاوشان بهرام

چوں ششم خانه شد قرارگهش　　مشتری از عمامه رُفت رهش

زحل از سهمناکیِ کیشش　　گشت غلطاں چو هندواں پیشش

چوں ز اختر بتا ثبات گذشت　　زین تحرک در آں ثبات گذشت

هم ثوابت خجسته ذات شدند　　هم بدریوزهٔ[3] ثبات شدند

چوں علم پیش برد زیں پرکار　　ماند برجا ز ماندگی رهوار

عرش بر داز جنیبه بارش را　　پائے گم شد جنیبه دارش را

رویش افگند ز آفتابِ حضور　　برقنادیلِ عرش پرتوِ نور

چوں برخ عرش را منور کرد　　زاں[4] مکاں سر بلامکاں بر کرد

جلوه کرد از ورائے کونینش　　سر بدرگاهِ قاب قوسینش

برگرفت از میاں حجاب خیال　　تا در آمد بجلوه گاهِ جمال[5]

شد بجائے که جاں نمی گنجد　　خود هم اندر میاں نمی گنجد

دیده را نورِ لایزالی داد　　سینه را سرِّ ذو الجلالی داد

---

[1] جب = بهراو　[2] معنی طرقوا (که صیغه امر حاضر ست) یکسو شوید و راه دهید و معنی چاوشان نقیبان ۱۲

[3] ح = بدریزه　[4] ب = از　[5] جب = وصال

چوں ز عالم بروں نهاد قدم ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ جلوه[ن۱] گر شد به پیشگاهِ قدم

هستی دیده کش زوال نبود ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ نیستی را درو مجال نبود

یافت در خود متاع موزوں را ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ دید بی‌شک خدای[ن۲] بیچوں را

نکته برخواند بے وکالت هوش ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ قصه بشنید بے میانجی گوش

گوش کی سرّ غیب را سنجد ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ بحر اندر صدف کجا گنجد

با هزاراں هزار نقد مُراد ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ در شبستانِ دولت آمد شاد

بهره داد از رهِ جوانمردی ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ ره روان را زان ره آوردی

کرد چوں بخشش خواجگاں[ن۳] همه چیز ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ داد بخشش گناه گاراں نیز

هر یکے را نوید احساں داد ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ یادگارے ز یادِ یزداں باد

تا شدیم از جناں متاعِ امید ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ ما گدایاں توانگرِ جاوید

بیں که چوں گنج خانهٔ داریم ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ که چو ایماں خزانهٔ داریم

چه غم ار هست نقب زن بقفا ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ حَسْبُنَا اللهُ وَحْدَهٗ وَكَفٰی

مدح قدوة الخافقین نظام الحق فی الدنیا والآخرة

رضوان ریاض ریاضت که گلهاے تازه وجوه یومئذ ناضرة وبرگهاے ترالی ربها ناظرة در فردوس ارادت

ن۱ ح = پیش رو   ر = پیشتر   ن۲ جب = لقاے   ن۳ حس = خاصگان

او تواں یافت بلغه الله فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر

چون[۱] من از خوانِ نعمتِ خواجهٔ خویش	نعمتے تازہ یافتم در پیش
زلّه[۲] کردم ازاں رقاقیٔ چند	تا کنم توشهٔ[۳] ابد پیوند
گندمے بود زلّه آدم را	خوانچهٔ نیز پورِ مریم را
زلّه ام کز رسولِ والا بود	نه کم از آدم و مسیحا بود
کنم اکنوں ازاں نعیم جلال	خوانچهٔ مدح شیخ مالا مال
غوثِ عالم نظامِ ملّتِ دیں	قطبِ هفت آسمان و هفت زمیں
رهبرِ پیش بیں محمد نام	زده پے بر پئے محمّد گام
صوفیِ در شعارِ صوفِ سلیم	چرخِ اطلس نهفته[۴] زیرِ گلیم
در قدم راهش از ملایک پیش	پایش از بوسه ملایک ریش
قدمش را که آسمان محل است	پایهٔ خطوتین[۵] قد وصل است
از کرامت بر آسمانش جائے	وز ریاضت هواش[۶] در ته پائے
سعدی از سرنوشت خود مسعود	خطِّ پیشانیش طرازِ سعود
مردم دیده ستاره و ماه	گفت چرخش علیک عین الله

---

[۱] ج = منکه   [۲] زلّه بفتح زا و تشدید لام آنچه از طعام بهر کسی نگاه دارند و رقاق بضم اوّل نان تنک ۱۲

[۳] توشه موصوف ابد پیوند صفت ۱۲   [۴] ج = نهاده   [۵] مسافت میان هر دو قدم ۱۲

[۶] هوا یعنی خواهش نفس را در ته پا آورده و پامال ساخته ۱۲

پاک روحِ الٰہی بدینِ قوی — زندہ دارِ شریعتِ نبوی

شہپرِ ہمتش ببازوے دیں — سختے[1] از جناحِ روحِ امیں

شرفِ آدم از نکو خلقی — نائبِ مصطفیٰ بوحیٔ خفی

ہُوَ مَعَکُم براتِ حاصلِ او — کُنتُ کنزاً خزانۂ دلِ او

کاردانِ ممالکِ ملکوت — مشرفِ[2] کارخانۂ جبروت

پادشاہاں[2] بہ بندگی شرفش — خواجگانِ زمانہ در کنفش

بر زمیں جبرئیلِ نورانی — زادہ از بیضۂ مسلمانی

آفتابی ست ز آدمی زادہ — و آسمانی ست از زمے زادہ

نے ز ابرار دیدہ کس عملش — نے ز ابدال یافتہ بدلش

سفرش زیں نہ آشیانہ بروں — روزہ از ماسوا اللّٰہش بدروں

ہر شبش ز اوجِ عالمِ اسرار — صبحِ دولت دمیدہ از شبِ تار

پاکبازے فگندہ بر سرِ گنج — ہفت[3] و چارِ زمانہ در شش و پنج

آہِ او تیرِ چرخ گاہِ کشاد — نفسش تیغِ تیز ہمچوں باد

زدہ دہلیزِ قدر بر درِ دیں — میخش اوتاد و رشتہ حبلِ متیں

---

(۱) س = نسخہ ۔ ۲ نویسندہ کہ بالاے نویسندگان متعین شود تا از خیانت ایشان خبردار بودہ باشد ۱۲

(۲) جب = پادشاہے ۔ ۳ از ہفت مراد ہفت آسمان و زمیں و از چار عناصر اربعہ کہ موالید ثلاثہ جماد و نبات و حیوان ازان بوجود آمدہ یا ربع مسکوں و از شش و پنج متحیر و عاجز یعنی چنداں گنجِ عرفاں دارد کہ ہمہ عالم را متحیر ساختہ ۱۲

خاک دہلیزش آسمان سلب ست | بوریای وی ارچہ از قصب[1] ست
دررواقش بہوسش دیوار | خانہ کردہ فرشتگاں بسیار
دیوار سیلیش بدست صفا | ہم سیہ روے وہم کبود قفا
سروران سلوک درکویش | مسح کردہ زآب پاشویش
واں سواکش[2] کہ عمدۂ دین ست | دُرج دُررا کلید چوبین ست
دردلِ عاشقاں بہ پردۂ راز | بانگِ نعلین[3] ارغنونِ نیاز
نور بخش درونہ عین عطاش | رہنماے امید دال دعاش
چوں زوجد آمدہ دلش درسوز | شمع راکردہ خاطرش پرسوز
چشم مہرش زپرتوِ جاوید | سنگ راکردہ لعل چوں خورشید
کیمیا سنج کو رۂ[4] مقصود | کہ دحل جملہ عقد ہاے وجود
دلش ازعشق خون و دیدہ پُرآب | اینست کبریتِ احمر آں سیماب
دردو درمانش دریتہٖ فرماں | گنجِ دردو خزینۂ درماں
پیش اُستاد دل بکوششش جست | گشت سبق شکستگیش درست
واں مریدانِ رہروانِ یقیں | ہر یکے والیِ ولایتِ دیں
ہمہ شیطاں کُش و فرشتہ خدم[5] | درروش بر ہوا نہادہ قدم

لہ تے وہرچہ مانند نے باشد ۱۲   ۲ سواک یعنی مسواک ۱۲   ۳ جب نعلینش   ۴ جب = رہ
۵ جب = قدم

زنده دارِ شب از دمِ تسبیح | غلغل افگنده در رِواق[1] مسیح
بر سر از شینِ شرع ساخته تاج | دل[2] شاں عرش و سجده شاں معراج
ملکِ وحدت بنام ایشان ست | بنده خسرو غلام ایشان ست
نام من زاں ستوده کیشاں باد | حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

مدح سلطان خلد بزم سدره علم طوبیٰ اقلم علاء الدنیا والدین اعلاه الله علیٰ اعلیٰ علیین

مشتری کوست کاره[3] دانِ سپهر | دوش سوئے من آمد از سرِ مهر
گفت کاے از ضمیر دریا کار | گشته بازارگانِ دریا بار
زاتشِ طبع یافته جاوید | روز بازارِ گرم چوں خورشید
آمدم تا ز درجِ درِّ ثمیں[4] | سوئے گردوں برم متاعِ زمیں
گوهرے ده که چرخ تاب[5] بود | درخورِ گوشِ آفتاب بود
کاں گهرها که آسماں تاب ست | کهنه و خورده و زرد و بی آب ست
گفتمش کاں گهر که کردی یاد | دهمت گر بها توانی داد
گفت گر نبودم بها داری | هست دیدار رایگاں باری

---

[1] رواق بالکسر و بالضم بمعنی خانه و پرده اینجا مراد فلک چهارم [2] اشاره بایں هر دو حدیث شریف ست (۱) قلب المومنین عرش الله (۲) الصلوٰة معراج المومنین ۱۲ [3] دانندهٔ کار اے قاضیِ فلک ۱۲
[4] جیب = را [5] ترکیب مقلوب فاعلے اے تابندهٔ چرخ ۱۲

من چو گیرائیش[۵۱] نظر کردم — حقهٔ[ن۲] مُهر بسته برکردم[۵۳]

وانگهی ریختم برون ز نهان — گوهر مدح پادشاه جهان

جم ثانی علاء دنیا و دین — آسمان تاج[ن۳] و آفتاب نگین

پادشاه جهان محمد شاه — سایبان جهان ز چتر سیاه

مه سپهر منورش خوانده — دین علاء مصورش خوانده

شاه دیهیم بخش و تاج ستان — از عرب تا عجم خراج ستان

علمش سر بر آسمان سوده[ن۵] — سایه بر آفتاب بگشوده[ن۶]

دورباش وی از صف منصور — شمع خورشید را زبانهٔ نور

او چو گردون مظفر از شمشیر — ابلق روزگارش اندر زیر

آفتابی طلوع کرده ز شرق — غرب را بسته به تیغ چو برق

ظل چترش پناه اهل زمان — بانگ کوسش ندای امن و امان

تیغش ار بر که سلیم شده — کوه چون آسیا دو نیم شده

زد به یک چاشنی تیغ چو آب — فتنه در خواب رفت مست و خراب

رمحش از آسمان ربوده کلاه — پرچم او شده محاسن ماه

---

۵۱ گیرائی بمعنی رغبت و خواهش ۱۲ ن۲ حج = حقه را ۵۳ برکردم اسپے برداشتم ۱۲

۵۴ بحجر = خاتم ن۵ بسج = برده ن۶ مسجب = گسترده

۵۷ سلیم صفت کوه است وار بمعنی اگر ۱۲

تیغ دُرمحش کہ خصم را سوزند — ماءِ مسکوبِ[1] وظلِ ممدود اند

نوکِ پیکانش در مقامِ ہنر — بردہ داغِ کلف ز روے قمر

فتح با تیغِ ملک گیرش باد — جانِ دشمن شکارِ تیرش باد

دُرفشانیِ لبِ مادح بنظمِ انبساط زمین بوسِ جنابِ رفعت سلطانی

اے جہاں در پناہِ دولتِ تو — آسماں بارگاہِ صولتِ تو

ہفت اختر کہ خاک راہِ تو اند — سایہ پرورِ بارگاہِ تو اند

خاک پایت ز اوجِ کونینے — یافتہ قربِ[2] قدرۃ الیعنے

بر درت خسروانِ غرب و شرق — ہمہ اصلع[3] شدہ ز سودن فرق

آستانت کز وست انورِ چشم — گشتہ[4] نور از سیاہیِ ہر چشم

بسکہ قصرت شدہ بگردون تنگ — آمدہ پاے[5] آسماں بر سنگ[6]

آفتاب از جبینت شد منور — گرچہ او گرد کرد چنداں نور

ابر با آں[7] ہمہ زبردستی — کردہ در پیشِ دستِ تو پستی

دادہ دریا کفِ تو دُر بہوس[8] — کفِ دریا چہ داد مشتے خس

---

[1] ماءِ مسکوب آب جاری کردہ شدہ وظلِ ممدود سایہ کشیدہ اشارہ است بمضمون آیتہ کہ در صفت جنت بسورۂ واقعہ نازل شدہ پس تیغ ممدوح باعتبار آبداری از ماءِ مسکوب و چترش را از ظلِ ممدود استعارہ آوردہ ۱۲ [2] عجب = شغل [3] اصلع (گنجہ) شوکت ۱۲ [4] ارح = بت [5] پاے برسنگ آمدن عاجز شدن۔ شوکت ۱۲ [6] رجب = دب رجب = رخت شدہ ۱۲ [7] یک = این [8] یعنی کف تو کہ دریاست اہل ہوس را در حسب ہوس شاں بخشید ۱۲

آب باری توزاں کفِ چو سحاب ابر بارد و لے سوارک[۵۱] آب

سائۂ مهر تو شکسته[۵۲] پناه ذیلِ عفو تو پرده پوشِ گناه

[ن]مهد گردوں که ذوالامانت خواند مهدئ آخر الزمانت خواند

عدل سرمایه تاج و تختِ ترا چرخ بازیچه طفلِ بختِ ترا

شحنۂ عدلت از رعایت خویش گرگ را داده آشتی با میش

رزم و بزمِ تو بسکه در کارست دولت مست[۵۴] و بخت بیدارست

چوں خدایت سریرِ شاهی داد ملکت از ماه تا بماهی داد

کوش کآسوده داری از شاهی عالمے را ز ماه تا ماهی

بر ستمکش ز عدل کم نه کنی بر ستمگار جز ستم نه کنی

خار بن را بر افگنی ز گذر خار کن را کنی نهال ز سر

چوں به پیلاں علف دہی حالی از غمِ مور دل مکن خالی

عالم آسوده کن ز نعمت و جود تا تو خوش باشی و خدا خوشنود

چوں بخاصاں دہی نواله و جام ق کامِ شاں خوش کنی بنعمت و کام

یاد کن زاں گدائے بے توشه که شب افتد گرسنه در گوشه

---

[۵۱] یعنی سواران آب ست که حباب و موجۂ آب باشد ۱۲ [۵۲] شکسته پناه اضافت مقلوب یعنی پناه شکستگان ۱۲ [ن ۳۰] ح = مهر [۵۴] دولت تو مست افتاده است پس از غایۂ مستی یارائے رفتن جائے دیگر ندارد و بخت تو هشیارست پس پاسبانی او می کند ۱۲

ن ۹ ح = جهان ۱۲

کِت چو فردِ اشمارِ کار کنند | اوّل از مفلساں شمار کنند

بیغمی بایدت بعالمِ ملک | غمِ عالم خور و مخور غمِ ملک

تا چو عزمی بود لوائے ترا | عالمے غم خورد برائے ترا

شہ جہانگیری از سوار[1] کند | شیر[2] بدست و پا چہ کار کند

مردم از بہرِ آں شود زسراں | کہ کند کارسازیِ دگراں

خدمت از بہرِ بخشش و کرم ست | ورنہ یک تن ز دیگرے[3] چہ کم ست

تا توانی بدین و داد گرائے | کہ بود ملک زیں دو پایہ بپائے

بندہ در خوں کند چو دامن جست | دِیت از پادشاہ باید جُست

پیل چوں مور را تہِ[4] پا سود | پرسش از پیلبانش خواہد بود

گرچہ در سدّۂ آہنی معصوم | مشو ایمن ز ناوکِ مظلوم

گرچہ بینی بگردِ خود صد دوست | زاں یکے دشمنت بود در پوست

ور چہ کس نیست دشمنِ تنِ تو | غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو

آں چناں دار پاسِ جانِ عزیز | کہ تو خوش خسپی و ولایت نیز

ور چہ صد پاسباں بود از پس | پاسِ تو بہ ز تو ندارد کس

بر چنیں پایہ کاستواریِ تست | پاسبانِ تو ہوشیاریِ تست

---

[1] سوار مقابل پیادہ و اینجا بمعنی لشکر آمدہ ۱۱ [2] رس جب = سر بے دست و پا

[3] جب = دیگراں [4] جب = بہ پاے بسود

پاسبانی کہ بہرِ مزد بود | پاسبان نے کہ سیم دزد بود

چوں در آئی بصفِ تیغ زناں | از تزلزل کشیدہ دار عناں

لشکرے کز عدو فرار کند | چوں بسلطاں رسد قرار کند

لیکن ار شہ نعوذ باللہ تافت | کی فراہم شود صفے کہ شگافت

شاہ کوہے بود بسنگِ وقار | جنبش کہ[51] قیامت آرد بار

گرچہ برنا[52] برزم کارگرست | کوششِ کار دیدگاں[53] دگرست

در صفِ رزم باجواناں پوے | لیک تدبیرِ آں زپیراں جوے

من کیم تا زنم[54] زپند نفس | دولت و بخت پند گوی تو بس

ہست بیدار کردنِ بیدار | ہمچو باراں بروے دریا بار

نسزد چرب کردنِ بادام | نے حلاوت بشیرہ دادن[55] ام

لیکن آرد بحضرتِ شاہی | ہر کسے قدرِ خود ہوا خواہی

گر پذیری مرا خود احسان ست | ور گذاری خود از در آسان ست

نرزد[56] ایں تحفہ عرض پیشِ سریر | تو کریمی کرم کن و بپذیر

باش تا ہست چرخِ زنگاری | در جہانگیری و جہانداری

ز آرزو صد نوید در گوشت | و آرزوہا ہمہ در آغوشت

---

۵۱ رس = او ۵۲ برنا بمعنی جوان ۱۲ ۵۳ تجربہ داں ۱۲ ۵۴ جیب = کت زنم

۵۵ جیبا = سزاے من آن ست ۵۶ نرزد مخفف نیارزد ۱۲

دولتت راز کامرانی نور | گردِ ناکامی از جنابِ تو دور
بختِ نیکو همیشه یارِ تو باد | ایزد از بدنگاه دارِ تو باد

در سببِ بنیاد نهادنِ ہشت بہشت اصحاب کہیں
وروی نسیم مدام نوشین وشقائم رہیم سترا با طہورا

شبے از روز بے غمی خوشتر | وقتے از نوبہار دلکش تر
ہفت[1] و نہ کردہ ماہِ چاردہ رو | ماہتابی شدہ جہاں افروز
بر کشادہ ہوای نورانی | آسماں را گرہ ز پیشانی
زحمت[2] از باغ بردہ بادِ خزاں | بادِ نوروز نرم نرم وزاں
گل ز شبنم پر از نسیم شدہ | پردہ دارِ دُرِ یتیم شدہ
جنبشِ بادہاے مشک سرشت | باز کردہ دریچہاے بہشت
من در احرامِ کعبۂ دلِ خویش | نخل[3] بر دست چاہِ زمزم پیش
نخلِ من چوں مسیح در گفتار | حاملِ باد گشتہ مریم وار
گشتہ کلکم کلیدِ سینۂ من | داد بیروں ہمہ خزینۂ من
در گریباں فرو در فتہ سرم | پُر گہر گشتہ دامنِ ہنرم

---

[1] ہفت و نہ کردن یعنی آرایش تمام کردن ست کہ ہندیاں آنرا سولہ سنگار گویند ۱۲

[2] یعنی موسم بہار بود ۱۲ [3] یعنی قلم در دست داشتم و دوات در پیش ۱۲

فکرتم در گرفته پنهانے | گنج پاشے و گوہر افشانے
خاطرِ من بگوہر افشاندن | و آفرینش بآفرین خواندن
اوج پر گشته بلبلانِ ضمیر | کرد مستم زار غنونِ صفیر[1]
ہر نوردی که می کشادم باز | می کشیدم ہزار نکتهٔ راز
گشته زان نکتهاے نور آگیں[2] | روی کاغذ نگارخانهٔ چیں
نفسِ روح پرورِ نغزم | بادِ نخوت دمیده در مغزم
خامه می گفت کز سوادِ ہنر | بعطارد فرو نیارم سر
دل متاعِ گزیده می افشاند | مشتری رازِ آسماں می خواند
من بدیناں بطبعِ گوہر زاۓ | بسخن نکته بند و عقده کشاۓ
کامد آں ہمنشینِ جانیِ من | ناقدِ سکّهٔ[3] معانیِ من
ہم علی نام و ہم به بینائی | چوں علی در کشای دانائی
جبهه از اخترِ خرد پُر نور | طرفه روئے[3] که چشمِ بد ز و دُور
سینه ز اندیشه چوں خزینه پُر | نکته بر نکته چوں علاقهٔ دُر
آدمی صورت و فرشته خوے | صورتِ مردمیش رو بروے
چوں مرا بازیافت[4] پیشانی | در گہر سنجی[5] و زر افشانی

---

[1] ر = صفیر [2] دج = مشک [3] رسجب = نورے
[4] سجب = یار یافت پنہانی [5] ح = سخن

گفت کای جادوی طلسم انگیز — موشگاف از زبانِ خامۂ تیز
چوں شود خامۂ تو در تحریر — جاں برقص آید از نوای صریر
گاہِ فکرت چو خوی کند رویت — صد عطارد چکد ز ہر مُویت
از ہنرہائے بیش ز اندازہ — در فگندی بعالم آوازہ
بردی اندیشہ را علم جائے — کہ نگنجد بوہمِ دانائے
زاں معانی کہ راہ در جاں یافت — بیش زاں یافتے کہ بتواں یافت
ہر یکے رقعہ را کہ کردی نشر — دوختی دامنش[1] بدامنِ حشر
ہر جریدہ کہ ساز کردہ ُستت — دَرے از لطف باز کردہ ُستت
سکّۂ معنی از چہار[2] سواد — کردی آراستہ چو سبع[3] شداد
چوں بعنوان پنجم آمد حرف — تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف
دادی اوّل بگنبدِ دَوّار — روشنائی زمطلع الانوار
کردی آں گاہ بانشاطِ تمام — شہدِ خسرو و شیریں اندر جام
باز در عالم خرد مندی — شورِ مجنون و لیلیٰ افگندی
پس وہاں پُر درِ دَرے کردی — شرحِ رازِ سکندری کردی
ویں زماں کز جواہرِ انجم — می نگاری صحیفۂ پنجم

---

[1] جب = جیب او — [2] یعنی چہار کتاب ۱۲
[3] ہفت آسمان محکم ۱۲

کوش کیں خط[ن۱] چناں نگاری چست — کہ فزوں آید از چہار نخست

کاوّلیں[ن۲] نکتہ[ن۳] گرچہ چست بود — آخریں بہتر از نخست بود

مرد ہر پیشہ را کہ بیش کند — زاں نکوتر بود کہ پیش کند

حرفِ طفلانِ زیرک از کہ و مہ — پنجشنبہ بہ آید از شنبہ

گرمیِ کششِ درو دگر سازد — ہرچہ پیشتر لطیف تر سازد

من کہ زو کردم ایں فسانہ بگوش — آمد از غیبتم[ن۴] درونہ بجوش

دل نہادم بہمتِ والا — کارم از سینہ لولوی لالا

برکشادم خزینہ خانۂ راز — گشتم از نوکِ خامہ گنج انداز

پاسے از شبِ خاطرِ چو چراغ — کردم اندر دلِ عطارد داغ

از سخنہاے چوں دُرِ ناسفت — آں قدر گفتہ شد کہ نتواں گفت

پس ازیں با دلِ ہنر پیشہ — من و پیغولہ[ف۵] و اندیشہ

ایں ورق را چناں کنم تحریر — کہ نیابیش در زمانہ نظیر

در طریقِ سخن شہ[ف۶]راے کہن — ہرچہ دیدم دقیقہ ہائی سخن

کنم[ن۵] اوّل بحرف[ن۶] ہاے غریب — نکتہ ہاے کتاب را ترتیب

دلِ پاکِ منش[ف۹] بمستورے — ساخت دستورِ من بدستورے

ن۱ ج = را　　ن۲ س = اوّلین　　ن۳ س = نسخہ　　ن۴ ج = غیرتم

ف۵ بروزنِ قیلولہ گوشہ وخلوت ۱۲　　ف۶ مراد از نظامیؒ ۱۲　　ن۵ ج = دادم　　ن۶ ج = طرزہاے

ف۹ ضمیرِ شین راجع بسوے مثنوی ہفت پیکر ۱۲

حقه بگشادم و شکر دیدم | چاشنی[۱] را نمونه برچیدم
جرعهٔ را که عقل چید از وے | همه ریزم درین قرابهٔ مے
آں نمودارِ هفت پیکرِ او | وین برآئینِ هفت زیورِ او
واں بهر گنبدے به مجلس و جام | عیشِ خوبان و عشرتِ بهرام
یک بیک را نمونه برسازم | زدِ نو بر بساطِ نو بازم
نمطِ رنگ هائے گنبد نیز[۲] | سازِ[۳] دیگر برآرم از تمییز[۴]
رنگے آرم که بوی هم باشد | وانچناں رنگ و بوی کم باشد
هر مثالے بعنبر افشانے | صندلے و بنفش و ریحانے
وآنکه زردست و زعفرانی فام | کنمش رنگِ زعفرانی نام
آنکه باشد سیاه رنگین نیز | خوانمش عنبرین و مشکین نیز
وانکه سرخ و سپید پنداری | اینست کافوری آنست گلناری
گویم افسانهائے طبع افزائے | از لبِ لعبتِ فسانه سرائے
هر فسانه صراحیے ز شراب | دورِ مستی و بلکه دارو خواب
هر یکے را بهشت نام کنم | حور و کوثر درو تمام کنم
هفت باشد بهشت و گوهر هفت | هشتم آں کاندرو بود هر هفت
پس نویسم ز کلکِ مشک سرشت | نام این هاشت خانه هشت بهشت

۱؎ یعنی چاشنی کلام نظامی را نمونهٔ خود کردم ۱۲ ۲؎ س: نور ۳؎ س: نشانِ ۴؎ س: بنور

تا کسے کاندرو گذر یابد — بے قیامت بہشت دریابد
خود برآں دل کہ خازنِ ہنرست — ہر بہشتے قیامتِ دگرست
گر بود نافِ حجزانۂ راز — داند اندیشۂ مرا پرواز
ورنہ دانش نباشدش پیوند — ہم بافسانہ شُود خرسند
چوں من از خاطرِ سخن پرداز — کردم آغازِ ایں صحیفۂ راز
زیورش کز من آید آں پرداخت — سازمش آنچناں کہ باید ساخت
واں دگر زیورے کہ نتواں داد — آں خدائی بود خدائش دہاد

نصیحت فرزند بہشتی ثمرة الفواد عفیفہ ام عفافہا

اے ز عفت فگندہ برقعِ نوز — ہم عفیفہ بنام و ہم مستور
سالت از ہفت بر نرفتہ ہنوز — روشنی ہمچو ماہِ چاردہ روز
کاشش ماہ تو ہم بچہ بودی — در رحم طفلِ ہشت مہ بودی
لیک چوں دادہ خدائی راست — باخداداد گاں ستیزہ خطاست
من پذیرفتم انچہ یزداں داد — کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم ہر انچہ از در اوست — کاں دہد بندہ را کہ در خورِ اوست

---

۱ جب = ہفت — ۲ ح = کراست — ۳ بازنتواں داد یعنی رد نتواں کرد
۴ د جب = ہر چہ — ۵ دس جحب = خدائے

هر چه او داد بس پسندیده است — هم در اوّل صلاحِ آن دیده است

پدرم هم ز مادر است آخر — مادرم نیز دختر است آخر

گر نه بر دُر صدف نقاب شدی — قطرهٔ آب باز آب شدی

دانه بے کِشت کے ببار آید — آسمان بے زمین چه کار آید

بے پدر ممکن ست شد معلوم — چون مسیحا ز مریمِ معصوم

لیک بے مادرِ خجسته وجود — ولدے را نگفت کس مولود

اے تنت را بجانِ من پیوند — که هم[۱] مادرے و هم فرزند

تو بدین پایه کز قضا داری — گر نهی پا بدیده جا داری

سر برآر از مبارک اخترِ خویش — که مبارک تری ز جوهرِ خویش

انچه نفسِ تو با صلاحِ تن ست — چون تو خونِ منی صلاحِ من ست

گرچه خُردی کنون و بے[۲] تمیز — روزی آخر بزرگ گردی نیز

تا بود در بزرگیت دستور — خورده[۳] چند گویمت مستور

از عروسی شوی چو در خورِ تخت — عصمت خواهم[۴] اوّل انگه بخت

از منت آنکه اوّلین پند ست — جهد بر طاعتِ خداوند ست

تا توانی خدا پرستی کن — وز نیاز خدائے مستی کن

---

[۱] ر = تو هم — [۲] نا فهم ۱۲ — [۳] نکتهٔ باریک ۱۲ — [۴] ج ب = نکتهٔ — [۵] ج ب = بیش خواهم

بایدت ہمچو دیدہ عزت وتاب ‌ ‌ باش چون[۵۱] چشم خویش در محراب

نیکنامی طلب کنی در پوست ‌ ‌ پارسا باش پارسائی دوست

گیرمت سلک گوہری نہ بود ‌ ‌ بہ ز تسبیح زیورے نہ بود

پاک تن باش ہمچو آبِ سپہر ‌ ‌ بلکہ پاکیزہ تر ز چشمۂ مہر

تا شوی[۵۲] ہمچو مہر در ہر سوے ‌ ‌ از پس چار پردہ روشن روے

کوش کز گشتنِ جوانیِ خویش ‌ ‌ مردہ باشی بزندگانیِ خویش

تا من از زندگانیِ تو بہ راز ‌ ‌ از پسِ[۵۳] مرگ زندہ گردم باز

زن[۵۴] چنان بہ کہ مرد روے بود ‌ ‌ تا زنان را بہ پردہ شوے بود

زن اگر مرد مرد تدبیر ست ‌ ‌ سوزن و دوک[۵۵] نیزہ و تیر ست

گرچہ[۵۶] زر باشدش فراخ نہ تنگ ‌ ‌ تا نداری ز دوک و سوزن ننگ

دوک و سوزن گذاشتن نہ فن ست ‌ ‌ کآلتِ پردہ پوشیِ بدن ست

پا بدامانِ عافیت در کن ‌ ‌ رو بدیوار و پشت بر در کن

---

۵۱ یعنی چنانکہ چشم بمحراب ابروست تو خود را بمحراب عبادت بدار ۱۲

۵۲ نسخہ — بو ے

۵۳ اے نام من بسبب اوصاف حمیدۂ تو دوبارہ زندہ گردد ۱۲

۵۴ اے آن زن بہترین زنان ست کہ در جوہر انسانیت بہر نوع کامل بود تا دیگر زنان را کہ از وے فرو تر باشند معلم اندرون خانہ باشد چنانکہ زوج از زوجے تمیز و ہنرمندی معلم زوجہ باشد ۱۲

۵۵ دوکِ آہنِ دراز کہ آن را ہندی تکلہ نامند ۱۲ ‌ ‌ ۵۶ نسخہ — گرچہ زر باشدت فراخ بچنگ

راهِ در کم کن از درونِ سرای   در مبش خضرِ در زندگشای

تا سرت از شرف بماه شود   مقنعت افسر[۵۱] و کلاه شود

زن که از شرم خو کند بسرا   ستر[۵۲] های ستارها قمرا

گوشه گیران ستوده نام بوند   کوچه گردان فراخ گام بوند

زن که در کوچه ها بتگ باشد   زن نباشد که ماده سگ باشد

کم دود ماده شیرِ خون آشام   گربه باشد جهنده بام ببام

کبکِ پنهان خرام را بوطن   حجره باید چو بیضه بے روزن

زن که در زنش[۵۵] شتاب بود   بر فتد گرچه آفتاب بود

روزن ار خود چو چشمِ سوزن بست   وان که راهِ برون شدِ[۵۳] تن بست

ور تماشای روزنت هوس ست   روزنت چشمِ سوزنِ تو بس ست

پرگهر بایدت خزانهٔ خویش   باش با سنگِ[۵۴] خود بخانهٔ خویش

گرچه گوهر ز سنگ نیک ترست   سنگِ مردم نکوتر از گهرست

نفسِ مردم چو یاوه گرد بود   نیک زن به ز نیک مرد بود

مرد که دارِ خوب را سبب ست   خوب کرداری از زنان عجب ست

---

۵۱ یجب = بر سرت کلاه شود   ۵۲ یعنی در پرده پوشیده شدنِ او همچو ماه پسندیده است ۱۲

۵۳ شدِ تن بست اے شدن تن بست و معنی بیت اینکه روزن خانه اگرچه مانند روزن سوزن باشد تاهم آن روزن را کمتر قیاس بکن آنقدر هم راه برون شدن تنِ بست اے رسوا شدن ترا بس است ۱۲

۵۴ با سنگ خود شدن با وقار خود ماندن ۱۲   ۵۵ شد = روزنش

تلخ گویند ارچه نوش لبان   تا نگیری ترنّم[1] جلبان

با دبیج[2] و دفے که لعبِ زن ست   بروے ایں چنبر ست آن رسن ست

دفِ شاں بی ہر اہلِ دشمن و دوست   فتنه را بانگ می کند در پوست

آنکه اوّل سرود ساده بود   در نهایت صلاے باده بود

ذاتِ بی جفت بایدت بهفت   با همه طاق باش جز با جفت

بوفا با حلال یاری کن   نعمتش را حلال خواری کن

از عروساں خزینه داری به   راست گوئی و راستکاری به

خازنے کو بدزدی آرد روے   دزد گویش خزینه دار مگوے

مرد اگر یک قراضه[3] کار کند   زن بکد بانوی هزار کند

چوں ز شوخرجِ زن فزوں باشد   حالِ سامانِ خانه چوں باشد

هر زنے کز نخادتش فردی ست   ناجواں مرد پیش جواں مرد ی ست

دل نگهبانِ رخت باید داشت   گرهِ خویش سخت باید داشت

در زن آرد و فتنه رسوائی   سیم پاشی و پیکر آرائی

گرهِ نقد را چو داری سُست   دست از آبرو بباید شُست

بس عروساں که فتنه جوی شدند   از سفیده[4] سیاه روے شدند

---

[1] ترنّم بمعنی سرائیدن بسرود و معنی جلبان زن بدکار ۱۲   [2] جھولا ۱۲

ن ۲۰ س = دار سیخ و دفے که گرد •   [3] قراضه بمعنی ریزهٔ زر و سیم مستعمل ۱۲

[4] غازه یعنی پوڈر ۱۲

سرخیِ بد ز روی باید شست | سرخیِ روت سرخ روئی تست[۱]

چوں شدی بہر ہفت و نہ[۲] در رنج | نقد عصمت فتاد[۳] در شش و پنج

خال شبرنگ[سیاہ ۱۲] کز مداد کشی ست | ہمچو خالِ سفید بر حبشی ست

خال چوں نقطہ گیاہ شود | ہم بیک نقطہ روسیاہ شود

خالِ بد بر رخ ست داغِ ہلاک | خال بر جبہہ نہ ز سجدۂ پاک

اگر آئینہ بایدت در پیش | پیش نہ آئینہ ز زانوے خویش

وگرت شانہ باید اندر مشت | شانہ امشت کن ز شانۂ پشت

ایں ہمہ فتنہا کہ ہست وبال | با رضاے حلال ہست حلال

ور حلالِ تو ہست بے پرہیز | در حرم خانۂ خداے گریز

در ہمہ کار و بار در ہمہ جاے | مشرفِ حالِ[۴] خود شناس خداے

گر خدایت کند بعصمت شاد | بدعاۓ کنی ز خسرو یاد

آنچہ من دیدمت صلاح درآں | کردمت پردہ پوشیِ پدراں

وانچہ موقوفِ جہد کردنِ تست | تو کن آں را کہ آں[۵] بگردن تست

یا ربت رہ سوے رہائی باد | با رہا نندہ آشنائی باد

---

[۱] جب = سرخ روئیت ۔ [۲] مراد از آرایش تمام باشد کہ آنرا ہندی سولہ سنگار نامند ۱۲

[۳] ب = نہادہ [۴] جب = کار

[۵] جب = ہم

صفتِ دلارام که سررشتهٔ گیسوی مشکین او تعلق به چشتیت دا دوست بازی بهرام با آن کمندِ صید گیر در شکار و نخچیر کردنِ گوران و گرما گرم داغ برران ایشان نهادن

گنج پیمای این خزانهٔ پُر — از خزانه چنین کشاید دُر

کافتابِ جمالِ بهرامی — چون شد از نور در جهان نامی

پدرش رختِ زندگانی بست — او بجای پدر بتخت نشست

خسروی را نشانِ کار گرفت — کارِ عالم بدو[۱] قرار گرفت

سرکشان را ز تیغ[۲] مالش داد — سرِ شان را بخاک بالش داد

مخلصان را ز مهربانیِ خویش — کرد سرمستِ دوستگانی[۵۳] خویش

شرق و غربِ جهان نماند کسے — کز خلافِ رضاش زد نفسے

وانکه رُو در خلافِ رایش کرد — سرِ خود را نثار پایش کرد

بر رعیت فگنده سایهٔ جود — کز[۱۴] جهان کس نماند ناخشنود

زان نمودارِ عدل در همه چیز — شهری آسوده روستائی نیز

آنچنان ضبط شد ممالکِ خاک — کز ستم گشت روی گیتی پاک

---

[۱] نجب = برو. [۲] حر = بتیغ. ۵۳ پیاله نوبت خویش که از راه محبت و اخلاص بدیگرے دهند و در سراج اللغات نوشته پیاله پُر از شراب که دوستان بدستان دهند که بیاد فلان بخوش"
[۱۴] سه = در.

گشت زانگونه کارِ عدل بزرگ — کامینی یافت گوسپند از گرگ

سرِ موی کجی زد هر نخاست — چون سری کو بشانه گردد راست

چون بدین گونه ضبط گشت جهان — رفت در خاک بادِ کج کلهان

شه طلب کرد استواران را — نیک رایان و راستکاران را

هر کرا دید در خرد بیشی — داد با شغلِ دولتش خویشی

کار دلی[۵۱] نشد بروے زمیں — جز خردمند راستکار و امیں

عهدهٔ ملک چون بدینیاں[۵۲] بست — خود بفارغ دلی بباده نشست

عیش میکرد و کامِ دل میراند — باده می خورد و گنج می افشاند

چون بباده صلای عام زدے — خلق بر زرِ پخته گام زدے

مجلس آراستی زناموراں — صف زدندی زهر کرانه سراں[۵۳]

گه بقولِ ندیم دادی هوش — گاه پندِ حکیم کردی گوش

جستی از مطربانِ چابک دست — آنچه بی می تواں شد از وی مست[۵۴]

چون دل اندر ترانه دادے — بسرودے خزانه دادے

روز تا شب دریں خجسته شمار — جز زر افشانیش نبودے کار

در بخلوت نشاط فرمودے — خرم آنکس[۵۵] که محرمش بودے

---

۵۱ جب = کار دانش ن = کار دارش ۵۲ جبن = برایشان ۵۳ یعنی سرداران ۱۲

۵۴ مراد از نغمهٔ ترکه بوجد آرد ۱۲ ۵۵ نسخه = نسخ

حاضرِ خدمتش غلامے چند ‌ ‌ ‌ گشته همتاش[1] در کمان و کمند

در خور[2] مجلس و مصاف همه ‌ ‌ ‌ ناوک انداز و موشگاف همه

کس نیارست درگه و بیگاه ‌ ‌ ‌ دور بودن دمے زخدمتِ شاه

خاصه ترزاں همه کنیزے بود ‌ ‌ ‌ آن فتے[3] در ته سپهر کبود

اصلش از چین و رُخ چو صورت[4] چین ‌ ‌ ‌ گیسوش چوں سوادِ چین مشکین

بسکه کردے بهر دلے آرام ‌ ‌ ‌ بدلارمیش برآمد نام

دیدنش کز صلاح دوری داد ‌ ‌ ‌ سینه را داغِ ناصبوری داد

رنگ و بویش بکار طنازی ‌ ‌ ‌ این بدل دزدی واں بغمّازی

قامتے در خوشی چو عمرِ دراز ‌ ‌ ‌ هوس انگیزتر ز عشقِ مجاز

بر چو نارنجِ نو بشاخِ درخت ‌ ‌ ‌ سخت رُسته ز صحبتِ دلِ سخت

روی گلرنگ داده گل را رنگ ‌ ‌ ‌ دهنش تنگ با شکر هم تنگ

سر در آورده ابروانش بکار ‌ ‌ ‌ چوں مقام[5] بکعبتینِ قمار

هر طرف کابروی به خم کردے ‌ ‌ ‌ آرزو بیش و هوش کم کردے

چوں بدنبالِ چشم کرده نگاه ‌ ‌ ‌ برده صدره رونده را از راه

طرّه را سرزدی بخوں خواری ‌ ‌ ‌ چشمهاے دژم ز بیمارے

---

[1] همسر ۱۲ ‌ ‌ [2] خور بمعنی لائق ۱۲ ‌ ‌ [3] سهرن = آفتابے بزیر چرخ

[4] صورت بمعنی تصویر ۱۲ ‌ ‌ [5] مقام قمار باز و کعبتین پانسه ۱۲

نرگسش دورباش و غمزه خدنگ	لعل در آشتی و عشوه بجنگ
نیم دزدیده خنده زیرِ لبش	کرده تعلیمِ دزدیِ عجبش
سخنِ تلخ در لبش چو نبات	مرگ را داده چاشنی زحیات
لعلِ او کرده بر شکر میرے	شهد را داده چاشنی گیرے
خالِ او گو هزار پرده درید	عالمے را بکنجدے بخرید
گیسوے پیچ پیچش از سرِ ناز	داد بر دستِ فتنه رشته دراز
تنے از نازکی درونه فریب	پاے تا سر همه لطافت و زیب
رگ نموده برون ز لطفِ بدن	هاچو رشته درونِ دُرِّ عدن
خونش در پوست از تنک سلبی[۱][۲]	هاچو می در زجاجه حلبی
در تماشاش روز و شب بهرام	هاچو جمشید در نظارهٔ جام
ره سوی صیدگاه و بیگاهش	آهوئے شیرگیر همراهش
داشتے میلے تمام در نخچیر	گورِ صد شیر کنده بود به تیر
بود در کارِ تیر پُر هنرے	که نبود از هنرجنان دگرے
آهنِ تیر چون محک کردے	خطِ گوران ز پشت حک کردے
ور ز آهو بُدے نشانهٔ او	موئے بشگافتے ز شانهٔ او
ور شدے بر نشانه سخت انداز	رخنه در کوهِ قاف[۳] کردی باز

۱؎ جب = سبک   ۲؎ لباس ۱۲   ۳؎ حجب = نافِ کوه

زانش باران تیر محکم بود — که کمانش کمان رستم بود
بشتیر در شکار خورده مے — خانهٔ زین نشاط خانهٔ وے
باده جز با کباب شور نخورد — هیچ خورده چوران گور نخورد
رغبتش جز بصید گور نبود — با دگر وحشیانش شور نبود
گور چندان فگنده از سر شور — که شدی پشته‌ها چو گنبد گور
گرچه بود[۱] از براق[۲] کوه گذار — ق — صد طویله بهر طویله هزار
لیک بوداشقرے[۳] گزیدهٔ شاه — چیره تر ز ابلق[۴] سپید و سیاه
باد پاے که چون لگام شدے — تگ زدن بر صبا حرام شدے
در بر آهنگ تگ برون جستے — وهم را دست و پاے بر بستے
مرغ بود ارچه پر نبود درو — ماندگی را گذر نبود درو
شاه خوش کرده در ته رانش — داده سیّاحی[۵] بیابانش
چون بصحراش گرم کردی پشت — گوش گوران گرفتے اندر مشت
بسکه بد اعتماد بر خویشش — که نشد هیچ وحشی از پیشش
گور گو چند بود نیرومند — یا بدستش گرفتے یا بکمند

---

۱ عجب = بود وش — ۲ معنی بیت آنکه از چنان اسپان سریع السیر که کوه را همچو برق گذارمید اشتند صد طویله مهیا بود و در هر طویله هزار هزار اسپ ۱۲ — ۳ هر شئے سرخ که رنگش بزردی و سیاهی زند و اسپ سرخ رنگ را نیز گویند و گاہے بمعنی مطلق اسپ هم می آید ۱۲
۴ ابلق سپید و سیاه شب و روز یعنی از ابلق ایام هم غالب و تیز تر بود ۱۲ — ۵ با = سیّاحی د = مسّاحی

چوں ز کشتن ستوہ شد رایش   ق   دل چناں گشت کار فرمایش

کہ ازاں پس بہ بیشۂ ہاموں   زاں دہاں بستگاں نریزد خوں

گلۂ گور کآیدش بنظر   ندہد ناوکش خراشِ جگر

زندہ گیرد برد ببازوی خویش   گندش وزن در ترازوی خویش

بخشد آنگاہ زیورِ نامی   ران او را ز داغِ بہرامی

چوں بہ توقیعِ خویش کردش خاص   دہدش از کمند خویش[۱،۲] خلاص

دل ز آزارِ بے زباناں شست   وین نیت کرد در درونہ درست

بعد ازاں چوں بروں شدے بشکار   کم رسیدے رمیدہ را آزار

بیشتر گورِ خورد سال و جواں   ق   کہ رواتر بُدی زبا[۳]دِ رواں

در کمندش بحکم بربستے   باز گشتی و شاد بنشستے

گرم بر رانش داغ فرمودے   خطِ آزادیش ہماں بودے

گور بر جستے و براہ شدے   بندۂ داغدارِ شاہ شدے

چرخ زاں گورگیریِ بہرام   گورخانِ زمانہ کردش نام

از پسے گورکاں نشانے یافت[۴]   عالمے داغِ گورخانی یافت[۴]

تا دریں کہنہ گورخانۂ پست   گورخاں ہم ز داغِ گور نرست

---

(۱) جب = فتنہ   (۲) ج = غصہ   (۳) جب = آب

(۴) جب = داشت

کیفیت راندن بهرام شیرگیر با دل آرام در نخچیر و هنر نمودن بهرام بر آهو به تیر و جهان گرفتن بهرام و غزالهٔ خود را آهو گرفتن و در بیابان گذاشتن

بامداداں کہ ایں غزالۂ[۵۱] نور	مشکِ شب را نهفت در کافور
شاهِ بهرام هم بعادت خویش	توسنانِ شکارجست به پیش
اشقرے خاص زیرِ راں آورد	لرزه در بادِ مهرگاں آورد
نازنیں را بهم رکیبی خویش	کرد همره زنا شکیبی خویش
شاهِ بهرام ترکِ بهرامی	کرد صیدش بصید دلآرامی
هر دو پویه زناں براه شدند	صید جویاں بصیدگاه شدند
تگ زناں میشدند گشت بگشت	آهواں میزدند دشت بدشت
شاه برزه نهاد و تیر بوزن[۵۲]	می کشانید شیر را زگوزن
زیں میاں ناگه از کرانهٔ دشت	آهوے چند پیشِ شاه گذشت
گفت باشه غزال شیرانداز	کاهو آمد بسوے شیر فراز
هر یکے راز تو چناں جویم	کانچناں افگنے که من گویم
گرچه تیرت بحکم پرهنرست	آنکه حکمی ست حکمِ آں دگرست

---

۵۱ مراد از آفتاب ۱۲ ۵۲ تیر بوزن نهادن نشانه سنجیدن ۱۲

زاں دلیری کہ کرد ماہ تمام ق گفت با او بزیرکی[1][2] بہرام

کہ لبِ شیر چوں بخندد دیر — کے کند آہو آزمایش شیر

لیک چوں پیشۂ من آمد تیر — مرد را کے بود ز پیشہ گزیر

باز گو تا زنم بدانائی — ہر یکے را چنانکہ فرمائی

سیم بر ہم بر خصت شاہی ق گفت کایں خواہش از من خواہی

تا وکے زن بر آہوے سادہ — کہ شود مادہ نر، نرش مادہ

شاہ دریافت خوردہ دانی او — تاخت مرکب بہم عنانی او

بخدنگے دو شاخِ آہوی نر — بر دز انگونہ کو نداشت خبر

ضرب[3] بر فرقِ او بدانساں راند — کہ ازاں تا بمادہ فرق نماند

کارِ نر چوں بمادگی انداخت — سوے مادہ کہ نر کند در تاخت

دو یک[4] انداز را بہم پیوست — پس بر آہو روانہ کرد زشست

ہر دو در سر چناں نشاندش غرق — کہ دو شاخش پدید کرد[5] بفرق

زاں دو شرطِ ہنر کہ درخور کرد — کرد نر مادہ ۔ مادہ را نر کرد

گر چو خواہش صنم ہمہ[6] راست — از وی انصافِ آں ہنر درخواست

پاسخش داد ماہِ نوش لباں ق کای کمانِ[7] تو عقدہ بند[8] زباں

---

۱ جب = تیرگی ۲ ح = طیرگی ۳ رح = چوبہ ۴ دو یک انداز آنرا گویند کہ دو تیر از یک کمان یکبارگی زنند ۱۲ ۵ جب = گشت ۶ جب = را ۷ ح = کمال

۸ کمان تو عقدہ بند زبان ست یعنی زبان صفتِ کمانِ تو کردن نمی تواند ۱۲

این هنر قدرتِ خداوندی | جادوی بود نی هنرمندی
کلکِ تیرت براستی آن کرد | که باندیشه راست نتوان کرد
لیک آنجا که راست اندیشی ست | دستها را ز دستها بیشی ست
زین که تا نفگنی ز بینش بیش | بینشِ خویش را ز بینشِ خویش
کانچه زین کردهات نغز نمود | نیز زان نغزتر تواند بود
شاه را تیره کرد گفتارش | زعفران گشت رنگِ گلنارش
جوشِ صفراش تلخ[1] کرد درون | ریخت تلخی بزهر خند برون
سرکه ابرواش ز بس تُندی | داد دندانِ لطف را کندی
گفت کای درخورِ جفا و بدی | این چه گستاخی ست و بیخردی
شیرگیری ببین[2][3] که در نخچیر | گشتی از شیرِ شرزه آهو گیر
منکه کارم همه نمونه بود | دیگری به ز من چگونه بود
در بِه نزدت بِه از من ست کسی | نزدِ اور که چون من ست بسی
این سخن گفت و پی یکی افشرد | او فگندش ز زین و مرکب برد
شه شد و نازنین برنج بماند | اژدها بر گذشت و گنج بماند
با شهان هرچه بر خلافِ رضاست | نتوان گفت گرچه باشد راست
هرکه شد راست گو بداورِ خویش | زد به تیغِ زبانِ خود سرِ خویش

---

(۱) ن = تیره (۲) رجب = نگر (۳) س = بکن

ماند بے خویشتن صنم تا دیر — تشنہ و غرقِ آب از جان سیر

پس بصد خستگی زجا برخاست — راہِ صحرا گرفت و میشد راست

بسکہ منزل بدشت دیوان داشت — سایۂ خویش دیو می پنداشت

بسکہ رہبر سنانِ تیزش بود — موزہ غربالِ خاک بیزش بود ۵۳

از کفِ پای خارہاے چو تیر — میگذشتش چو سوزنے ز حریر

پاکہ از برگِ گل نگار بود — چوں شود چوں بروی خار شود

کس نہ ہمراہ و رہنماش مگر — سایہ در زیر و آفتاب زبر

می نمود اندر آں پریشانی — گفتہ و کردہ را پشیمانی

زآں بساطِ ددانِ ۵۴ آہو خای — کردہ بیم ددانش آہو پای

بیم بودش کہ پا شود بطواف — چوں سُمِ آہو از میانہ شگاف

قدرے چوں بریں نمط بشتافت — گذر اندر سوادِ دیہے یافت

خانۂ چند و کشت زارے دید — تازہ شد کانچناں بہارے دید

آں دہے بود بر کرانۂ دشت — کآدمی ہیچ زاں طرف نگذشت

مردمانِ چو وحشِ صحرائی — خو گرفتہ در و بہ تنہائی

بے خبر از فسانہاے سپہر — بے گماں از بہانۂ مہ و مہر

لہ رجب = غولاں — لہ جب = غربیل — ۵۳ از بسکہ راہ دل آرام بر سر خارہ و خارا بود موزۂ پاے اوش غربال سوراخ سوراخ گشتہ خاک بیزی میکرد ۱۲

۵۴ دداں یعنی درندگاں ۱۲

آمد آں مہ درآں خرابہ شتاب ｜ ہا ہمچو[۱] مہتاب کو فتد بخراب
در شد اندر کریچ[۲] دہقانے ｜ در سفالِ شکستہ ریحانے
بود دہقاں جوانِ آزادہ ｜ ہم ہنرمند و ہم ملک زادہ
کردہ علمِ سہ[۳] گانہ راتعلیم ｜ تا یگانہ شدہ بہفت اقلیم
سبقِ حکمت بروم کردہ درست ｜ کز سپہر و زمیں چہ زادہ چہ رست
فیلسوفِ الٰہی از تمییز ｜ در طبیعی و در ریاضی نیز
طرفہ بربط زنی گزیدہ سرود ｜ دستِ او شد[۴] چو ابر برق برود
باز دانستہ پردہ[۵] ہا را راز ｜ مضحک و مبلی و منوّم ساز
گوشہ گیرِ جہاں فرشتہ سرشت ｜ مرغ قانع شدہ بدانۂ کشت
واقعاتِ زمانہ دیدہ بسے ｜ گرم و سردِ فلک چشیدہ بسے
بسیاحت بسے زمیں دیدہ ｜ دامن از کارِ دہر برچیدہ
یک بیک زیرِ دستِ خود کردہ ｜ چار ساز و دوازدہ پردہ
بربطش چوں نوا برآوردی ｜ جاں ز تن بُردی و درآوردی
چوں نگہ کرد سروِ سیمیں را ｜ ق ｜ روئے گلرنگ و زلفِ مشکیں را

---

[۱] اینجا مراد ضیاء مہ یعنی چاندنی باشد ۱۲ [۲] س = بہ کنج [۳] کریچ یعنی خانہ کہ دہقانان از کاہ وسنے سازند بہندی جھونپڑا ۱۲ [۴] الٰہی ریاضی طبیعی ہر سہ اقسام حکمت نظریہ ۱۲ [۴] عجب دستیست چوں ابر و برق برسرِ رود [۵] پردہ ہائے موسیقی دوازدہ اند ہر کہ درآنہا کمال دارد سامعین را می تواند کہ خنداند و گریاند و خسپاند ۱۲

ماند[1] حیران که این چه جا نورست | واندرین دشتش از کجا گذرست
این پری از کجا پدید این جا | ور پری نیست چون رسید این جا
خاست از جای همچو باد روان | رفت در پیش سرو آزاد[2] جوان
گفت کای چشم بد ز روی تو دور | کیستی تو بدین لطافت و نور
ملکی یا پری و یا مردم | خبری ده که با خبر گردم
صنمش تنگ دل ز تنگدلی | داد بیرون دمی بصد خجلی
گفت یک یک نه جان بی آرام | قصهٔ خویش و غصهٔ بهرام
چون خردمند یافت آگاهی | کآن درست از خزانهٔ شاهی
گفت آنجا که کار نامه تست | شرف من ز یار نامهٔ تست
چون تو شایستهٔ خداوندی | من پذیرفتمت بفرزندی
گر قناعت کنی بخشک ترے | حاضر خدمتم بما حضرے
ور دلت راست جانبے پرواز | دل دل تست من ندانم[3] باز
صنمش گفت چند گہ بارے | خواہم افگند بر درت بارے
چون بفرزندیت شوم پیوند | پرورش واجب ست بر فرزند
گرچه مهمان توگران جان ست | نتوان راندنش که مهمان ست
من هم از حق شناسی که مراست | عذر حق هاے تو توانم خواست

---

[1] جب = گشت [2] از سرو آزاد مراد دلآرام باشد ۱۲ [3] جب = ندارم

چون بسی دُر ز درج نوش کشاد	شب چراغ دگر ز گوش کشاد
داد بر دستِ مردِ گوهر سنج	گوهری قیمتش فزون[1] از گنج
خواجه زان اخترِ فلک پایه	بر زمین در فتاد[2] چون سایه
گرچه بود از شکوه محترمی	گشت شرمنده چنین کرمی
غرفه[3] داشت ساختِ منزلِ وی	کرد ترتیبِ نقل و میوه و می
چون مزاجش بزیرکی دریافت	در سرش ریخت هرچه در سر یافت
هر[4] هنرها که بود حاصلِ او	از دلِ خویش ریخت در دلِ او
کرد شش اُستادِ کار در همه کار	خامه در پردهٔ بریشم تار
چندگه جادوی شد اندر ساز	که بکشتی و زنده کردی باز
چون نمود آزمونِ کردهٔ خویش	خواست بیرون[5] فتد ز پردهٔ خویش
حجت از سوی شاه سست کند	دعویِ خویش را درست کند
چون شدی بادِ صبح نافه کشای	بر نشستی بر خشِ آهوپای
بر گلِ تر نقاب بربستی	سایه بر آفتاب بربستی
لاله را در قبا کشیدی تنگ	سرو را خانه ساختی ز خدنگ
تیرِ ترکی و[6] کیشِ تاتاری	راست کردی ز بهرِ خونخواری

---

[1] ج ب = هزاران [2] ح ر = بوسه داد [3] بمعنی بالاخانه ۱۲ [4] ح = و ز
[5] ج ب = تا که [6] بعد آموختن هنرها دلارام خواست که خود را ظاهر گرداند و مشهور اطراف و اکناف عالم گردد ۱۲ [7] ب = ز

در همه جای گاه و بیگاهش | بربطِ عاشقانه همراهش
کشتے آهوی دشت را به ستیز | گه به پیکان و گه بزخمهٔ تیز
ها[ن]چو پیکانش[۵۲] زخمه[۵۳] در خون بود | چوبِ او از پلارک افزون بود
زان دهان بستگان[۵۴] بفرمانش | دل ربودی زبانِ پیکانش
ور از انجا سے بر گرفتی گام | بنوازش گریش کردی رام
بر کشیدی نخست نالهٔ زار | تا ربودی ز وحشِ دشت قرار
همه در پای بوسِ سروِ جوان | آمدندی بپای خویش دوان
سو بسو صف زدندی از کم و بیش | غائب از خویش و حاضر اندر پیش
همه را چون بهم در آوردی | زخمه بر بربط تر آوردی
پس منوم[۵۵] چنان زدی بصواب | که شدی چشمِ آهوان در خواب
چون شدندی ز خوابِ خوش بیهوش | باز شان زخمهٔ[ن] زدی در گوش
که از ان جسته باز جستندے | رشته[۵۷] بر رشته باز بستندے[ن]
این خبر شهره گشت در آفاق | کز جهان جادوی بر آمد طاق
کآهو از دشت سوی خود خواند | کُشد و باز زنده گرداند

[ن] ب = همه   [۵۲] یعنی پیکان و زخمه دلارام هر دو در خون ریختن برابر بودند ۱۲
[۵۳] زخمه هر چیز که بآن سازها نوازند و پلارک بفتح اول و چهارم شمشیر و جوهر تیغ و نوعی از فولاد ۱۲
[۵۴] مراد از وحشیان صحرائی ۱۲   [۵۵] یعنی نغمهٔ خواب آور ۱۲   [ن] ح = جسته
[۵۷] یعنی قطار بر قطار ۱۲   [ن] ح = رسته تا رسته باز رستندے

دخترے سربمہرِ دہقان ست | خاتمش در خورِ سلیمان ست

گفت گوی بہر کراں اُفتاد | غلغلے در ہمہ جہاں اُفتاد

ایں عجب کایں بگوشِ کیہاں[۵۱] ماند | ہر کہ در گوش کرد حیراں ماند

از پژوہندگانِ[۵۲] درگاہے | یافت دارای[۵۳] دولت آگاہے

زاں ہوسہا کہ بود در بہرام | زیں خبر در دلش نماند آرام

بامداداں عناں بصحرا داد | سرو[۵۴] را باد و باد را پا داد

چوں تمنای آں تماشا داشت | رفت جای کہ آں تمنا داشت

پیش ازاں رفتہ بود جادو دست | چشمِ آہو بجادوی می بست

گفت بہرام کآرزو دارم | کہ ہنرہات پیشِ چشم آرم

ہر متاعے کہ ہست در بارت | عرض کن چوں منم خریدارت

نازنیں را کہ ایں ہمہ دد و دام | بود بہرِ شکنجۂ بہرام

زاں تمنای شہ کہ در خور یافت | جای جولانِ خویشتن دریافت

گشت ہمراہِ شیر گیری شاہ | تا زند راہِ آہواں زاں راہ

چوں زد آہو بسے و گور انداخت | لحن آہو نواز را بنواخت

آہوانِ رمیدہ بادلِ[۵۵] خویش | پای کوباں در آمدند بہ پیش

---

۵۱ یعنی دنیا ۱۲   ۵۲ یعنی جاسوسان ۱۲

۵۳ مراد از بہرام گور ۱۲   ۵۴ سرو مراد از قد و باد عبارت از اسپ تیزرو اسے بر اسپ سوار شد و باد را پا داد اسے جولان کرد ۱۲   ۵۵ ح = بادل ریش

چون سوی خویش خواند شان بسرود	پردهٔ خواب ساز کرد برود
در زمان کآن نفس فرو بردند	همه خفتند گوییا مردند
چون دمے دیدها فرو[۱] بستند	ساخت آن زخمه[۲][۳] که بر جستند
زان نمونه که شرح نتوان داد	زنده را کشت و کشته را جان داد
دید[۴] چون شاه سحر مندی او	بست[۵] چشمے ز زخم[۶] بندی او
لیکن آورد ہا ہمچو طراران	بر گہر طعنهٔ خریداران
کاین چنین ہا بسے ست اندر دہر	ہر کسے دارد از طلسمے بہر
کاردانی بکشوری نبود	که از و کاردان ترے نبود
در شکر خنده شد بت شیرین	گفت آری از آنِ ما ہمه این
زیرکان در ہنر بوند تمام	لیک بہتر زمانه از بہرام
شاه کز ماده نر تواند کرد	به از آن ہیچکس نداند کرد
وانکه از مرده زنده گرداند	آنچنان ہر که ہست نتواند[۷]
عدل و انصاف ده اگر[۸] دین ست	ہم خود انصاف ده که عدل این ست
جوہری[۹] کو گہر فراوان سفت	راست گفت آنکه[۱۰] راست[۱۱] نتوان[۱۲] گفت

---

۱ حجب = بہم ، ۲ حب = پرده ، ۳ در = جسته ، ۴ حر = شه نیز

۵ اے بدل پسندیده ۱۲ ، ۶ بر = بچشم ، ۷ حب = بتواند ، ۸ حجب = اگر ره

۹ مراد از جوہری علمای باکمال و از گہر سفتن کلمات حکمانه گفتن ۱۲ ، ۱۰ ج = است

۱۱ از جملہ کلمات حکیمانه یکے این ست که راست نتوان گفت چرا که الحق مرٌّ و لو کان مُرًّا ۱۲

۱۲ ح = بتوان

شاہ آواز آشنا بشناخت — ناوکش را نشانہ از جاں ساخت

دست زد برقع از رخش بربود — رفت گرد از مہ[51] غبار آلود

داد منزل بجانِ مشتاقش — در بر آورد چوں بغلطاقش[52]

زد ز عذرِ گناہِ خود نفسے — عذر ہائے گذشتہ خواست بسے

پس بصد شادی و دلآرامے — باز بردش بتختِ بہرامے

دل کز آں پیشِ مہرباں بودش — بیش ز آں شد کہ بیش زاں بودش

زاں ہنر کز دو سوئے پیدا گشت — ہر کہ در گوش کرد شیدا گشت

زاں عجائب کہ داستانے بود — داستانے بہر زبانے بود

شاہ فرمود کاں دو صورتِ[53] حال — آید اندر نمونۂ تمثال

نقشبنداں بخامۂ تصویر — در خورنق[54] نگاشتند و سریر

گفتار در آراستہ شدنِ حور و قصورِ ایں فردوسِ پر حورِ بے قصور و بہشتی گشتنِ بہرام در آں

نقش پرداز ایں کہن[55] پرکار — نقشہا را چنیں کند برکار[56]

---

۵۱ ب = رخ   ۵۲ غلطاق قبا یا پیراہن و بغل بند ۱۲   ۵۳ یعنی سرگذشت بہرام و دلآرام ۱۲

۵۴ خورنق بروزن شکر لب نام ایوان بہرام گور و حاصل بیت آنکہ از حکم بہرام نقاشان تصویر بہرام و دلآرام و شکارگاہ و صورت اظہار ہنرمندی ہر دو در محل و تخت نقش کردند ۱۲

۵۵ ح = گہر   ۵۶ س = بہ نگار

که چو بهرامِ گور درپئے گور | پے به پے داد گورپا[۵۱] را زور
آں هوس شاه را بسرمی بود | روز تا روز بیشترمی بود
تا بداں گونه شد که خسروِ عصر | هفته بر هفته نآمدی سوی قصر
مهترانے که در گهه و بے گاه | خاصه بودند بهرِ خدمتِ شاه
زاں دویدن بدشت و بیشه و کوه | مانده گشتند و آمدند ستوه
هیچکس را نبود زهره[۵۲] شیر | که دمے برکشد زسینه دلیر
کارداران شهر و لشکر نیز | آگهی[۵۳] شاں زعهدهٔ همه چیز
از برائے حضورِ منعم خویش | مانده بودند سرفگنده به پیش
هر یکے را تاملے بضمیر | ق | کز طریقِ کفایت و تدبیر
چه بود چاره کز نشیب و فراز | اژدها سوی گنج گردد باز
زیں نمط گفت و گوی میکردند | چاره را جستجوے میکردند
پورِ منذر که بود نعماں نام | درسبق هم جریدهٔ بهرام
پیشِ منذر رموزِ غیب نمائے | خوانده بودند هردو در یکجائے
رای نعماں زکوششِ شب و روز | گشته بود اخترِ سپهر افروز
دیده از بینشِ اولوالابصار | درهمه کارها نهایتِ کار

---

۵۱ گورپا مراد از اسپ شکاری بهرام ۱۲

۵۲ یعنی جرأت نبود ۱۲

۵۳ حرجب = آں که شاں بود

حل کنِ مشکلاتِ دانایاں — کسبہا[1] همچوں عطاش بی پایاں

صنعت و حرفتِ هنرمنداں — زانکه نتواں شمرد صد چنداں

شه زبس دانش و معانیِ او — ق — وز بزرگی و کاردانیِ او

در همه ملک اشارتش داده — دستگاهِ وزارتش داده

زاں اشارت بچار ارکانش — هفت کشور مطیعِ فرمانش

بادشاهانِ شرق و غربِ جهاں — بندهٔ حکمش آشکار و نهاں

هر که زابروش یک اشارت دید — پیشِ چوگانِ او چو گوی دوید

ور کسی در کشید زو سرِ خویش — سرِ او پیش از دوید به پیش

چوں ز صحرا نوردیِ بهرام — مصلحت را گسسته دید زمام

با خود اندیشهٔ نمود شگرف[2] — خواند لوحِ صواب حرف بحرف

وانگهی گفت با سرانِ سریر — که شما بگذرید زیں تدبیر

چند گاهی دریں کفایت و فن — مصلحت را رها کنید بمن

تا بهر دانشی که من دانم — عزمِ شه را عناں بگردانم

همه گفتند گفته تست — قیمتی گوهری که سفتهٔ تست

چوں پذیرفت مردِ کاراندیش — سرِ اندیشه را نهاد[3] به پیش

تا چه سازد که آورد از راه — ماهِ گردنده را سوی خرگاه

---

[1] یعنی علوم اکتسابیهٔ او همچوں سخاوتش بے پایاں بود ۱۲ [2] نادر ۱۲ [3] جب = فگند

کرد اندیشه یک شبے بتمام   هفته بر هفته عشرتِ بهرام

بامدادان که شد جهان پرنور   کامران گشت همّتِ دستور[1]

جست دانای کارمردی چند   تجربه یافته ز چرخِ بلند

بود در پیش خسروان بسیار   هم سخن گوے و هم پیام گذار

دادشان یادگارهای[2] گران   در خورِ پیشگاهِ تاجوران

چون متاعے که بود شد تسلیم   کردشان نامزد بهفت اقلیم

کآورند از برای جلوهٔ بخت   هفت دختر ز هفت صاحبِ تخت

شان[3] برون آمدند از[4] همه ساز   هر یکے بر شهے شدند فراز

پیش بردند تحفهٔ نامی   باز جستند کامِ بهرامی

بادشاهان بجان رضا دادند   دختران را ببادشا دادند

رهروان بعد هفت ماه خرام   آوریدند هفت ماه تمام

بانوان را بپرده‌ها بردند   بوکیلانِ پرده بسپردند

چون قوی شد بنای پردهٔ راز   کرد نعمان بنای دیگر ساز

بر لب جوے مرغزاری جست   کز بهشتش نمونه بود درست

جاے[5][6] از خرّمی نشاط افزای   دلکش و جان‌نواز[7] و دیده‌کشای

---

۱ وزیر و مشیر ۱۲   ۲ بمعنی تحفها ۱۲   ۳ جب = تا   ۴ جب = با

۵ د جب = خاکی   ۶ رج = خاکش   ۷ جب = فزاے

جا نگاہے کز اعتدال ہوا　　یافت رنجورِ چند سالہ دوا
پیرِ فرتوت را جوانی داد　　مردہ را آبِ زندگانی داد
چوں براں گونہ روضۂ دریافت　　تازہ کرد آں نیت کہ در سر یافت
ہر چہ سرمایۂ عمارت بود　　ہمہ ترتیب کرد زود از زود
پس طلب کرد روزی از درِ کار[۵۱]　　فرخ از دور اختراں بشمار
خواند معمارِ کارداں را پیش　　باز گفتش خیالِ خاطرِ خویش
کانچناں بایدم کز استادی　　کار سنجے بسخت بنیادی
زیں اساسی نہی فراخ نہ تنگ　　زر زنی در عمارتِ گل و سنگ
از زمیں تا فرازِ گنبد مہر　　ہفت گنبد برآوری چو سپہر
آں عمارت کنی کہ در ہمہ ساز　　چرخ ز و خویش را ندانداں باز[۵۲]
بانی[۵۳] بود کارداں مردے　　کز زمیں آسماں بنا کردے
شیدہ نامی کہ ہر چہ پیدا کرد　　خلق را زاں نمونہ شیدا کرد
منظر از خاک تا قمر بستی　　فرشِ سنگیں بر آب بر بستی
شد بفرمانِ و فرّ نعمانی　　مردِ دانندہ در عمل رانی
بردہ بنیادِ ہر نمونہ[۵۴] بر آب　　تا نگردد دگر ز آب خراب

---

۵۱ جب = سرِ کار　۵۲ اے آن گنبد ہا را چناں فراخ و بلند بنا کنی کہ فلک درمیان خود و گنبد ہا فرق نداند کہ من کدام ہستم و گنبد بہرام کدام ۱۲　۵۳ جب = بود بنّاے
۵۴ بیان عمق و استحکام بنا دست ۱۲

وانکه از هفت گونه سنگِ لطیف | کرد ترتیبِ هفت اساسِ شریف
تا برآراست از پسِ سالے | بر زمین از سپهر تمثالے
هفت گنبد چو خرگهِ زربفت | کرده چون هفت آسمان هر هفت
صفهٔ[۵۱] خشت و گل چو کرد تمام | نوبت آمد بزیب[۵۲] جامه و جام
دادہ نعمانِ آسمان[۵۶] فرهنگ | زیوری هر یکے بدیگر رنگ
آنکه نوشد ز شنبه آئینش | چون زحل بست رنگ مشکینش
وانکه یک شنبهش رساند نوید | زعفرانیش کرد چون خورشید
وانکه بود اندرو دوشنبه راه | کرد[۵۳] ریحانیش بگونهٔ ماه
وانکه نوگشتش از سه شنبه نام | کرد گلنارگونش چون بهرام
وانکه نسبت بچارشنبه داشت | رنگِ تیرش[۵۴] برنگ[۵۵] تیر نگاشت
وانکه از بهرِ پنجشنبه بود | کرد چون مشتریش صندل سود
وانکه ز آدینه داشت معموری | رنگ دادش چو زهره کافوری
هفت گنبد چو رنگ و بوی گرفت | جا در و هفت ماه روی گرفت
هر یکے هم برنگِ مسکنِ خویش | جامه را رنگ داده بر تنِ خویش
چون شد اسبابِ هفت خانه تمام | بازگفتند قصه با بهرام

---

۵۱ در حب = صنعت   ۵۲ یعنی نوبت آرایش و تزئین مکانها آمد ۱۲   ۵۳ رحب = ساخت
۵۴ تیر اول بمعنی چوب راست سقف که آنرا بهندی شهتیر دکڑی نامند و تیر ثانی بمعنی عطارد که رنگش مائل به سیاهی ست ۱۲   ۵۵ جب = بنقش تیره   ۵۶ بلند عقل ۱۲

انچه نعمانِ کاروان آراست
ز آدمی زادگان نیاید راست

آفریده[1] درو چه کار کند
ور کند آفرید گار کند

از صدا هفت گنبدِ تازه
هفت گنبد کند پُر آوازه

هفت[2] هر یک چو چرخ نور سرشت
نسخهٔ[3] روشن از سوادِ بهشت

گشت هر هفت قبهٔ جمشید
مطلعِ ماه و منزلِ خورشید

هر بتی در نگارخانهٔ ناز[4]
گهه غزل گوی و گهه سرود نواز

دم که در عاشقِ خراب دمند
بفسانهٔ فسونِ خواب دمند

بسخن درد و دیده خواب آرند
خواب نیز از دو دیده بردارند

ساقیانی بصد دلآرامی
درخورِ بزم گاهِ بهرامی

خانه پُر ز آهوانِ شیر شکار
شاه را با شکارِ دشت چه کار

گر یکی زان شکار یابد شاه
بشکارِ دگر بنجوید راه

شاه کین مژدهٔ نشاط شنود
میلِ طبعش عنان ز دست ربود

ترکِ پوئیدن شکار گرفت
بر سکونت دلش قرار گرفت

تافت از دشت سوی خانه عنان
در صنم خانه رفت گشت کنان

چون رسید اندر آن خجسته سواد
گشت بر لاله کرد و بر شمشاد

بوی گلهاش مغز پرور گشت
مغزش از بوی گل معطّر گشت

---

[1] بمعنی بشر ۱۲ [2] وجب = هست [3] س = نسخهٔ [4] جب = راز

بیشتر شد بهٔ بوستانِ فراخ — میوه بر میوه دید شاخ بشاخ

چون در آمد بکار خانهٔ نو — دیده هر سو نگار خانهٔ نو

جفتے پر زحورِ زیبا دید — جان زنظاره ناشکیبا دید

نیکوان[51] آمدند با صد ناز — خاک روبان بگیسوانِ دراز

هر یک آشوبِ عالمے زجمال — صد جگر داغ کرده از یک خال

پست کردند بر زمین رخِ خوب — چون مه و آفتاب گاهِ غروب

جبهه را چون زخاک بر کردند — جبههٔ شاه را نظر کردند

در فشاندند[52] بر زمین چندان — که زمین شد چو آسمان خندان

ملک آمد زبا و پایے به زیر — شد بمهمانیِ گوزنان شیر

هر یکے را بپوزشِ تازه — پرسشے کرد بیش ز اندازه

رفت و بنشست بر سریر بلند — هم نشینش همان عروسے چند

مجلسے یافت پر ز نعمت و کام — با حریفانِ نو نشست بجام

آنچنان شد بروی خوبان شاد — کش زعیش گذشته نامد یاد

خواند نعمانِ کار دان را پیش — بخششے کرد از نهایت بیش

آفرین کرد بر چنان رائے — که برآراست آنچنان جائے

وانگه از اختیار[53] طالع و روز — شد بهر گنبدے نشاط اندوز[54]

---

۵۱ مراد از همان نازنینان و نیکو صورتان ۱۲ — ۵۲ مراد از دعاها و کلمات استقبالیه باادبِ شاهانه ۱۲

۵۳ بمعنی خبر گرفتن ۱۲ — ۵۴ جب = افروز

نافه کشادنِ خلق بهرام روز شنبه در بهشت دوم در گنبدِ مشکیں با غزالهٔ هندی و طلبِ افسانه کردن

روز شنبه که بادِ مشک انگیز | شد بدامانِ صبح غالیه بیز
شه بگنبد سرائے مشکیں شد | خانه زو هم چو نافهٔ چیں شد
جامه را هم برنگ کیوانے | داد ترتیبِ عنبر افشانے
ماهِ هندی نژاد رومی چهر | خاست از خوابگاهِ ناز بمهر
خدمتِ خاص رامیاں بربست | کمرِ بندگی بجاں در بست
کرد چوں ساقیاں برعنائی | نقل ریزی و مجلس آرائی
نازنیں گشت همنشیں با شاه | تازه کرده قرانِ زهره و ماه
ز اوّلِ بامداد تا گهِ شام | عشرت و عیش بود باده و جام
شب چو بر رسم شد بعالم نور | گردِ عنبر فشاند بر کافور
شه ز مستی نمود رغبتِ خواب | هم ز گل مست بود و هم ز گلاب
جانش از ذوقِ بوسه مفتوں بود | مستیِ نقلش از مے افزوں بود
زاں پری پیکرِ بهشتی وش | خواست کافسانه سراید خوش
خاک بوسیده ماهِ سیمیں ساق | ق گفت کای بادشاهِ روم و عراق
تا جهاں ست شهریاری کن | تخت گیری و تاجداری کن

آسمان مفرش سرائے تو باد — هر چه جز تست خاکپای تو باد

من کیم هندوی شکسته زبان — ق — کین دلیری کنم چو بی ادبان

لیک فرمان شه چو بر جان ست — گویم از جان هر انچه فرمان ست

این سخن گفت و لب گشاد ز بند — و انگبین ریخت از دهن چون قند

افسانه گفتن آهوی مشک دم و مشک بی پوست باز کرده از بطانه بیرون دادن

گفت وقتی بروزگار نخست — بود شاهی بشهریاری چست

در سراندیپ[۵۱] پایه تختش — قدم آدم افسر بختش

عبره[۵۲] تا غزنیش مهیا بود — عبره دیگرش ز دریا بود

هوسی بودش از دل افروزی — در چه در کار دانش آموزی

داشت پیوسته چون نکورایان — میل بر زیرکان و دانایان

در دل هر که دید دانش بیش — خاص کردش بهمنشینی خویش

سه پسر داشت هوشمند و جوان — هم توانگر بعلم و هم بتوان

بقلم گشته با عطارد جفت — کار شمشیر خود چه باید گفت

---

[۵۱] مزار مقدس حضرت آدم و حوّا علیهما السّلام همین جا گویند ۱۲ [۵۲] عبره بالکسر محصولات که از کشتی نشینان و جهاز نشینان گیرند و مجازاً بمعنی خراج ملک هم آید پس عبره اوّل بمعنی مجاز ست و عبره ثانی در مصرعه ثانیه بمعنی حقیقی یعنی سلطان بجر بر بوده ۱۲

هر هنر کاندر رو گماں نرسد ق ور رسد در گماں[۵۱] بآں نرسد

کرده بود او ستادِ شاں تعلیم هر یکے گشته فیلسوف و حکیم

عقده زیشاں چناں کشاد براز که ملک را بکس نماند نیاز

خواند روزے نهانی از اغیار هر یکے را جدا بپرسشِ کار

کآزمونش کند بکارِ سریر کیں تصوّر کرا بود به ضمیر

گفت اوّل باوّلیں فرزند که مرا شد بنفشه[۵۲] سرو بلند

بعد ازیں نیست کارِ مشتی خاک جز نیایش گری بحضرتِ پاک

قرعه برشت پادشاهی را رونقِ ماه تا بماهی را

آں بنا نو کنی بداد و بجود که جهاں خوش بود خدا خوشنود

ناتواں را برفق پیش آئی با توانا کنے توانائی

بشبانے رمه[۵۳] نگهداری گوسپنداں بگرگ نگذاری

پورِ دانا بخاک سود کلاه گفت جاوید باد دولت شاه

کے روا باشد از هوا[۵۴] خواهی که زنم پیشِ شه دم شاهی

تا تو ئی ملک بر کسے نه سزاست بے تو خود زیستن برای چراست

تخت ما واے چوں منی نبود جاے تو جاے چوں منی نبود

مور با آنکه بر سریر بود کے سلیمان و تخت گیر بود

---

۵۱ بن = گماں آں ۵۲ از پیری خمیده شدم ۱۲ ۵۳ گله گوسپند ۱۲ ۵۴ ح = بگو

شه درآں آزمایشِ کارش | چوں پسندیده دید گفتارش
در دلش صد هزار تحسین خواند | وآشکارش بخشم بیروں راند
خواند فرزندِ دومی را پیش | خاص کردش بآزمایش خویش
بافسوں گر سخن بافسوں خواند | ماجرای گذشته بیروں راند[۵۲]
پسرِ زیرک از خردمندی | کرد پرسنده را زباں بندی[۵۳]
گفت مارا بجان وبینائی | ق کرد شه هرانچه فرمائی
لیک پیشت حدیثِ تاج وسریر | عیب باشد زبنده عیب بگیر
ویں زماں تو که تا توئی برجای | دیگری کے نهد بمسند پای
واں زماں کیں زمانه گذراں | باتو نیز آں کند که با دگراں
گر بود در سرت که افسرِ خویش | خود مزین کنی بگوهرِ خویش
مهترے هست آخر از منِ خورد | بارِ سر چیز بدوش نتواں برد
بر بزرگاں رواست ایں معراج | لولوی خرد نیست درخورِ تاج
شاه زد هم گره برابرو کرد | وزحضورِ خودش بیکسو کرد
روی در خوردِ کارداں آورد | خورده را باز درمیاں آورد
داد پاسخ جوانِ کارشناس | که زخورداں نکو نیاید پاس
شاه چوں دید کاں سه گوهر پاک | می شناسد گوهر از خاشاک

لہ وجب = زباں بافسوں داد   لہ۵۲ سجب = داد   ۵۳ اسے جواب کافی وشافی داد ۱۲

شادمان شد زبختِ فرخِ خویش — سود بر خاکِ بندگی رُخِ خویش

بهر ملک دو روز بے سر و بُن — ایمن انداز فریبِ چرخِ کهن

لیکن از پیش بینیِ بے کوز[۵۳] — با جگر گوشگان شد اندر شوز

داد فرمان که هر سه بدر منیر — پیش گیرند ره ز پیشِ سریر

تا حدِ ملکِ شهریار بود — هر که ماند گناه گار بود

زین سخن هر سه تن ز جای شدند — توشه بستند و ره گرای شدند

گهه در آباد بوم و گهه بخراب — شهر بر شهری شدند شتاب

ره نوشتند بے شکیب و سکون — تا شدند از دیارِ شاه برون

در رسیدند تا باقلیمی — که ازاں بود ملکِ شان نیمی[۵۵]

در بیابانِ راه و منزلِ جای — نهادند بے تجارب پای

روزی از گردشِ ستاره و ماه — ق — می نوشتند سوی شهری راه

ناگهه از پیش زنگیِ چون قیر[۵۶] — تگ زناں سوی شاں گذشته چو تیر

گفت کای رهروانِ بیاروی — شتری دید کس رواں زین سوی

زاں سه برنا یکی زباں بکشاد — نقشِ نادیده را نشانے داد

لہ حجب = کور   لہ سن = غور و گور   ۵۳ کوز بواو معروف در فارسی بمعنی پیچیده و خمیده یعنی چناں پیش بینی راست که در وی کجی و پیچیدگی نبوده ۱۲   لہ دسجب = شور   ۵۵ یعنی مقابل وسعت آن اقلیم ملک پدر ایشاں بنصف بود ۱۲   ۵۶ قیر بالکسر بر وزن میر روغنے سیاه که بر شتراں و درزهاے کشتی مالند بهندی تارکول ۱۲

گفت کاں گم شدہ کہ رفت ز دست | یک طرف کور ہست گفتا ہست

دومی گفت چوں خردمنداں | کز دہانش کم ست یک دنداں

سومیں ہوشمندِ با تمیز | گفت یک پاے لنگ دارد نیز

زاں نشانہا کہ بود روشن و راست | شبہہ از پیشِ سارباں برخاست

گفت چوں راست شد نشانی داد | بایدم رہ بہم عنانے داد

باز گفتند ہر یکیش جواب | کہ ہمیں راہ گیر و رو بشتاب

مردِ پوئیدہ راہ پیش گرفت | رفت و دنبالِ کارِ خویش گرفت

آں جواناں براہ گام بگام | می نمودند نرم نرم خرام

تا زمانے کہ گرم گشت سپہر | موجِ آتش فشاند چشمۂ مہر ق

زیرِ عالی درختے انبہ[1] شاخ | کش دو پر تاب بود سایہ فراخ

در رسیدند یخ دیدۂ راہ | میل کردند سوی آب و گیاہ

چشمہ دیدند و دست و پا شستند | بر گل و سبزہ خوابگہہ جستند

چوں ز بادِ خوش و درونہ نواز | نرگسِ مستِ شاں شد اندر ناز

سارباں باز در رسید چو باد | باز بانے چو خنجرِ فولاد

گفت زیں سوی تا بیک فرسنگ | پایم از تاختن نداشت درنگ

در نوشتم بسے گریوہ و کوہ | وز تگ و پویہ آمدم بستوہ

---

[1] انبہ مخفف انبوہ است زیر درختے بزرگ کہ شاخہاے انبوہ بود ۱۲ [2] میدان ۱۲

دیده گردی ازاں رمیده ندید　　گرد چه؟ بلکه آفریده ندید

گفت زانیشاں یکے که بشنو گفت　　هر چه دیدیم چوں توانش نهفت

هست بارش سبو و روباه[1] روے　　روغن ایں سوی و انگبیں زاں سوے

دو یمیں کرد روے کاربرو　　هست گفتا زنے سوار برو

سو یمیں گفت زن گراں[2] بارست　　وزگرانیش کار دشوارست

ساربان زاں همه نشانِ درست　　گردِ شک راز روی خاطر شست

آگهی چوں نداشت از فنِ شاں　　چنگ در زد سبک بدامنِ شاں

نعره برداشت کیں سه طرّارند　　که بتاراجِ خلق درکارند

هر زماں سو بسو زمیں بزمیں　　بهر کالا همی کنند کمیں

تا کجا باشد اشتری و خری　　ق　　یا متاعے ز نقرهٔ و ز زری

بفریب و فسوں و چاره گرے　　ببرند از مقیم و ره گذرے

زاں نفیر و فغاں کزو برخاست　　گرد گشتند خلق از چپ و راست

گرد شاں شد ز مردم انجمنے　　هر یکے گفت بیش و کم سخنے

تا نهایت برآں قرار افتاد　　که بباید شدن چو کار افتاد

ملکِ عهد را خبر کردند　　راهِ انصاف را نظر کردند

کار کاں[3] بسته گشت نگشاید　　کار فرما تمام فرماید

---

[1] مقابل ۱۲　[2] یعنی حامله ۱۲　[3] جب = کار چوں بسته گشت بگشاید

هم برآن اتفاق جمله بهم — حکم جویان شدند سوی حکم

ساربان ماجرای حال که بود — ق — وان همه پاسخ و سوال که بود

گفت با شه یگان یگان بدرست — شاه زان هر سه نیز پاسخ جست

آنکه زانشان کیاست افزون داشت — ق — در هر افسانه صد افسون داشت

گفت اول دعای دولتِ شاه — که بمان تا بود سفید و سیاه

چشم ما راز خاکپای تو نور — دیدهٔ بد ز آستانِ تو دور

ما سه برنا مسافریم و غریب — در تگ و پویه ز آب و خورد[1] نصیب

سالها شد که گردِ عالمِ خاک — می نوردیم دشت و کوه و مغاک

نیست زین تاختن بهر جایے — بهرهٔ ما بجز تماشایے

در دیارے که راه بنوشتیم — چون بدیدیم جمله بگذشتیم[2]

زین دو دیدن بزیرِ چرخِ کبود — روزے این سوی نیز راه نمود

می بریدیم ره ز گردشِ دهر — تا رسیدیم بر درِ این شهر

اول این زنگیِ سیاه وجود — ق — که دوان سوی ما رسید چو دود

اشترے جست و ما بلابه[3] ولاغ — تازه کردیم نقشِ او را داغ

ما گنهگار این قدر هستیم — که دروغے بروے او بستیم

---

[1] از آب و دانهٔ مقسوم در سیر و سیاحت می باشیم ۱۲ [2] جب = برگشتیم

[3] لابه بمعنی تملق و عجز و بمعنی اخلاص مجازست و لاغ بمعنی ظرافت و خوش طبعی ۱۲

شد ملک گرم زین حکایت گفت — کانچه پیداست چون توانش نهفت

بس دروغی که گوییش بیجاست[۱] — اتفاقاً مقابل افتد راست

چون خود از دل برون فگندی از — تیر کز شست رفت ناید باز

زاتفاق از[۲] دروغ نافرجام — راست از ده یکی بود نه تمام

برده را باز ده بهانه مکن — خویشتن را ببدنشانه[۳] مکن

این سخن گفت چون ستمگاران — بند شان کرد چون[۴] گنهگاران

چون بشام آفتاب نورانی — ق — گشت در زیر خاک زندانی

آن جوانان نغز با فرهنگ — سوی زندان شدند با دل تنگ

همه شب رفتشان بعجز و نی — در صف دزد و رهزن و خونی

شب چو بر ناقه بست محمل خویش — ق — مه بخورشید داد منزل خویش

شتر یاوه[۵] گشت با همه ساز — بر در ساربان رسید فراز

مردی آمد که در فلان کهسار — بر درختیش مانده بود مهار

من بدان سو شدم بکار کشتی — دیدم و کردمش مهار کشی

زن که بالاش بود داد نشان — تا من آوردمش مهار کشان

ساربان دادش آنچه واجب بود — پس بسوی ملک روان شد زود

گفت با شه که من بدولت شاه — یافتم هرچه یاوه گشت براه

---

۱ ج ب = بی کاست ۲ ج = از ۳ د = فسانه ۴ ج ب = با ۵ آواره شده و راه گم کرده

سِتُر و ہرچہ بود بار برو — وآں عروسے کہ بُد سوار برو

شہ نظر سوے عدل فرماید — بندیاں را ز بند بکشاید

شہ ز آزارِ بے گناہے چند — از جگر برکشید آہے چند

خواندشاں باہزار خجلت و شرم — نرم دل کرد شاں بپوزشِ گرم

وانگہے دادشاں ز بند خلاص — خلعتے داد ہر یکے را خاص

پس بپرسید شاں کہ قصۂ خویش — باز باید نمود از کم و بیش

کانچہ مردم ندید پیکرِ او — چوں نشانے دہد ز جوہرِ او

ماجرا اگر درست باشد و راست — خواستۂ[۵۱] بیکراں دہم بیخواست

ور کم و بیش درمیاں آید — ہر ز شمشیر در زیاں آید

رمز داناں بشرطِ خدمتِ خاص — تازہ کردند سجدۂ اخلاص

پس یکے زاں سہ تن زباں بکشاد — گفت باشی ہمیشہ خرّم و شاد

من کہ کوریش را نشاں گفتم — بینشم[۵۲] وانمود[۵۳] زاں گفتم

ہمہ یکسوے دیدم اندر راہ — خوردنش از درخت و خار و گیاہ

نقش بستم کہ یکطرف کور است — کش بیک سوی در چرا زورست

دومی گفت کز رہِ فرہنگ — من بیک پاے زانش گفتم لنگ

کانچناں دیدمش براہ نشاں — کہ زیک پاے رفتہ بود کشاں

---

۵۱ خواستہ بمعنی مال اے مال بیکراں بے طلب بشما دہم ۱۲ ۵۲ اے عقل من ۱۲ ۵۳ رجب = رہ

سیومین گفت چوں خردمنداں ق منکه کم گفتمش یکے دنداں

برگ و شاخے که خورده کرده او دیدم افتاده نیم خورده او

هرچه ناخورده بیمنود درو برگ یک یک درست بود درو

روشنم شد ز عقل چندانے کز دهانش کم ست دندانے

شاه گفتا که آں سه چیز نخست هرچه گفتید راست بود و درست

واں سه دیگر بدانش و تمیز روشن و راست گفت باید نیز

باز یک تن زبانِ راز کشاد وآنچه در پرده بود باز کشاد

گفت کاوّل دمے که از من رفت ماجرا ز انگبین و روغن رفت

آنچناں شد که در خس و خاشاک دیدم آلایشے چکیده بخاک

مگس افگنده بود یک سو شور سوی دیگر قطارِ لشکرِ مور

هرچه در روے دو ید مور بجهد ق حکم کردم که روغن ست نه شهد

وانکه سویش مگس نمود هجوم بفراست شد انگبین معلوم

شخص دو[۵۱]مین زباں کشاد که من آنکه بروے سوار گشتم زن

آنچناں دیده شد که گشت یقین اثر زانوے شتر بزمین

گشت پیدا ز پهلوِ زانو نقش نعلین هائے کد بانو

ترّیِ[۵۲] نیز دیدم از یکسوی برگرفتم ز خاکِ آنجا بوی

---

[۵۱] ب دویم [۵۲] یائے قلت اے اندک تری ۱۲

نفس زان بوی در گداز آمد | جوش شهوت در اهتزاز[۱] آمد
کردم اندیشه راز خاطر فرد | که سوار شتر زن ست نه مرد
گفت سیوم که رای من بنهفت | زان سبب حامل و گرانش گفت
کاندران جای کان جمازه[۲] نشین | بر جمازه سوار شد ز زمین
دیدم آنجا که نقش پاش نشست | گشت پیدا ز خاک نقش دو دست
گفتم این حامل و گران بار ست | کز زمین خاستنش دشوار ست
آنکه در خاک دست سای شده است | از پی خاست چار پای شده است
شاه کز هر سه تن شنید جواب | بنده شد زان فراست بصواب
هر یکی را بصد نوا بنواخت | ساخت برگی چنانکه باید ساخت
زان نمودار دور بینی شان | کرد رغبت بهمنشینی شان
منزلی داد شان درون سرای | تا بود نزد شان بخلوت جای
دل چو فارغ شدیش از همه کار | تازه کردی نشاط را بازار
با حریفان نو به تنهائی | باده خوردی بمجلس آرائی
گوش کردی دمی بهنائی شان | بهره جستی بکاردانی[۳] شان
مغز معنی که دیدی اندر پوست | نقش کردی بجان[۴] معنی دوست

---

۱ بمعنی جنبش ۱۲ ۲ جمازه صیغه مبالغه به تشدید میم ست ولیکن در فارسی بتخفیف هم مستعمل میباشد بمعنی شتر تیز رفتار ۱۲ ۳ نسخه = زکاردانی ۴ جان موصوف معنی دوست صفت ای جانیکه معنی را دوست میداشت ۱۲

شه فرستاد نزدِ شان یک روز | بره[51] و بادهٔ درونه فیروز

همه باهم نشاط پیوستند | شاد و خندان بباده بنشستند

چون دمے چند کرد هر یک نوش | وآمد از مے درونها در جوش

باز میکرد[52] هر یک از کم و بیش | داستانے بقدرِ دانشِ خویش

آنکه مه بود چابک اندیشه | ق | باز گفت از دل خرد پیشه

کین مے کآدمی گم ست درو | گوئیا خونِ مردم ست درو

دومیں کاردانِ رازشناس | ق | گفت ز اندیشهٔ درست قیاس

کین بره گوئیا نه پاک رگ ست | پرورش یافته ز شیرِ سگ ست

سیومیں نقش بند عقده کشای | ق | باز گفت انچه روی داد ز رای

کین ملک نے ز شاهِ آزاد ست | دانم از پشت مطبخی زاد ست

ملک اندر کمینِ دیوارے | گوش میداشت سوی گفتارے

تا هر آن خورده[53] کآید از سه حکیم | کشدش در جریدهٔ تعلیم

زان سه نکته که گوش گیر شدش | دلِ نازک گمان پذیر شدش

بسکه جوشش درونش ابتر کرد | سر بخلوت سرائے شان در کرد

هر سه تن تیر وار بر جستند | با ملک چون نشست بنشستند

شاه فرمود کین زمان نهفت | هر چه گفتید باز باید گفت

---

۵۱ بره بمعنی حلوان ۱۲ ۵۲ سرج = می گفت ۵۳ نکته ۱۲

گشت تحقیق در بطانه[1] شان — که شنیدست شه فسانهٔ شان

گرچه آن گفته دلپذیر نبود — باز گفتند چون گزیر نبود

شاه یک یک شنید و گشت خموش — باده می خورد با دل پُر جوش

کرده بود آزمون کز ایشان کس — نزند هرگز از گزاف نفس

صبح چون رازِ چرخ روشن کرد — صحنِ گردون چو سبزِ گلشن کرد

شاه در ماجرای بادهٔ دوش — باز جست آگهی ز باده فروش

مردِ خمّار گفت کین انگور — برده ام از رزِ[2] فلان دستور

اوّل آن باغ بود گورستان — گور افگنده ساختش بستان

چون یکی باز خواند روشن و راست — از دو دیگر تفاوتش برخاست

از شبان باز جست رازِ بره — زد شبان قلب چون نبود سره

گفت کین برّه بود پهلو بیش — شیر پرورد مهرِ مادرِ خویش

بانگ بر زد برو به تندی شاه — کین زمانت سر افگنم چو گیاه

زین سیاست نباید آسان رست — جز با قرارِ راست نتوان رست

کرد روشن شبانِ برّه فروش — کاو فتاد از گناهِ او سرپوش

دل ز تیمارِ جان و تن برداشت — پرده از رازِ خویشتن برداشت

گفت کین برّه بود در رمه خرد — کز رمه گرگ مادرش را برد

---

[1] دل ۱۲ [2] درخت یا ثمر انگور ۱۲

مادہ سگ داشتم دو ندہ چو تیر | بچۂ چند بودش اندر شیر
رام کردم چناں بہ پستانش | کہ برہ سخت شد بہ پستانش
چوں چناں شد ز شیر مستی نغز | استخوانش بپوست شد ہمہ مغز
آوریدم بسوے مطبخ خاص | زیں گنہ خواہ تیغ خواہ خلاص
شہ چو رمز دو خردہ دید درست | گشت پاس از خیالِ سومیم سست
چار و ناچار سوے مادر راند | رازِ دل را نہفتہ بروے خواند
در گریبانش چنگ درزد سخت | ق گفت خواہم ز تو جہاں پرخت
ورنہ برگو براستی خبرم | تا کہ بود ست در جہاں پدرم
از کہ آوردۂ چو من پسرے | پدرم شاہ بود یا دگرے
مادر از خشم در خروش آمد | خونش اندر جگر بجوش آمد
گفت کاندیشہ نیستت ز وبال | کہ نہی تہمتم بہ پیراں سال
کہ تواند جز آفتابِ بلند | کافگند بر سریرِ ماہ پرند
غیرِ دارا اگر ابود یارا | کہ درآید بپردۂ دارا
باز بر فرقِ شاہ بر شد دود | رو بمادر نہاد خشم آلود
گفت گر صد بہانہ پیش آری | نرہی جز براست گفتاری
برۂ[1] را کہ کردۂ بشمار | تا نگردم بہ کشتنت بزہ کار

---

[1] بزہ بمعنی گناہ ۱۲

مادرش کز درونش دود[51] نداشت — عذرہا گفت ہیچ سود نداشت

آگہی داشت کاں غبار[52] انگیز — ہست گاہِ قصاص بے پرہیز

از رہِ[53] راستی بلرزہ و بیم — کرد خود را بدستِ خون تسلیم

گفت رازے کہ داشتم بنہفت — بشنو اکنوں اگرچہ نتواں گفت

روزے از روزہاے فصلِ بہار — شہ بروں رفتہ بود سوی شکار

من جواں بودم و زخوباں طاق — خفتہ تنہا در اندرونِ رواق

خواب[54] چوں رختِ خود گراں[55] آورد — مطبخی در رسید و خواں آورد

من ازآنجا کہ ہست میلِ زناں — آرزویم زدست برد عناں

در وی آویختیم چو مردمِ مست — جوشِ دل مہرِ عصمتم بشکست

ہرچہ در سرنوشت بود مرا — نفسِ بدعاقبت نمود مرا

تخم[56] چو در شاخِ نوبہار آمد — میوۂ چوں تو ام ببار آمد

شہ چو بشنید رازہا در خویش — سرفگند از خجالت اندر پیش

رفت در خود فرو و حیراں گشت — از چناں پرسشے پشیماں گشت

رفت[57] بیروں زکاخ شرمندہ — وز تحیر نہ مردہ نے زندہ

شد بخلوت سراے مہماناں — بی زباں گشتہ زاں زباں داناں

---

[51] دود داشتن یعنی زہرہ و دلیری داشتن ۱۲ — [52] از غبار انگیز مراد پسر یعنی شاہ ۱۲

[53] ریجب = سر — [54] اے خواب رفت و بیدار شدم ۱۲ — [55] ریجب = برگراں

[56] مراد از تخم نطفہ و از شاخ نوبہار رحم زن ۱۲ — [57] ریجب = جست

چو[۵۱] گذشت از شراب دوری چند — راز را بر گرفت مُهر[۵۲] ز بند

گفت کانچه از شما شنیدم راز — هم چناں یافتم چو جستم باز

روشن و راست بود چوں هر چیز — روشن و راست گفت باید نیز

کیں همه کارها[۵۳] که پنهان بود — از چه دانسته شد که زینساں بود

گفت یک تن که من چو خوردم می — دیدم افزایش غم اندر وی

از مے افزایش طرب باشد — چوں غم افزوں کند عجب باشد

باز جستم ز دیگراں احوال — بود هم زیں نمط جواب و سوال

روشنم گشت کاں شراب چو نوش — دار داز خون خاکیاں[۵۵] سرجوش

گفت دومیں که من به برّه[۵۴] مست — چوں بر آهنگ خوردبردم دست

دل بیک لقمه شد بسوزش و تاب — وز دهانم روانه گشت لعاب

بوی خون سپش[۵۶] و رگ داشت — پهلوی هیچو پهلوی سگ داشت

گفتم ایں نے بره سگیست چو گرگ — یا خود از شیر سگ شدست بزرگ

سیومیں گفت من حقیقت کار — گویم ار باشدم بجاں زنهار

بزباں راند شه بسے سوگند — که نباشد بجانش هیچ گزند

---

۵۱ جب = تا ۵۲ رجب = مستی بند ۵۳ جب = رازها ۵۴ رس = بچه

۵۵ مراد از خاکیاں مردگان و معنی سرجوش شوربا و مثل آں که دراوّل جوش از سر دیگ بر دارند یا شراب و گلاب و مثل آں که باول جوش بگیرند ۱۲

۵۶ سپش و سپشت کرمهاے که بر پشت سگ و شتر وغیره پیدا میشود و نیز در جامها و سر مرداں هم از کثافت پیدا میشود بهندی چچڑی یا جوں بگویند ۱۲

پس جواں باز گفت قصہ کہ من — تا رسیدم بہ پیشِ شاہِ زمن

ہر چہ دیدم ز نو بدانائی — میزدم بر محکِ بینائی

طلبِ رازِ شاہ میکردم — بنجابت[۱] نگاہ میکردم

از نشانہائے تاجِ تاجوراں — ق کآدمی[۲] را تواں شناخت دراں

باز جستم یکے از آنت نبود — جز دم شور و بادِ نانت نبود

نادرت ہیچ رہ سخن بزباں — کہ نبود اندراں حکایتِ ناں

ایں نشانہا کہ عکسِ شاہی داشت[۳] — بر نمودارِ بدگواہی داشت[۴]

کر د روشن فراستم بہ ضمیر — کہ ترا[۵] نیست نسبتے بسریر

شہ فرو شد ز حیرت اندر خویش — سخن از وے بروں نیامد بیش

گفت کز دادنیست شاہاں[۶] را — ق ریختن خونِ بے گناہاں را

غضبم تا عناں نبردہ ز دست — رختِ مہماں بناقہ باید بست

آنگہے گفت جملہ را خنداں — کآفریں بر شما خردمنداں

از شما دوستانِ بانتیز — یافتم بہرہ مندی از ہمہ چیز

با شما عیش موجبِ ہنر ست — ہر چہ بیش ست سود بیشتر ست

لیک گردندہ[۷] جہاں پیمائے — نتواں بند کرد دریک جائے

---

[۱] رس = بتجارب [۲] س = کہ شہاں [۳] جب = بود [۴] ح = شر

[۵] رجب = کہ خمیرے ست نسبتے نہ سریر [۶] بادشاہ بدل خود گفت ۱۲

[۷] گردندہ موصوف جہاں پیمائے صفت یعنی مسافر و سیاح ۱۲

زین نمط خواست عذر ہا بسیار　　پس بہر یک سپرد صد دینار

ہر یک[۱] از بخت شادمانهٔ خویش　　ره گرفتند سوے خانهٔ خویش

سوی ملک پدر فراز شدند　　ق　　چون بدربار[۲] سرفراز شدند

پدرِ پیر شادمانی یافت　　بارِ دیگر ز سر جوانی یافت

بسکه از خوشدلی تمکیں گشت　　موی کافورگونش مشکیں گشت

کرد روشن بہترین پسراں　　بالشِ مشک فامِ تاجوراں

چترِ مشکینش داد با ہمہ چیز　　دیگراں را لواے مشکیں نیز

رنگِ مشکیں شعارِ عبّاسی ست　　زیور آراے چرخِ شماسی[۳] ست

ظلمتِ شب کہ مشک فام بود　　بہر آسایشِ تمام بود

خونِ تر درمیانِ نافهٔ خشک　　تا نگردد سیہ نگردد مشک

خط و خالے کہ دلستاں دارد　　مشک رنگ ست زیب ازاں دارد

شاہ کز نازنینِ مشکیں موے　　ایں فسانہ شنید روی بروے

خفت در خوابگاهِ حور العین　　گل در آغوش و مشک در[۴] بالین

---

[۱] حجب = ہر سہ　　[۲] س = باپدر باز

[۳] بالفتح و تشدید میم شخصیت کہ بر دین شماس باشد و شماس نام شخصے ست کہ دین آتش پرست ایجاد کردہ اوست و چرخ ازانجا کہ حرارت آفتاب ہر دم با خود دارد بشماسی موصوف گشت ۱۲

[۴] سرج = بر

کوثر کشیدن بهرام روز یکشنبه در بهشت سوم و بگنبد زعفرانی شکر خندهٔ طرب نمودن و بآفتاب نیمروزی خانه گرم کردن

روز یک شنبه آن ستارهٔ[۵۱] روز — شد در ایوان زرد بزم افروز

چون زر افشاند آفتاب بدشت — دامن کوهسار پر زر گشت

رغبت برج زعفرانے کرد — خانه را خلد جاودانی کرد

جامه را نیز کرد خندان[۵۲] خند — زعفرانی چو آفتاب بلند

گفت خورشید نیمروزی را — رخ گشاید جهان فروزی را

هر کرشمه که او نمود بپوست — ناوکے بود در درونهٔ دوست

شه به نظارهٔ چنان مستور[۵۳] — ماند حیران چو هندوان ز نور

باده بر روی سرخ گل می خورد — تا فرو رفت ز آسمان گل زرد

شب چو نو کرد پرده داری خویش — گوهر آمود در عماری خویش

سر ببالین خواب گاه نهاد — یا ز آن[۵۴] سر بران ماه نهاد

داد فرمان که ماه شکر خائے — گوید افسانه نشاط افزائے

---

۵۱ مراد از بهرام ۱۲ — ۵۲ الف برائے اتصال ست چون رنگارنگ ۱۲

۵۳ ز عجب = منظور

۵۴ سر حجب = با ز اندر سران ماه نهاد

نازنین بر زمین نهاد جبین ق گفت کای شهریارِ روی زمین
بختِ هموار هم عنانِ تو باد سپرِ بدخواه بر سنانِ تو باد
هر مرادی که بشمری زانگشت یک بیک جمله بادت اندر مشت
شرم دارم که پیش درّ دری[۵۱] که بیارا کشم بجلوه گری
لیک چون شه اشارتم فرمود هر چه دارم برون فشانم زود
ریخت چون این نمط لآلی چند گفت زین پیشتر بسالی چند

افسانه گفتن زعفرانی پوش نیروزی

زرگرے بود در خراسان طاق شهره در شهرهاے روم و عراق
حسنش نام و بر هنرمندان بود چون نامِ خویشتن خندان
هر چه بتوان ز سیم و زر پرداخت ساختی آنچنان که باید ساخت
روزے[۵۲] از دستکاری دلجوی ساخت پیلے گران ز صد منِ روی[۵۳]
تا روانی بود بهر جایش چار گردون[۵۴] نهاد در پایش
چون بپرداختش بنقش و نگار ق از نکوئی چو صورتِ دیوار
پیشِ فرمانرواے شهرش برد بوکیلانِ درگهش بسپرد

---

۵۱ بالضم و تشدید را مکسور لفظ عربی ست بمعنی ستاره روشن که بزرگ باشد اینجا بضرورت شعر تشدید را حذف کردند ۱۲
۵۲ رجب = وقتے
۵۳ بمعنی کانسی ۱۲
۵۴ یعنی بهیة ۱۲

پیش بردند شاه کرد نظر — ماند حیران در آں کمالِ ہنر

پس اشارت نمود ہم بشتاب — تا دہندش ہزار من زرِ ناب

گفت خواہم زچوں تو اُستادی — کہ نہی زیں نمونہ بنیادی

پیل کز روی کردۂ پرداخت — سازی از زر چنانکہ باید ساخت

زر بروں برد مردِ چابک دست — رفت و در کارگاہِ خویش نشست

نقد را سکّہ در عیار آورد — دمّہ[له] و کورہ را بکار آورد

روز و شب کوششِ ہنر میکرد — ور ہنر کارِ خود چو زر میکرد

تا برآراست از پیِ ماہے — ژندہ پیلے فراخورِ شاہے

چوں شد آں پیکرِ شگرف تمام — در زماں کرد پیشِ شاہ خرام

کارِ خود کز ہنر نداشت قیاس — برد در پیشِ شاہِ کارشناس

شہ چو دید آں نمونہ کارش — متحیر شد از نمودارش

کرمش کرد و چار من زر داد — مزدِ دستش چہار دیگر داد

پس بپشتش بر آمد از پے گشت — طرفہ گشت و جانبے بگذشت

زاں تماشا کہ بود طرفہ دہر — گفت و گوئے در او فتاد بشہر

ہر کجا زیرکی و دانائی — ق — نقشبندے و پیکر آرائی

چوں بدید اندر آں ہنرمندی — خیرہ شد زاں ہنر خردمندی

[له] دمہ ہندی دہوکنی و کورہ بھٹی ۱۲

حاسداں را حسد بکار آمد | دلِ ہر یک بخار خار آمد
کاردانے دگر ز غیرتِ کار | گرد آں سکّہ شد بوزن و عیار
کرد روشن کہ آں خیالِ شگرف | آنچہ شد داد کمتر ست بصرف
مایۂ[1] زر اگر ہزار من ست | نہ بجای ست دزد کمی[2] سخن ست
شد بر آں تا چہ[3] باز داز سرِ دست | کہ در آرد بہ پیل[4] بند شکست
گفت اگر پیشِ شہ کشایم راز | پیل را شہ نیفگند بگداز
ور شوم سکّہ را بوزن دلیل | در ترازو چگونہ گنجد پیل
ور زباں از سخن کنم کوتاہ | قلب کاری برد خزانۂ شاہ
چارہ آں شد کہ ہم ز خانۂ او | آگہی جویم از فسانۂ او
پس باندیشہ گشت چارہ سگال | تا بروں آورد ز پردہ خیال
جست رائے بکوششِ دفنِ خویش | کاشنا کرد بازنش زنِ خویش
ہر دم از تحفہ ہاے رنگ آمیز | کرد بازارِ دوستی را تیز
آنچناں گرم شد میانِ دو جفت | کہ بتقریر باز نتواں گفت
شرطِ اخلاص را بہانہ نماند | راز را پردہ در میانہ نماند
مردِ شیریں زبان و خوں[5] آشام | ق زہر در جیب و انگبیں در جام[6]

---

[1] ح س = مایۂ کارگر   [2] ح س = یکے   [3] اے کدام حیلہ انگیزد ۱۲
[4] از پیل بند مراد زرگر ح س و در بازی شطرنج چوں پیل را بہ پیادہ قوت دہند پیل بند می نامند ۱۲
[5] جب = دزد   [6] ح س = کام

دید چوں پختہ کارسازی خویش　　ریخت بیروں ز پردہ بازی خویش

گفت با زن کہ چوں بہ پنہانی　　سوے کدبانوی حسن رانی

فرشتے[1] بینی و مزاجش نغز　　گرم در پوست در درویش چو مغز

آری از ہر درے بگفتارش　　گوئی آں گاہ بیغرض وارش

کانچہ جفتِ تو نقشِ پیل کشید　　ناقداں[2] را بدیدہ میل کشید

مثلِ آں زیرِ سقفِ مینائی　　در نیاید بہیچ بینائی

ایں شگفت ارچہ سر بسر ہنر ست　　لیک وزنش ازاں شگفت ترست

گر کسے خواہدش کہ بر سنجد　　در ترازو درست چوں گنجد

زو بپرس ار بداند ایں ہنجار　　نیست ہمتای او بہیچ دیار

راز زنیانش آشکار و نہفت　　باز گوئی چنانکہ دانی گفت

زنِ زیرک مزاج دور اندیش　　زیرکانہ نہاد پاے بہ پیش

تحفۂ برگرفت و رہ برداشت　　رفت جائی کہ کار در سر داشت

تحفہ را برد پیش کدبانو　　چوں دگر بازگشت ہم زانو

گہہ بافسانہ و گہے بفسوں　　از دلش خوردہ می کشید بروں

تا وے از کاردانِ خود بدلیل　　پرسد آئینِ برکشیدنِ پیل

ہر نمط وصف کرد کالا را　　پیل و آں گنج پیل بالا را

---

(۱) حجب = فرشتے　　(۲) ر = حاسداں

زیر و بالا مخور[١] و چند انش　　　کز سخن موم کرد سندانش

گرد[٢] این سکّه در مزاج درست　　　کز حسن وزنِ سکّه باید جست

شب چو شد پیل بندِ جوزا راست　　　چرخ ز انجم بساطِ سبز آراست

حسن از کارِ گهه بخانه رسید　　　مرغِ زیرک در آشیانه رسید

چون دل از کار خوردنی پرداخت　　　از پئے خواب سوی بستر تاخت

صنمِ خانه شد بخدمت[٣] شوے　　　در کنارش خزید روبا روے

خواجه را دل در اهتزاز آمد　　　نازنیں در نشاطِ ناز آمد

هردو بر نسبت زناشوئی[٤]　　　تازه کردند رسمِ دلجوئی

خواجه میگفت در نهان باجفت　　　انچه با او بپرده باید گفت

سیمبر نیز پیشِ محرمِ خویش　　　بازمی گفت شادی و غمِ خویش

چون ز هر گفتگوی واپرداخت　　　سخن از پیل و وزنِ پیل انداخت

گفت کاے در همه[٥] هنرها طاق　　ق　　فیلسوفے بزیرِ سبز رواق

از هنرهائے بیکرانهٔ تو　　　رفت گردِ جهان فسانهٔ تو

من ز تو هرچه قصه پیش کنم　　　ناز بر همسرانِ خویش کنم

پیلِ زریں که ساز کردهٔ تست　　　درے از سحر باز کردهٔ تست

---

١ صفت گوناگون کردن ١٢　　٢ رس = گردش　　٣ س = بخلوت

٤ الف در زناشوئی بجاے واو عطف آمده چنانکه در لفظ سراپا ١٢

٥ رعجب = در هنر بعالم طاق

هرچه از پاے دیدمش تا سر　　　هست جایش زجاے زیبا تر

لیک یک مشکل آیدم بخیال　　　پرسم ار پاسخم دہی بسوال

مرد گفتا که آنچه میدانم　　　از همه پوشم از تو نتوانم

باز پرس آنچه گرددت بضمیر　　　تا کنمت یگاں یگاں تقریر

زن بدو گفت کاں خیالِ شگرف　　　که در و زر هزار من شد صرف

صنعتش گرچه از حد افزون ست　　　صنعتِ وزن کردنش چون ست

گر ترا باشدت تصوّرِ چیست　　　ق　　　که تواں بر کشیدنش بدرست

آگهی ده که باخبر گردم　　　شادیم هست شاد تر گردم

مرد گفت که هست در مشتم　　　صد هنر یک بیک بهر انگشتم

لیک در دل[1] خود نهفته دارم راز　　　کز کس انصافِ خود نیابم باز

گر نمایم هنر بهشیاراں　　　نه برم جاں زدستِ همکاراں

نغز گفت آں حکیمِ دور اندیش　　　که هنر هرچه بیش دشمن بیش

زن بدو گفت کانچه از دلِ خویش　　　ق　　　باز پوشی زخلق حاصل خویش

جای آں باشدت که اندر پوست　　　۲　　　نیست خالی کسی[2] زدشمن و دوست

لیک احوالِ خود بجا موشی　　　۳　　　با که گوئی اگر زمن پوشی

خواجه گفتا که راست ست و درست　　　ق　　　که مرا محرمے دگر نه چو تست

---

۱ حب = با　　　۲ رحب = جہاں

لیک آخر زنی و هیچ زنی — نتوان داشت محرم سخنی

زن که در عقل بی کمال بود — راز پوشیدنش محال بود

زن بدو گفت کای ز دانش دور — زن بود شوی خویش را دستور

هرچه باشد ز مردمان بنهفت — جز بجفت عزیز نتوان گفت

من که بودم همیشه محرم تو — با که گفتم ز شادی و غم تو

تا چنین مهر بر زبان داری — از من اسرار خود نهان داری

مرد گفت این سزای گفتن نیست — قصه جز از تو در نهفتن نیست

گر برون ریزم از دل این فن خویش — خون خود خود کنم بگردن خویش

زن که بر مرد کامگاری[۱] داشت — ق — دل بکار ستیزه کاری داشت

کوشش و جهد در میان آورد — عصمت شوی در زیان آورد

خواجه کو راز بودن[۲] فرمان بود — راز پوشیدنش نه شایان[۳] بود

گفت گر بایدت که بی کم و کاست — هرچه پرسی ز من بگویم راست

عهد و سوگند در میان آید[۴] — کین جز سینه ز بند نگشاید

زن وثیقت نمود و پیمان بست — که نیاید[۵] به فیل بند شکست

آنگهی خواجه برگشاد زبان — ق — گفت با آفتاب نوش لبان

کانچه پرسیده شد ز من بدلیل — شکل و هنجار برکشیدن پیل

---

۱ اے غالب و مسلط بود ۱۲ ۲ اے مطیع او بود ۱۲ ۳ ر سج = نه ساماں ۴ س = باید
۵ ر سجب = که نیارد بقفل راز شکست

آنچناں باشدش طریقِ صواب — کہ درآرند کشتی اندر آب

درمیانش نہند پیلِ سترگ — در مقامے کہ رود باشد ژرف[1]

پس ببینند درمیانہ رود — چہ قدر میرود سفینہ فرود

چوں حد آب را کنند نشاں — پیل بیروں کشند پیل کشاں

از گِل و سنگ ہم بداں مقدار — تختہ تختہ[2][3] کنند کشتی بار

تا خطِ آب برقرار رسد — واں تری بر نشانِ کار رسد

آنقدر من کہ تا نشاں باشد — وزنِ مقدار او ہماں باشد

وانکہ وزنش کم ست نامفہوم — بیش و کم اندراں شود معلوم

زن ازاں گونہ حکمتے کہ شنید — در عجب ماند و پشتِ دست گزید

آفریں کرد[4] بر ہنرمندیش — شد بجاں بندۂ خداوندیش

ہر دو باہم بعیشِ جاں افروز — خواب کردند شاد و خوش تا روز

زرگرِ صبح چوں ز کورۂ خاک — موجِ آتش دمید بر افلاک

خواجہ زرگر بسوی دکاں تاخت — بانوی خانہ برگِ مہماں ساخت

آمد آں خواہرِ زبانی باز — بزبانِ فریب ناک دراز

چاپلوسی ز حد فزوں می کرد — در ہر افسانہ صد فسوں می کرد

تا چناں کردش از فریب و غرور — کز دلش گشت بدگمانی دور

---

[1] اے عمیق ۱۲ [2] نخ = سختہ سختہ [3] سختہ سختہ یا تختہ تختہ بمعنی سنجیدہ سنجیدہ و وزن کردہ ۱۲
[4] نخ = گفت

خانہ را اعتماد بر وے داشت	وز عزیزانِ صحبتش بہ نداشت
ہمہ پنہانِ خود کشاد برو	مہر[۱] خویشانِ خود نہاد برو
پیشِ او ریخت ہر چہ در جاں داشت	جز ہماں نکتہ را کہ پیماں داشت
ہر دو با ہم در آمدند بکار	میزباں سادہ میہماں طرّار
ہر دم آں میہمانِ رنگ آمیز	شکلِ دیگر شدی طلسم انگیز
تا پس از مدتے بزرق و فسوں	آں سخن نیز زو کشید بروں
چوں کلیدِ خزانہ کرد بچنگ	قفل برداشت از درِ نیرنگ
رفت در پیشِ جفتِ فتنہ سگال	داگہی دادش از مجاریِ حال
مردِ پر غیرت و مخالف رائے	یافت انگیزشِ بلا را جائے
پیشِ شہ رفت و حال روشن کرد	دوستی را بکامِ دشمن کرد
گفت کاں پیلِ زر کہ دانا ساخت	زانچہ دادی کم ست در پرداخت
من چناں سنجمش درست کہ شاہ	از کم و بیشِ او شود آگاہ
شاہ گفتا کہ آں ہنر پیوند	نہ بہ تنہا اساسِ کار فگند
ہیچ دانی کہ گاہِ وزن و عیار	مشرفاں چند بودہ اند بکار
با تو زینساں زغیرتے کہ فتاد	کنی او را تقلب کاری یاد
مرد گفتا کہ گاہِ سنجیدن	ہم تو دانی فزون و کم دیدن

[۱] یعنی مثلِ اقربا و خویشان با وے محبت کردن گرفت ۱۲

گرکم آید زد بستاں مال — ورنہ باد ات خونِ بندہ حلال

گفت شہ کایں چنیں نگارشِ نغز — چوں دہم از شکستنش پا نغز[1]

وردرستش بریں نمط ما نیم — وزنِ او نا شکستہ چوں دانیم

مردِ حیلت پژوہ گفت کہ من — سنجمش ناشکستہ ہم بزمن[2]

پس بہنجار وزن وکشتی وجوی — ق — کزنِ کارداں رسید بشوی[3][4]

ہمہ یک یک بشرح بازنمود — باورش داشت ہرکسی کہ شنود

شہ چو درگوش کردگفتارش — سہل بشمرد سکہ کارش

داد فرماں کہ بارچیت کنید — صدقِ آں ماجرا درست کنید

کارداناں رواں شدند شتاب — پیل بردند بر کرانۂ آب

پیل سازندہ را طلب کردند — روزورچشم او چو شب کردند

برطریقے کہ گفت چارہ سگال — یافت منزل بکشتی آں تمثال

تختۂ کشتی ازچناں بارے — رفت درزیرِ آب مقدارے

تا بجاے کہ شدنشانِ تری — نقش بستند دردلِ ہنری[5]

وانگہے پیل دربروں بردند — سنگ در جای او دروں کردند

سنگ سنجیدہ درترازوی کار — می فگندند من بمن مقدار[6]

---

[1] نقصان ۱۲ [2] اے ہمیں زماں ۱۲ [3] ب = بروے [4] ج = بدوے

[5] ہنرے بیای نسبت مراد حسن زرگر اے حسن را معائنہ کنانیدند وگفتند کہ ایں نشان تری را ببیں ویاد دار ۱۲

[6] ج = بشمار

چون نه صد منش شمار رسید — تری آب بر قرار رسید
زان هزارش[۵۱] که سکهٔ داشت اساس — صد منی بود کم بوزن و قیاس
مرد صناع را بقلابی[۵۲] — دست بستند بهر بی آبی[۵۳]
همچنان بسته پیش بردندش — با مینانِ شه سپردندش
شه ازو باز جست قصهٔ حال — او بنیامد کم از جواب[۵۴] سوال
گفت کاری نه از رهِ دزدی ست — لیکن از ننگ و نام کم مزدی ست
صد منی بردم از هزار منت — گر ببخشی زکوٰةِ جان و تنت
ور نه اینک نهاده ام بر جای — بهر این روز در درونِ سرای
تا ببینم که این نگارشِ چیست — کس تواند که بر کشد بدرست
هر که داند بوزنِ او هنجار — من بشاگردیش کنم اقرار
وانکه نتواندش که بر سنجد — سازِ آن در دلش کجا گنجد
داشتم چشم انتظار بسی — وزنِ آن سکه در نیافت کسی
تا من آن دخل صد منی کم و بیش — مزد آن دانش آرمش در پیش
این نفس هم ز من برون افتاد — تا مخالف بآزمون افتاد
من چو زین پرده بر کشادم راز — پرده پوشی چرا کند غماز
من چو از گفتِ خود گنه گارم — هرچه بر من رود سزاوارم

---

۵۱ رس = هزار یکه　۵۲ بسبب دغابازی ۱۲　۵۳ بے آبروئی ۱۲
۵۴ یعنی او هم بدلیری جواب داد ۱۲

شاه فرمود تا خزانهٔ او — درخزانه رود خزانهٔ او

کارداران شتافتند چو باد — باز کردند خزانه را بنیاد

آن زر و گنجِ دیگر از کم و بیش — همه بردند شاه را در پیش

شه فرستاد در خزانهٔ خاص — پس طلب کرد خواجه را بقصاص

بود میلے[1] ز شهر یک فرسنگ — از فرودش[2] فراخ و بالا تنگ

صد گز از خاک برکشید بلند — بر سرش ایمن از نردبان و کمند

شه بر آنکس که خشمناک شدے — بردی آنجاش تا ہلاک شدے

نرسیدیش چون خور و آشام — چند روزے شدیش کار تمام

بر حسن چون بخشم شد رایش — هم در آن میل ساخت ماوایش

داد فرمان که هم برین زبرش — برکشند و زنند قفلِ درش

بسته شد روزنے که هرجا بود — جز همان روزنے که بالا بود

او بروزن نشسته با دلِ ریش — چشمِ حیرت کشاد در پس و پیش

زیر و بالا نظاره میکرد — با خود اندوه و حسرتے میخورد

دید شخصے که میرسد از دور — همچو پروانه در زیارتِ نور

آمد آهسته بے رفیق و دلیل — گام برگام تا بپایهٔ میل

چون نگه کرد خواجه یارش بود — زنِ نادانِ خام کارش بود

---

[1] میل یعنی منارهٔ بلند ۱۲ — [2] یعنی از پائیں پہنا ور و از بالا تنگ ۱۲

آمد و نالہ بر کشید بلند　　گریہ میکرد و روے و مو میکند

خواجہ گفتا کہ رفت چوں تقدیر　　سود کے دارد ت فغان و نفیر

[1]شاند نا دانیت بدیں روزم　　تا کشد روز بد بدیں سوزم

چوں بجاں او فتادہ کارم خاص　　کوشم اکنوں بجاں براے خلاص

آنکہ ہست ایں شکنجہ محکم ازو　　ہست امیدِ رہائیم ہم ازو

رنجہ کن سوے شہر گامے چند　　سیرے ابریشم آر و سیرے قند

زن چو دانست کاں بلند مقام　　نکند جبت و جوے نا فرجام

رفت آں ہر دو را ہم اندر پے　　بستد و باز شد بجانبِ وے

چوں نگہ کرد خواجہ از بالا　　کہ زنش در رسید با کالا

دادش آواز و گفت بر سرِ تار　　پارۂ قند کن بزودی بار

دہ بمورے کہ میرود بر میل　　تا ببالاش می برد تعجیل

رشتہ را زود زود می کن باز　　کز نشیبش کشد بسوے فراز

ہمچناں کرد زن کہ او فرمود　　داد رشتہ بمور۔ مور ربود

راند بالاے میل تار کشاں　　رسنِ فتنہ بر حصار کشاں

چوں بنزدیکِ رخنہ برد بزور　　[2]ریسماں را کشید خواجہ ز مور

گفت ہاں زود کن بیار شتاب　　قدرِ صد گز طنابِ محکم تاب

---

[1] اے جشاند ۱۲　　[2] جب = رشتہ را در ربود

زنِ کار اوفتاده باز بتفت[1] ‌‌ ‌ زاں خرابہ بخانۂ خود رفت

رشتہ راز آں نمط کہ دانا بود ‌ ‌ خود بخانہ درش مہیّا بود

بستد از گنج خانہ پنہانے ‌ ‌ راہ بر داشت سوی ویرانے

چوں شتاباں بمیل باز رسید ‌ ‌ سازِ[2] چارہ بچارہ ساز رسید

خواجہ تارے بریشم از بالا ‌ ‌ ہشت چوں سلکِ لولوی لالا

گفت پیوستہ کن سرش بطناب ‌ ‌ خم وپیچش کشادہ دار ز تاب

زن سرِ رشتہ زد گرہ بر تار ‌ ‌ او کشیدش بحیلہ وہنجار

چوں سرِ رشتہ برد بر سرِ میل ‌ ‌ گشت مستورہ را بچارہ دلیل

گفت بر بند خویش را برسن ‌ ‌ تا بر آئی سبک[3] ببام حسن

گفت زن چوں تو نائی اندر زیر ‌ ق ‌ گشتی از جان و زندگانی سیر

منکہ ایں رنجم از برائے تراست ‌ ‌ بر زبر بر دنم زبہر چراست

خواجہ گفتا کہ تا شود معلوم ‌ ‌ کہ چسانم درین خرابۂ شوم

زن بر آں گفتہ استواری کرد ‌ ‌ گریۂ با فغان وزاری کرد

در کمرگاہ چست کرد رسن ‌ ‌ تا کشد خویش را ببام[4] حسن

او ز بالا طلسمِ دیگر داشت ‌ ‌ با عروس انتقام در سر داشت

حلقۂ بود آہنی در سنگ ‌ ‌ محکم وسخت نے فراخ و نہ تنگ

---

[1] اے برگشت ۱۲ [2] ساز بمعنی اسباب وچارہ بمعنی علاج واز چارہ ساز مراد خواجہ حسن زرگر ۱۲
[3] عجب = وسے [4] حس = بسلک

سر رشته در و کشید نخست	هم در آں رشته کرد خود را چست
لنگرے نیز کرد با خود بار	وانگہے شد معلّق از دیوار
بار چوں سوئے او گرانی یافت	رسن از سوے زن روانی یافت
میہماں شد صنم بمیلِ بلند	رفت در زیرِ میزباں بکمند
زاں طلسمی که کرد مردِ دلیر	مه زبر شد عطارد آمد زیر
زن برآورد ز آسماں فریاد	گفت کز چیست بر من ایں بیداد
در زندانِ فتنه بشکستی	خود ز زنداں شدی مرا بستی
گر بدانم که من گنه گارم	گر کنی زیں بتر سزاوارم
ایں چه بدمهری و ستمگاری ست	جورِ یاراں نه از رهِ یاری ست
چه خلاف از مزاجِ من دیدی	کیں ستم بر سرم پسندیدی
باز گو آمد از من کارے	تا شکایت ز خود کنم بارے
خواجه گفت که هر چه پیش آید	آدمی را ز فعلِ خویش آید
گر ندانی تو رنجِ پنهانم	منکه خوں خوردم از تو میدانم
گر تو بیگانه را بسنجشِ پیل	ره نمونی نکرده بد تبدیل
وانچه من زا بلهی زدم نفسے	آشکارا نکرده ام بکسے
من چرا در چنیں حنابه شوم	کردمے نالهاے زار چو بوم

ك یعنی حسن اندکے بار ہم همراه خود بآں رشته بست ۱۲ ك یعنی زوجه حسن بالا رفت و حسن فرود آمد ۱۲

زن چو کرد آں فسانه را در گوش — گنه از خویش دید و گشت خموش

دل به تسلیم کردگار سپرد — ماند بیخود فتاده گوئی مرد

واں رسن تاب بو العجب پیشه — باز رست از طنابِ اندیشه

رفت و بنهفت رخ بگوشهٔ شهر — تا چه پیدا شود ز گردشِ دهر

واں پری شب در آں نشیمنِ دیو — همچو دیوانه می نمود غریو

روزِ دیگر ز بهرِ هیزم و کاه — مردماں را فتاد زاں سو راه

کرد ناگاه زاری و فریاد — هر کسے سوے او دوید چو باد

زهره دیدند بچ گیر شده — اخترے در وبال اسیر شده

ماند یوسف رخے بزندانے — نازنینے بمحنتستانے

باز جستند زو حکایتِ حال — او شد از راهِ خود فسانه سگال

قصهٔ حالِ خویش و حیلهٔ شوے — و آنچه آمد ز روزگار بروے

واں بدشمن کشاده کردن راز — در فگندن رفیق را بگداز

واں رسن بازئے که کرد رفیق — حبسِ او در خلاصِ خود بطریق

هر که بشنید دست بر سر ماند — و ز طریقِ خلاصِ او در ماند

کس نیارست کز رواق بلند — بندئ شاه را کشاید بند

هر کسے چوں بشهر رفت ز راه — زاں حکایت خبر رسید بشاه

کان هنرور به بهتریں راتے — کرد زاں گونه زیر و بالاتے

شاه زان چاره جستن درمندان — ماند لب را گرفته در دندان

کرد اشارت ز بهرِ پرسشِ کار — کآورید ند ماه را ز حصار

چون بدرگاهِ شه رسید عروس — از درون برکشید ناله چو کوس

وانچه در زیرِ پرده داشت نهان — گفت در پیشِ شهریارِ جهان

شه غلامانِ خاص را فرمود — تا بجویند جفتِ او را زود

نقش بینان[1] بجست و جوی شدند — در کُه و دشت و شهر و کوی شدند

آگهی یافت خواجه پنهانے — که بجان آمد آفتِ جانے

دلش از بیمِ جان شکست گرفت — کفن و تیغ[2] را بدست گرفت

پیشِ شه رفت و کرد زاریِ خویش — شرمسار از گناه گاریِ خویش

شاه گفتا که با چنین خردے — ق — که ندارد صناعتِ تو حدے

چیست کز حرصِ نفسِ فتنه پرست — بخیانت دراز کردی دست

مردِ دانا نهاد سر بر خاک — ق — گفت کای دشمنِ تو باد هلاک

تا جهان ست در پناهِ تو باد — چرخ در سایهٔ کلاهِ تو باد

من که اندیشهٔ مرا بشمار — یک هنر نے صد ست بلکه هزار

هر فنے کآن به است در همه چیز — دارم از کسبے و عطائے نیز

لیک از بیمِ زرقِ بی هنران — ساختم خویش را ز بیخبران

---

[1] مراد از جاسوسان عاقل که خط و خال را دیده نشان شخص یابند ۱۲

[2] یعنی آمادهٔ مرگ گردید ۱۲

این نمودارِ زر که بنمودم | کیمیاے بس براند ودم
تا چو بیننده زر گرم داند | کیمیا کاریم نهان ماند
وان خیانت که کردم اندر مال | نه مرادم ذخیره بد نه منال
بود مقصودِ من بعقل و دلیل | آزمونِ کسان بسنجشِ پیل
چند گاهے نگاه می کردم | ق | چشمِ فکرت براه می کردم
که کسے دارد آن قدر فرهنگ | تا شود سرکشاے این نیرنگ
چارۂ آن زکس نگشت پدید | تا هم از من برون فتاد کلید
شاه زانجا که رسمِ داد نمود | به هلاکم سپرد و برحق بود
هر کجا قلب کار دزد بود | گر سیاست کنند مزد بود
وانکه من از طریقۂ رندان | زنده خود را کشیدم از زندان
وان زنِ بد که قفلِ راز شکست | خویشتن را کشادم او را بست
غرض آن بود کین طلسمِ شگرف | ق | چون رسد پیشِ شاه حرف بحرف
باز پرسد زمن نهانیِ من | گردد آگه زکاردانیِ من
گر شهم بر گنه قصاص کند | مملکت را بعدل خاص کند
ور گناهم ببخشد و جان نیز | کرم و عفو بهتر از همه چیز
داشت شه نیز مهربانیِ او | از چه[۱] ز افسون و کاردانیِ او

---

[۱] از چه بطریقِ سوال واقع شده و از افسون و کاردانی او جواب یعنی از کدام سبب بادشاه خیال مهربانی میداشت بسبب دیدنِ افسون و کاردانیِ خواجه حسن زرگر ۱۲

گفت یارب بجشتم ایں بارش | تا ببینم نہایتِ کارش

آنکہ کردارِ بد روا بیند | خود ز کردارِ خود سزا بیند

دربود در ہنر ستودہ اثر | برخورد ہم ز مال و ہم ز ہنر

شہ ز اندیشۂ چنیں خورسند | بعد ازانش خلاص داد ز بند

در صفِ خدمت اختصاصش داد | شغلے از شغلہائے خاصش داد

چند گہہ از کفایت و تدبیر | پایہ والاش گشت پیشِ سریر

از خرد کارش آں روائی یافت | کز ملک شغلِ کدخدائی یافت

تا بدانی کہ ہر کرا خرد ست | آرزوہاش در کنارِ خود ست

وانکہ زر سنجی از پئے دگراں | از زرِ خود نہاد گنجِ گراں

چوں بزر داشت نسبت از عامہ | رنگِ زر تازہ کرد بر جامہ

روز و شب باخود آں نشانی داشت | جامہ را رنگِ زعفرانی داشت

زر کہ اکسیرِ کامرانی یافت | عزت از رنگِ زعفرانی یافت

زعفرانی عجب تریں رنگ ست | گونۂ عاشقانِ بے ننگ ست

بنگر آں زر کہ زعفرانی نیست | در عیار آنچناں کہ دانی نیست

آفتابے کہ آسماں دارد | زینت از رنگِ زعفراں دارد

در مزعفر فزائشِ طرب ست | خندۂ زعفراں ازاں سبب ست

شاہ را چوں نگارِ شکرخائے | ق | زعفراں وار شد نشاط افزائے

در بر آورد شاہ زرد قباش　　زعفران سائے گشت بر حلواش

مجلس آراستنِ بہرام روزِ دوشنبہ در بہشتِ چہارم بہ گنبدِ ریحانی با ماہِ سبز رنگِ سقلابی[3] و لباسِ خضر پوشیدن و سلسبیلِ حیات نوشیدن

در دوشنبہ کہ چرخِ ریحاں پوش　　داد گل را نشاط مرزنگوش[1]

کرد خسرو چو سبز پوشی رائے　　گشت رخشاں چو ماہِ سبز قبائے

راند با ہمنشینِ روحانی　　سوئے گنبد سرائے ریحانی

باز برگِ نشاط ساختہ شد　　بربطِ خوش دلی[2] نواختہ شد

غمزہ زن گشت ماہِ سقلابی　　فتنہ را داد شغلِ بے خوابی

مجلسِ عیش و کامرانی بود　　تا بشب دورِ دوستگانی بود

چوں شبِ تیرہ گشت گوہر سنج　　در زمیں ورشد آفتاب چو گنج

شاہ مست و حریف ہم سرمست　　رفت بیروں عنانِ ہر دو ز دست

گفت فرماندۂ سریر بلند　　کہ شکر لب زپستہ ریز و قند

گوید افسانۂ کزاں گفتن　　در شبِ تیرہ خوش تواں خفتن

---

[1] مرزنگوش نوعے از ریحان ست کہ خوشبو باشد ۱۲　　[2] س = خوش نوا

[3] سقلاب بالفتح ولایتے ست از ترکستان بمنتہائے روم کہ مردمان آنجا بحسن صورت مشہور اند ۱۲

لعبتِ سیم با ہزار نشاط | سو د رخ را بپائگاہِ بساط
گفت شاہا جہاں بکامِ تو باد | وزٗ جہاں ہر چہ ہست رامِ تو باد
ہر کہ بد بیندت چو بد بیناں | دوزخی باد ہمچو بے دیناں
تحفۂ من کہ خاکِ راہ بود | کے سزاوارِ بزم شاہ بود
لیک زانساں کہ خسرواں دانند | بندگاں را بزرگ گردانند
من ہم آنچہ از فنون و کم دانم | چوں ملک اکرم ست برخوانم
چوں بپوزش تمام کرد سخن | ق گفت وقتے بروزگار کہن

افسانہ گفتنِ سبزپوشِ سقلابی

بود فرماں دہے بہندوستاں | شہر و کشور ز عدلِ او بُستاں
ہر چہ در خسروی بکار بود | ق کہ بداں ملک برقرار بود
داشت از مردی و جہانداری | خاصہ آئینِ میہمان داری
ساختہ میہماں سرائے خوب | یکٗ بیک سازِ او ہمہ مرغوب
ہر غریبےٗ کہ آمدی از راہ | در فرودیش ناز و نعمت و جاہ
باز جستی از و عجائبِ دہر | و ز ہنرہائے او گرفتی بہر
تا رسید از قضاش مہمانے | خوش جہاندیدۂ و ہنر دانے

لہ جب = در لہ رجب = را ۵۳ یعنی تمام ۱۲ ۵۴ اجنبی و مسافر ۱۲

جادوئی کز دمِ فسوں پرداز — مردہ را جاں بہ تن کشیدی باز

شاہِ مہماں نواز خواندش پیش — دلنوازی نمودش از حد بیش

چوں بپرداخت[۵۱] زار جمندیِ او — جُست بہرہ ز بہرہ مندیِ او

مردِ دانا ز شرمساریِ جود — داد بیروں ہر آنچہ در وے بود

زآنچہ می‌کرد شاہ را آگاہ — بیش از آں گشتہ بود حاصلِ شاہ

تا دم از نکتہ ہاے[۵۲] جانی رفت — سخن از مرگ و زندگانی رفت

شاہ گفت آنچہ در جہاں ہنرست — ق — کآدمی زادہ را بر آں گذرست

از ہنر پروران بخشش و برگ — کسب کردم مگر کہ چارۂ مرگ

چوں نبود ایں کلید بر مردم — بستہ ایں در بچار ہا کردم

زیں سخن رہ روِ بیابانی — زیرِ لب خندہ کرد پنہانی

شاہ گفت اے خرد بجانِ تو جفت — سببِ خندہ باز باید گفت

شد مسافر بحیلہ عذر اندیش — کہ شود پردہ پوشِ خندۂ خویش

غنچہ[۵۳] گہ باز کرد و گہ پیوست — آنچہ بشگفتہ بود باز نہ[۵۴] بست

چوں دمِ عذر دلپذیر نبود — گفت چیزے کزاں گزیر نبود

---

۵۱ یعنی شاہ چوں از تعظیم و عزت دادن مہمان فارغ شد ۱۲ ۵۲ اے شدہ شدہ سخن در ذکر جاں افتاد ۱۲

۵۳ مراد از غنچہ دہن باشد یعنی لبہاے خویش را از خندہ باز کرد و بار دیگر فرو بست لیکن خندہ بر جا لیکہ دلالت کردہ بود و آں را نہفتن نتوانست ۱۲

۵۴ حرص = باز بست

که مرا چون بجست و جوے ہنر — ق — شرق تا غرب گشته[۱] ہمہ یکسر

ہر کجا در زمانہ نیرنگی ست — کہ پژوہندہ را در و رنگی ست

اندک اندک بہردہ و شہرے — بر گرفتم ز ہر یکے بہرے

تا رسیدم باوستادے چست — کہ دم از نقلِ روح زد بدرست

بفسون جانِ خود[۲] برون کردے — در دگر کالبد درون کردے

عمرے از خلق روے پیچیدم — خدمتش را بجان بسنجیدم

تا چنان شد ز شرمسازیِ من — کایں فسون داد یادگاریِ من

ہر چہ من زو گرفتہ ام تعلیم — گر تو جوئی ترا کنم تسلیم

شاہ گفتا[۳] کہ بارے اوّلِ کار — آزموئی بباید ناچار

مگسے را بکشت خواجہ بتفت[۴] — از خود آمد برون و دروی رفت

قالبِ مردہ بر زمیں افتاد — در زمان آن پرید و ایں افتاد

قدرے کرد سو بسو پرواز — باز در قالبِ خود آمد باز

خفتہ برخاست از زمیں خندان — ماند بینندہ دست در دندان

گفت اگر آگہی[۵] دہی زیں حرف — یادگاریم باشد از تو شگرف

وانچہ من دارم از جواہر و گنج — ہمہ[۶] را پیشت آورم بے رنج[۷]

---

۱ ح جب س = گشتہ شد یکسر — ۲ س = زتن — ۳ ح = گفتش

۴ تفت بمعنی گرم و اینجا بمعنی شتاب و جلد ۱۲ — ۵ ح جب = آگہم کنی — ۶ ح جب = نیمہ

۷ یعنی بیدریغ ۱۲

گفت دانا کہ زر کدام خس ست ۔۔۔ ہنر من مرا خزینہ بس ست

آنکہ او کیمیائے جاں دارد ۔۔۔ زرچہ باشد کہ دل بداں دارد

عہد کردم کہ بے توقعِ خواست ۔۔۔ در تو آموزم ایں ہنر کہ مراست

کار فرما چو عہد محکم کرد ۔۔۔ کاردانش بکار محرم کرد

در وے آموخت آں فسوں سازی ۔۔۔ تاش بازی نمود جاں بازی

پس زدانش بآزموں آمد ۔۔۔ جیفہ جست و در فسوں آمد

بفسوں جانِ خویش در وی بست ۔۔۔ ایں زپا او فتاد و او بنشست

سخنے گفت و جا بنے برگشت ۔۔۔ کآزمونش بصدق باور گشت

پس دُرِ خود بدُرج باز نہاد ۔۔۔ دیدہ بر پاے سحر ساز نہاد

راہ رو رفت و شاہِ دولتمند ۔۔۔ داشت پوشیدہ رازِ خود یک چند

پس باندیشہ گفت با دلِ خویش ۔۔۔ کہ چہ حاصل مرا ز حاصلِ خویش

چوں ز من بہرۂ بکس نرسد ۔۔۔ نفسے سوئے ہم نفس نرسد

شمع باشد ہنر کہ چوں افروخت ۔۔۔ زاں یکے صد چراغ بتواں سوخت

حیف باشد کہ ایں چنیں ہنرم ۔۔۔ کس نیاموزد و بخاک برم

تا بوقتے کہ دل نماند صبور ۔۔۔ راز بیروں فگند با دستور

چند گہ ایں خیال می سنجید ۔۔۔ ویں ہنر در دلش نمی گنجید

لہ ر= ہرکہ لہ حرس = برآں ۵۳ مراد از خواست مال باشد ۱۲ ۵۴ ضمیر شین راجع بسوے

دروے آموخت رمزِ جانیِ خویش | خاص کردش برمزدانیِ خویش

روزی ازقلب[1] گاہ درنخچیر | دور ماندند بادشاہ و وزیر

شاہ صیدے بہ تیر کرد ہلاک | خواست بندد بگوشۂ فتراک

گفت دستورِ خارج اندیشہ | ق کاے ہنرپرور و خردپیشہ

صید مردہ است و صیدگہ خالی | سیمیائی نما بمن حالی

شہ ندانستہ بود کاں بدعہد | در نہاں برخلاف دارد جہد

او[2] شد از قالبِ گرامی دور | گرم درشد بقالبش دستور

بر فرس جست و راہ پیش گرفت | دامنِ اختیارِ خویش گرفت

لشکر از ہرطرف فراز آمد | شاد و خنداں بخانہ باز آمد

در حرم رفت و کامرانی کرد | با بتے چند ہرچہ دانی کرد

ہر صنم کاندراں شبستاں بود | خدمتش راچو زیردستاں بود

جز یکے نازنینِ کارآگاہ | کاگہی داشت از حکایتِ شاہ

ساز کردی چو شہ عزیمتِ خویش | آں صنم[3] حاضر آمدی درپیش

رفت چوں سوی آں حرم دستور | ق تاخورد آبِ کوثر از لبِ حور

بنشاطِ تمام با با نو | بر سرِ تخت گشت ہم زانو

بے ادب وار برد سویش دست | صنم از جائے خویشتن برجست

---

[1] س = صیدگاہ   [2] س = شہ   [3] ربجب = پری

هم بهنجار کارِ او دریافت | کآن خزانہ متاعِ دیگر یافت
خواجه چندانکه بیش زاری کرد | دلِ با نوکم استواری کرد
گفت گر خون فشانی از تنِ من | نرسد دستِ تو بدامنِ من
لیک چندے صبور باید بود | تا چه پیدا کند سپهرِ کبود
گر بدانم که تو هماں شاهی | با تو باشم چنانکه می خواهی
ور تو افسونِ او برو بستی | دستِ خود باز کش ز همدستی
گر بنظّاره می شوی خرسند | بس بود سایهٔ ز سروِ بلند
ور برآهو زنی طپانچهٔ شیر | جفتِ من آتش ست یا شمشیر
چوں نگه کرد خواجه کآں مه روے | هست صادق بحق گزاریِ شوے
آفریں صد هزار بروے خواند | هم بچشمے زدو رفتانغ ماند
واں طرف آهوے بیابانی گرد | راند با آهوانِ دشت نورد
جست میزد بهر چراخواری | در جگر سوز و در دل آزاری
گردِ هر کوه و دشت و ویرانی | هیچ خوردش نه جز پشیمانی
روزے اندر سوادِ صحرائے | پویه میزد چوبے سرو پائے
دید افتاده طوطئے بگذر | سبز تر در میانِ سبزهٔ تر
گرم زآهو نهاد بیروں پاے | ساخت اندر نهادِ طوطی جائے

ل‍ه اے پادشاه که در کالبد آهو بود ۱۲

جانِ شیریں بداں شکر خا داد — خضرے را دمِ مسیحا داد

در ہوا رفت و گشت در پرواز — تا شود سوے شہرِ خویش فراز

فوجے از طوطیانِ دشت گراے — گرد گشتند بروے از ہر جاے

چوں بدانش بزرگ دیدندش — بر سرِ خویش برگزیدندش[۱]

صید سازے بروضۂ چو بہشت — دامے افگندہ بود بر سرِ کشت

فوجِ طوطی بسبزہ شد ز ہوا — سبزہ بر[۲] سبزہ بر کشید نوا

آگہی شاں نبود تا صیّاد — رشتۂ دام را شکنجہ نہاد

بود صیّاد تشنہ در تف[۳] و تاب — آب جویاں بجوے رفت چو آب

داد مرغ مہیں بیاراں پند — کہ نمی بینم ایمنے زیں بند

زیں گزندی کہ راہ در جاں یافت — جز بمردن خلاص نتواں یافت

صید[۴] گر تا بخونِ صید نتاخت — خویش را زود مردہ باید ساخت

پیش ازاں باید اینچنیں مردن — بو کہ زیں فتنہ جاں تواں بردن

ہمہ گفتند کانچہ فرمائی — کردنی شد بجان و بینائی

گفت تو حرزِ جانِ خویش کنیم — گر نمیریم چشم[۵] پیش کنیم

ہمہ خفتند و مرغِ کار گزار — ماند بر پاسِ کارِ خود بیدار

مردِ صیّاد چوں رسید فراز ق — تا سرِ دام را کشاید باز

---

۱ یعنی افسر و بادشاہ خود کردند ۱۲ ۲ حرس = در ۳ حس = تب ۴ صیّاد ۱۲
۵ یعنی ہمچو مردگان چشم بند کنیم تا اثر حیات پیدا نگردد ۱۲

دید کز صد خضر کہ پنہاں داشت — یک خضر بود کآبِ[۱] حیوان داشت

ماند حیراں کہ ایں چہ شاید بود — مگر از خود ہراسِ شاں بر بود

دام را باز کرد و ریخت بروں — طوطیاں را بخاکِ طوطی گوں

برپریدند مردگاں بہوا — زندہ[۲] از دام برکشید نوا

گفت صیاد را کہ دل خوش دار — زیں زیاں سینہ نامشوش دار

ہر چہ حاصل شدی از ایشانت — من بہ تنہا دہم دو چندانت

طوطیِ داں مرا بد[۳] انائی — کہ کنم[۴] در سخن شکر خائی

طوطیاں گر شکر خورند و نبات — خضرم من کہ ریزم آبحیات

مرد چوں گوش کرد گفتارش — خیرہ ماند از شگرفیِ کارش

دام بر دوش کرد و راند بشہر — تا ز بختِ خودش چہ باشد بہر

شد خراماں میانِ بازاری — تا کند تحفہ را خریداری

دید کآمد میانہ بازار — شاہدے ہمچو صد ہزار نگار

زلفِ مرغول[۵] عنبر آلودہ — ہندو[۶] آسا بگل در آمودہ

نرگسش از کرشمہ شور انگیز — کشتہ عشاق را بغمزۂ تیز

ناگہاں در رسید تیز آہنگ — پس بصراف زادہ زد بچنگ

---

۱ آب حیواں داشتن زندہ ماندن ۱۲ — ۲ اے بادشاہ کہ در قالب طوطی بود ۱۲

۳ رنجب = بگویائی — ۴ جرس = کند — ۵ مرغول بروزن مقبول بمعنی پیچ و تاب موے پیچیدہ ۱۲

۶ جب = ہمچو ہندو

گفت دیدم[۱] من امشب اندر خواب | با تو خوش بوده ام بنقل و شراب
با من اندر نشاطِ جاں افروز | همه شب کام راندهٔ تا روز
با چنیں نیکوئی که من دارم | مزدِ شب شد هزار دینارم
گر بلطفم دهی کرم دانم | ورنه من[۲] خود بعنف بستانم
چوں[۳] از زیبناں بسے فسوں آورد | پورِ صرّاف را ز بوں[۴] آورد
در زد آں شوخ چنگ در دامن | خلق گرد آمده به پیرامن
باز میگفت هر یک از کم و بیش | سخنے بر قیاس و دانشِ خویش
حجتے کس چناں نداشت درست | که شود دعویِ مخالف سُست
ماندزاں گونه در عجب صیّاد | که ز صید خودش نیامد یاد
تیز[۵] شد طوطی هنر پرداز | داد صیادِ خویش را آواز
گفت کآں هر دو را بسوی من آر | تا بآسانی آید ایں دشوار
مردِ صیاد کآں حدیث شنود | هر دو را خواند پیشِ طوطی زود
در دویدند هر دو مشغله ساز | باز گفتند پیشِ طوطی راز
گفت کز هر دو سوی باشد عهد | که ز انصاف نگذرند بجهد
ماجرا را چناں شوم دستور[۶] | کیں غبار از میانه گردد دور

لـ۱ رـجب = گوئی لـ۲ س = از تو بزور لـ۳ جب = زن کز بنیاں لـ۴ اے عاجز و لاجواب کرد ۱۲ لـ۵ رـجب = طِره لـ۶ دستور یعنی ضابطه و آئین یعنی انصاف ایں مقدمه چناں بآئین کنم ۱۲

شرط و پیماں درست شد ز دو سوی | که کس از گفتِ او نتابد روی
طوطی آورد روی در صرّاف | گفت هاں بدرهٔ درم بشگاف
برشمار آں قدر که می گوید | تا چنانش دهم که می جوید
چار و نا چار مردِ سیم گذار | بدره را باز کرد بهرِ شمار
او درم ریخت از پئے تسلیم | سیمبر خواست تا رُباید سیم
گفت طوطی که ایں سخن نه راست | باید آئینه که گوید راست
کآنچه من دارم اندریں سینه | نیست اُستادِ من جز آئینه
داشت آں رشکِ خانهٔ جمشید[52] | یا خود آئینهٔ به از خورشید
در زماں بهرِ آں معائنه را | پیشِ طوطی نهاد آئینه را
مرغ گفت آنچه سیمبر درخواست | برشمارید پیشِ آئینه راست
چوں درم جمله در شمار آمد | عکس در آئینه بکار آمد
کرد اشارت بماهِ شکّروش | که ز ز را ینک در آئینه است بکش
کاں عمل کز خیال گشت درست | مزد نیز از خیال باید جست
زیں تحکّم که کرد طوطی ساز | ماند حیران نگارِ شعبده باز
در تماشاش خلق پشت[53] به پشت | لب گزیدند گاه گاه انگشت
گشت نظّارگی چناں بسیار | کز خریدار تنگ شد بازار

---

۵۱ حرس = قبلهٔ ۵۲ قبله جمشید کنایه از آتش و اینجا مراد ازاں زن شعله رو ۱۲
۵۳ انبوه خلایق که صف بصف و پس و پیش ایستاده باشد ۱۲

تا زِ صیاد هر چه افزون بود   نرخِ مرغ از قیاس بیرون بود

تا خبر شد بشهر کوی بکوی   زان شکرخای مرغِ شیرین گوی

حرمِ شه که بود با دلِ ریش   در وفاداریِ مسافرِ خویش

میگذشتش بکنجِ تنهائی   روزگاری بنا شکیبائی

غم همیخورد و غمگسار نداشت   مونسی جز خیالِ یار نداشت

چون خبر یافت کز نوادرِ دهر   اینچنین مرغ آمده است بشهر

کرد اشارت که خادمانِ حضور   زود نزدیکش آورند از دور

تا در آن بیدلی و بیسنگی[۲]   مونسی باشدش بدلتنگی

پیشوایان شتافتند چو باد   تا ستانند طوطی از صیاد

نقد قیمت بکف نهادندش   زانچه میخواست بیش دادندش

آوریدند بهرِ دستانی   طوطی را بشکّرستانی

با نوش پرسشی نمود و بگفت   او دُر افشاند و این گهر می‌سفت

با شکرلب بصد دل انگیزی   کرد شیرینی و شکرریزی

قفسش ساخت بانو از زرِ ناب   پس در آویختش بحجرۀ خواب

چون شدی زاندهِ فراق ملول   خویش را داشتی بدو مشغول

او بصد لابه در شدیش بپوست   رُفتی از وی غبارِ دوریِ دوست

---

[۱] جیب = شمار   [۲] بے وقاری ۱۲

بامدادے ز سازگاریِ بخت | بود تنہا عروس بر سرِ تخت
ہمچو خورشید تافتہ رویش | سایۂ ہم نبود پہلویش
مرغِ زیرک چو دید جا خالی | کرد پیدا نہانِ خود حالی
آفتے کز سرش بگردشِ دور | قصۂ خویش و فتنۂ دستور
واں گرفتن بجرمِ آہو جاے | سبزہ بر سبزہ گشتن آہو پاے
واں پریدن بدشت پیمائی | در صفِ طوطیانِ صحرائی
واں گزیدن بدامِ صید گراں | بندِ خویش و رہائیِ دگراں
واں در آئینہ وانمودنِ کار | سیم را کردنی بعکس شمار
تا بد اینجا کہ بختش آنجا برد | کہ دلش در سرِ تماشا برد[۱]
نازنیں چوں شنید گفتارش | خوں چکید از مژہ بر خسارش
خاست از پیشگاہِ تخت چو باد | بوسہ بر دست و پاے طوطی داد
گفت کاے ہمنشینِ دیرینہ | مرہمِ درد و راحتِ سینہ
ہیچ دانی کہ چند بردم[۲] رنج | تا ز رویت شدم سعادت سنج
وین زمانت[۳] کہ بامن ست نشست | نیز گوئی کہ نیستی در دست
جفتِ ہر یک بجنسِ[۴] وے باشد | آدمی جفتِ مرغ کے باشد

۱؎ رس = تمنا ۲؎ رس = دیدم ۳؎ اے ایں وقت کہ بامن نشستۂ نیز گویا در دست من نیستی چرا کہ تو در صورت طائر و من بصورت انسان ہستم ازیں سبب اکنوں ہم ہماں جدائیست ۱۲
۴؎ رسجب = ہر کس ز جنس

مرغ گفت آں در[۱] سرائے کہ دشمن بست | غم مخور کآں کلید نیز[۲] مرا ہست
چارہ آں شد کہ از دمِ تزویر | خویشتن را دہی برائے وزیر
گوئی او را کہ ہر چہ داری کام | بیکے شرط زآنِ تست تمام
آنکہ جانِ عزیز ہر زمنے | چوں ہمی ریزی از تنے بہ تنے
زیں فسوں دم دہی بدانا نش | کہ برآری ز کالبد جانش
قالبِ مردہ پیشش اندازی | تا شود ہمدمش بدمسازی
او چو بیروں رود ز خانۂ خویش | من درآیم در[۳] آشیانۂ خویش
نازنیں کیں نوید جانی یافت | مردہ گوئی کہ زندگانی یافت
چوں درآمد بوقتِ خود دستور | تا کند ماہ را نظارہ ز دور
خاست سرورِ رواں ز گوشۂ تخت | جاے دادش بنزدِ خویش چو بخت
گفت دستور خیر ہست کہ دوست | با من امروز مغز گشت بپوست
بچہ خدمت چنیں بلند شدم | کہ بدرگاہت ارجمند شدم
کرد زیبا نگارِ حیلت جوے | بہ تکلف چو شرمساراں روے
گفت بنو کنوں قرار مرا | کادبت[۴] کرد شرمسار مرا
باز دیدم بدانشش آگاہی | روشنم شد کہ تو ہماں شاہی
لیک یک آزموں دگر دارم | تا ز دل زنگِ شبہ بردارم

---

[۱] حس = درم [۲] جب = ہست بدست [۳] حجب = بآشیانۂ
[۴] کادبت یعنی ادب تو ۱۲

آزمون آنکه آن مسافرِ چیست — داشت افسونِ نقلِ روح درست

بفسونے ز خود برون رفتی — در دگر کالبد درون رفتی

آنچه بایستی اندرو بودی — باز ره سوے خانه پیمودی

گر ز تو بینم آن چنان هنرے — تو شهی خاک بر سرِ دگرے

من همان بنده ام بجانِ عزیز — خواهیم جفت ساز و خواه کنیز

خواجه کش در دل این تمنا بود — کآرزومندِ یک تماشا بود

چون کلیدِ خزانه یافت بچنگ — از پئے گنجِ سیم شد بے سنگ

پاسخش داد کآنچه فرمان ست — راضیم گرچه حکم بر جان ست

چه متاع ست جانِ خاک وشم — کز دل و دیده پیشِ تو نکشم

باتو کو را هوائے دمسازی ست — بازیِ جانش کمترین بازی ست

گو بیارند زود جانورے — تا نمایم نظارهٔ هنرے

نازنین جست خود ددید چو باد — مرغ آورد و پیشِ خواجه نهاد

خواجه کشتش و لے بهنجارے — که نیاید بقالب آزارے

وانگهه آهسته در فسون آمد — بفسون از جسد برون آمد

رفت در مرغ و مرغ جست ز جاے — تن بجان در او فتاد ز پاے

چون تهی دید شاه قالبِ خویش — سبک آمد فرو ز مرکبِ خویش

رفت در هفت منظرِ جانی — پنج نوبت زنان بسلطانی

در زمان مرغ را بخنجر کشت — کشته را بین که بار دیگر گشت

جفت خود را در آن وفاداری — کرد چون مخلصان هواداری

بس گرایش کرد مهر افزود — زان گرامی ترش که اول بود

قدر او آنچه داشت افزون کرد — دیگران را ز خانه بیرون کرد

بعد ازان زان وفا که داشت بدوست — طوطیان را گرفت در دل دوست

کرد حکمت بطوطیان تعلیم — سکهٔ طوطیان نهاد بسیم

چند طوطی همیشه با خود داشت — خویشتن را ز جنس شان پنداشت

کرد چون طوطیان بستانی — پای تا سر لباس ریحانی

سبز ریحانی است رنگی نغز — داد بیننده را طراوت مغز

سبزه در باغ رنگ ریحان یافت — دیده از سبزه روشنی زان یافت

شاخ ریحان طراز نسرین ست — باغ را زیور از ریاحین ست

گلعذاری که خار خار دل ست — خط ریحانیش بهار دل ست

چون صنم مست کرد پنهانی — شاه را زان شراب ریحانی

شه فرو خفت و یار زیبا هم — همچو ریحان و یاسمن باهم

گلگشت بهرام در سه شنبه سوی بهشت پنجم و گل افشادن در گنبد گلناری با گلعذاران تاتاری گلاب گل کرده از بلبله نوش کردن

در سه شنبه که صبحِ لعل و سپید ق رنگِ گلنار بست بر خورشید

شاهِ بهرامِ گور چوں بهرام[۵۱] گشت گلنارگوں بجامه و جام

عزمِ گنبد سرائے گلگوں کرد وز دل اندوهِ دهر بیروں کرد

لعبتِ تنگ چشمِ تاتاری آمد از غمزه در جگر خواری

بر میاں بست کرد گیسوے تر موی[۵۲] راهم ز موی ساخت کمر

خدمتِ شه بآرزو میکرد شاه میدید و آرزو می خورد

همه روز آں طرب مهیّا بود کشتیِ باده همچو دریا بود

شب چو پروین نمای گشت سپهر ماه بر خویش بست زیورِ مهر

داد فرماں خدایگانِ سریر کاید آں ماه روی در تقریر

بفسوں در[۵۳] فسانه چو نبات مغزِ شه ترکند بآبِ حیات

سجدهٔ بندگی نمود عروس کرد طوطیِ لب چو خون[۵۴] خروس

گفت جاوید زی بدولت و بخت زیرِ پایت همیشه پایهٔ تخت

سر که گرد ز دوستیِ تو پاک باد در پاے دوستانِ تو خاک

چه بضاعت مرا بود در بار که کشم پیشِ شاهِ گیتی دار

لیک چوں شاه داد دستوری واکشایم دمے بمعذوری

---

۵۱ بهرام یعنی مریخ که سرخ بر فلک پنجم تابد ۱۲ وازکمر کمربند که بهندی آنرا پیٹکا نامند ۱۲

۵۲ مراد، ز موے اوّل کمر واز ثانی موے زلف

۵۳ حجب = و [illegible] ن = چشم

کرد چوں عذر خواہی از حد بیش   ق   گفت وقتے ز وقتہا زیں پیش

غنچہ کشادنِ بہارِ گلرو از بادہای خوش و بلبل وار افسانۂ عاشقانہ گفتن

پنج یارِ ہنرشناس و جواں	از حد مولتاں شدند رواں
زاں یکے بود بادشہ زادہ	از بزرگی بخوردی افتادہ
پورِ بازارگاں بُد آں دگرے	مایہ بیش و قماش بیشترے
سومیں بود نقب گیری چست	کآہنش پیچ کوہ کرد سُست
شخص[۲]ِ چارم درو دگر اُستاد	موشگافے بہ تیشۂ فولاد
پنجمیں بود[۱] باغبانِ شگرف	کہ بگل یافتے حکایت و حرف
پورِ بازارگاں بلطف و نواخت	گاہ بیگاہ برگِ شاں بیساخت
ہمہ با ہم موافق و دمساز	در حدِ کامرو[۳] شدند فراز
کارواں زاں زمینِ مشک سرشت	سوی شہرے گذشت ہمچو بہشت
در سوادے بتازگی چو بہار	خیمہ برکرد کارواں سالار
واں جوانانِ نغزِ کام بگام	می نمودند گردِ شہر خرام
بتماشاے باغ و سبزہ و جوی	قدمے میزدند سوے بسوے

---

[۱] جب = بود   [۲] ح = شخص   [۳] کامرو: لا یتے ست در اقصاے بنگالہ ۱۲

تا تماشا کناں درآں پروانہ	سوی بتخانہ شدند فرزانہ
منظرے بود برکشیدہ بلند	چشم بندِ ہزار صورت بند
نقشبندانِ باوفاے فرہنگ	نقشِ ہائی تراش کردہ زسنگ[51]
ہر نگارے چناں بزیبائی	کہ درو خیرہ گشت بینائی
نقش بیناں کزاں طرف راندند	در تماشاے او فرو ماندند
زانہمہ نقش ہائے جاں آویز	گشت در پیکرے نظرہا تیز
کہ بحسن از قیاس بیروں بود	وز دگرہا بصنعت افزوں بود
از نگارے نمونہ پیکرِ او	کامرانی[52] نوشتہ برسرِ او
بت کزاں ماہ رونشانی داشت	ماہ رو نام کامرانی داشت
در زبانہاے ہندواں بہ سخن	کام عشق[53] آمدہ است رانی زن
در تماشاے او[54] بہ زیبائی	خیرہ می گشت نورِ بینائی
چشمِ بینندگاں درآں پرکار	ماند حیراں چو صورتِ دیوار
بیخودی در دماغِ شاں رہ یافت	عاشقی دستِ صبر کوتہ یافت
ہیچ دل گرچہ بے غبار نہ بود	لیک شہزادہ را قرار نہ بود
زلفِ شب تا حجابِ نور نگشت	چشمِ او زاں نظارہ دور نگشت

---

۵۱ ب = بسنگ　　۵۲ برسرآں بت سنگی لفظ کامرانی نوشتہ بود ۱۲

۵۳ یعنی بزبان ہندواں کام عشق را و رانی زن را می گویند ۱۲

۵۴ ج ب = ز

شب چو بتخانهٔ سپہرِ کبود — صد ہزاراں[1] بت از ہوا بنمود

خواستند آں مسافرانِ ملول — کہ خراماں شوند سوئے نزول

ہمہ را دل بسوئے منزل بود — جز ملک زادہ راکہ بیدل بود

گفت مارا شد اختیار ز دست — وائے وستے کہ رفت کار ز دست

نقشِ ایں سنگ دل ز دستم برد — شد بریں سنگ شیشۂ من خرد

تا نیفتاد[2] جانِ من بہ زوال — جانِ من بعد ازیں و این تمثال

یا دریں نقش گم شود نفسم — یا بپر[3] کارِ اصل باز رسم

ہمرہاں زیں حدیثِ بی سروپائے — بی سروپا شدند ہم بر جائے

پند دادند و جائے پند نبود — ہرچہ گفتند سودمند نبود

عاشقی چوں ز دل برآرد جوش — در نگنجد نصیحت اندر گوش

ہمہ زاں داوری زبوں ماندند — واندراں بقعہ شب دروں ماندند

واں گرفتارِ سنگ بادلِ تنگ — چشم برہم نزد چو لعبتِ سنگ

صبح چوں پردہ برجہاں بدرید — جامہ برخود چو عاشقاں بدرید

ماند عاشق ز خوردنی بے بہر — ہمنشیناں رواں شدند بشہر

تا بجویند کار وانے چیست — کیں گرہ را کلید واند جست

کوی بر کوی میشدند شتاب — سینہ پر آتش و دو دیدہ پر آب

---

[1] انجمہائے فلک ۱۲ [2] اے تا وقتیکہ جان من نیفتد یعنی مرگ نمی آید ۱۲

[3] حاصل بیت اینکہ یا بمیرم یا از وصل شاہزادی لذت گیرم ۱۲

آں چناں شہر چوں بہارستاں — نزدِ شاں[1] می نمود خارستاں

ازکساں بازجست[2] می کردند — رازِ صورت درست می کردند

تا درآں جستجو کہن پیرے — داد شاں را کلیدِ تدبیرے

گفت کاں صورتِ چو گلشنِ تر (ق) — کہ چو لالہ ز سنگ بر زدہ سر

نسخۂ[3] نازنینِ ایں شہرست — کز خش چشم خلق بے بہرست

غرفۂ کردہ اند از[4] یک چوب — ہم ز آسیب دور ہم ز آشوب

او درآں مہدِ آسماں پیوند — چوں ستارہ بر آسمانِ بلند

کس نہ پہلوی آں بہشتی روی — جز کنیزے دونا رسیدہ بشوی

چوں ملک فارغ آید از ہمہ کار — عیش را نزد باں نہد بحصار

قلعہ گیرد[5] بہتِ حصارے را — گل چیند باغِ نوبہارے را

بادہ نوشد نشاط فرماید — خُسپد و خیزد و فرود آید

گل فروشے ست زیرِ منظرِ شاہ — کہ رود سوی آں چمن گہہ گاہ

گل برد پیشِ سرو بنشیند — گلِ دیگر ز باغ بر چیند

رازِ ایں پردہ زآشکار و نہفت — داند امّا بروں نیارد گفت

گر بود رہ با آشنائیِ او — او برد رہ بروشنائیِ او

---

۱ حجب = پیش شاں ۲ تلاش وتفحص ۱۲ ۳ ایں: از نسخہ مراد نقش تصویر شاہزادی ۱۲

۴ حجب = بر ۵ اے تنگ در بغل می گیرد ۱۲

آں جواناں برہمنوے پیر باز جستند رخنۂ تدبیر

پُرس پُرساں برو فراز شدند چارہ جویاں بچارہ ساز شدند

در نہاں باوے آشنا گشتند پس بدنبالِ ماجرا گشتند

پورِ بازارگاں چنانکہ تواں سیم میریخت ہمچو آبِ رواں

گل فروش از عطای رود ررو برگ چوں گل نہادہ تو بر تو

چوں یقیں گشت شاں کہ پنہانی بندہ شد زال زاں زر افشانی

باغباں زادۂ ہنر پیوند بنہ[1] در باغِ گل فروش افگند

او ہمہ روز گل بگل بستی[2] ویں ز بہر نظارہ بنشستی

گل فروش آں بنازنیں بردی گلشنے پیشِ یاسمیں بردی

آں ہنر گرچہ بود از حد بیش راز بیروں ندادی از حدِ خویش

تا یکے روز فرصتی دریافت از بسے گل[4] نمونۂ بر[3] یافت

ہر نمط زاں نمونۂ زیبا نقش[4] در نقش بست چوں دیبا

داد کیں تحفۂ جہاں افروز ببر آنجا کہ می[5]روی ہر روز

گل فروش آں بسروِ بستاں برد گلستانے سوے گلستاں برد

چوں کہ آں نوبہارِ باغِ جناں صنعتِ گل ندیدہ بود چناں

---

[1] بنہ بمعنی درخت و بیخ درخت ۱۲
[2] اے گل دستہ ساختے ۱۲
[3] طیار نمود ۱۲
[4] حجب = بر
[5] ح = می بری

در تماشاے آں زبر تا زیر | ماند انگشت در دہن تا دیر
پس بدو گفت کیں نگارش چیست | نیست زانہا کہ کردۂ بنجست
زانکہ زینگونہ دستکارِ عزیز | از تو ناید ز ہیچ مردم نیز
کیست کیں گل نگار کردۂ اوست | چیست رازی کہ آں بپردۂ اوست
پیرزن گفت کارِ کارِ من ست | ویں گلستاں ہم از بہارِ من ست
از گلے گلشنے کنم درخورد | بجز از من دگر کہ داند کرد
نازنین گفت اگر زتست ایں ساز | تو بکن پیشم آنچہ کردی باز
کارہا چوں بآزموں آمد | کارپرداز زاں زبوں آمد
گفت کز راستی چو نیست گزیر | راستی را بروں دہم ز ضمیر
میہمانِ من ست برنائے | بغریبے رسید از جائے
ہنرش از شمار بیشتر ست | ویں کہ بینی فروتریں ہنرست
بمروّت نگارِ شکّر خند | ریخت در دامنش درستی[1] چند
گفت چوں رہ بری بیاریِ او | ایں دہی مزدِ دستکاریِ او
پیرزن بازگشت خرّم و شاد | دستِ مزدِ ہنر جواں را داد
سینۂ باغباں چو گل بشگفت | رفت وایں ماجرا بیاراں گفت
آں وفاپرورانِ با فرہنگ | چوں سرِ رشتہ یافتند بچنگ

---

[1] درست بضمتین بمعنی اشرفی ۱۲

خلوتے ساختند و شب کردند | مادرِ پیر را طلب کردند

اوّل از زر دهانش بربستند | بعد ازاں مهرِ راز بشکستند

بیش و کم هرچه بود در دلِ ریش | بازگفتند یک یک از کم و بیش

بتِ سنگین و عاشقِ بے ننگ | قصّۂ دردمندیِ دلِ تنگ

پیرزن کین حدیث کرد بگوش | آمد از بیمِ خویش اندر جوش

گفت لب زین سخن بباید دوخت | دل بسودای خام نتواں سوخت

گنبدے کاندراں بتِ سنگ ست | غلغلش تا هزار فرسنگ ست

کس دراں سنگ یکدمی ننشست | که نیاید بزیرِ سنگش دست

واں بتِ[۵۲] سیم کش ندید کسے | سنگدل تر ازاں بت ست بسے

ریخت صد خونِ بیدلاں بهوس | که فسونے نیامدش برکس

هرکه گیرد درونِ شهرش نام | در زمانش زباں کشند زکام

سخنے کز خطاست پیوندش | نیک بنود گشادن از بندش

آں جواناں دگر بصد زاری | تازه کردند رسمِ دلداری

ریختندش خزانه یکبار | بیشتر زانچه بود اوّل بار

گل فروش از چناں نوازشِ گرم | سرنگوں ماند چوں بنفشه ز شرم

---

۵۱ جب = بداں   ۵۲ یعنی آں معشوقه که هنوز کسے او را ندیده از تصویرِ سنگیِ خویش سنگدل و سخت تر ست ۱۲

گفت من کز برای نیمی دانگ | گرد هر کوی میزنم گلبانگ

لطفِ تان[1] مایه داد چندانم | که عدد کردنش نمی دانم

چون نوازش ز حد فزون آمد | شکرِ آن هم ز حد برون آمد

بهرِ آن کار کین عطا ستدم | جان فشانم که خون بها ستدم

گر برآید وگر نیاید کار | من یکے از شما شدم ناچار

یا در آرم سرش بچنبرِ خویش | یا ز چنبر برون کنم سرِ خویش

باغبان گفت گر پذیری راست | از توام نیست بیش ازین درخواست

کانچه گل می بری بسروِ بلند | صنعتِ دستِ من بدو پیوند

تحفهٔ من بدو فراز رسان | هر چه گوید بیا و باز رسان

پیرزن گفت کین حدیث که بود | تو چه فرمائیم که او فرمود

بامدادان که گل بباغ شگفت | غنچه بیدار[2] گشت و نرگس خفت

گل طلب کرد مردِ گل پیراے | شد ز گلدسته بند نافه کشاے

کرد از گل نمونهٔ پرگار[3] | نقشِ آن بت که دیده بر دیوار

نامِ او نیز بر سرش بر بافت | نقش و عنوان بنامه در خور یافت

پس فسونے برو دمید چنان | که نسیمش ز دست برد عنان

---

[1] تان یعنی شما ۱۲ [2] مراد از بیداری غنچه طلوعِ آفتاب و از خفتن نرگس غروب ماهتاب و ستارگان ۱۲ [3] نغز و خوب ۱۲

تحفه چوں شد بماهِ تحفه شناس — حیرتش باز شد بروں زقیاس

نقشِ خود دید و نام خود برخواند — درخود و نامِ خویش حیراں ماند

دردِ ماغش چو راه یافت نسیم — گشت جانش زعاشقی بدو نیم

شورشے در دلش دروں اُفتاد — دلش از خویشتن بروں اُفتاد

گفت باگل فروشِ مہرآمیز — کاے ہمہ صنعتِ تو مہرانگیز

چہ گل ست ایں کہ دل زدستم برد — تیرِ اندیشہ راز شستم برد

آنکہ بست ایں نمونہ برگلِ نو — کرد جانم بدستِ فتنہ گرو

یکرہ اینجا رساں بہنجارش — تا تماشا کنم بدیدارش

پیرزن گرم دید چوں بازار — مرہمے تازہ یافت برآزار

باپری وش زباں بافسوں کرد — واں سخن راسخن دگرگوں کرد

گفت کای آفتابِ دلخواہاں — ق آرزومندِ روی تو شاہاں

کے سزد چوں تو دلربائے را — کہ بردنامِ ہرگدائے را

نازنیں راکہ دل قرار نداشت — ایں سخن راجوے بکار نداشت

پیرزن ہرچہ می نمود گریز — روغنے[١] میزدش برآتشِ تیز

تابداں شعلہاے دم پرورد — پختہ کرد[٢] آنچنانکہ باید کرد

پس بہ پیمان وعہدِ محکم وچست — گفت رازِ نہفتہ رابدرست

١؎ حجب = واز ہموں　　٢؎ حجب = کردش چناں کہ

حالِ بے سنگیِ دو سہ ہمدست | ماجراے غریبِ سنگ پرست
کآتشے جست سو بسوزاں سنگ | کہ ز دودش بسوخت صد فرسنگ
شعلۂ زود در آں جواں افتاد | کہ شرارش در این و آں افتاد
تو توانی بپاسخے چو نبات | کآتشے را کشی بآبِ[1] حیات
پاسخش داد ماہِ سیم اندام | ق | کای چو من آہوے گرفتہ بدام
بس ہزبراں کہ شیر نخچیر اند | بر درِ من چو سگ ہمی میرند
پیش ازاں کز دماغِ سودائی | پردہ[2] بالا کنم برسوائی
پردہ ساز کن دریں مستی | بو کہ دستے زنم بہمدستی
پیر زن زیں نواے سینہ نواز | پائے کوباں بخانہ آمد باز
مژدۂ خوش دلی بیاراں داد | بر سرِ کشتِ خشک باراں داد
ہر یکے شادمانیِ نو یافت | پیر زن خود جوانیِ نو یافت
باز باہم بچارہ پردازی | ساز[3] کردند رسمِ دمسازی
ہمہ گفتند پیشِ مادرِ پیر | ق | آنچہ از گفتنش نبود گزیر
کز متاع و خزینہ و اسباب | ۲ | وز ہنر ہرچہ باید از ہمہ باب
ہمہ داریم تا بداں مقدار | ۳ | کز وے آساں شود ہمہ دشوار
لیکن ار دوست بارضا باشد | ۴ | واندریں کار یارِ ما باشد

---

[1] اے آتشِ عشق را بآبِ وصال کشی ۱۲ — [2] پردہ بالا کردن فاش نمودن ۱۲
[3] نب = تازہ

نکند قصدِ ما بحیله گری ۵ پرده پوشی کند نه پرده دری

پیرزن باز شد بانو زود گفتنی هرچه بود گفت و شنود

چون بناهاے عهد محکم کرد وز دل آشوبِ فتنه را کم کرد

بازگشت و دل از سخن پرداخت گفت سازید هرچه باید ساخت

میهمانان ز مهربانیِ دوست بر شگفتند همچو گل در پوست

شب فراهم شدند روے بروے مشورت ساختند موے بموے

باز گفتند هر یکے کم و بیش هنرِ خود بقدرِ دانشِ خویش

باغبان گفت کز دلِ دمساز هرچه میداشتم نمودم باز

وآنچه دیگر دهید فرمانم کنم آن هم چنانکه بتوانم

نقب زن گفت خاک را نهفت ق زیر زیرآبخاں توانم سُفت

کآں ستونے که سر کشیده بماه ور تهِ آں ستون کشایم راه

تیشه زن رو بنقب گیر آورد شرح داد آنچه در ضمیر آورد

گفت اگر نقبِ تو رسد بستون در ستون من روم بحیله درون

گفت بازارگانِ دریا دل ق که چو ما را یکیست دل با دل

از شما رنج بردن اندر کار وز من افشاندنِ زر و دینار

کمر از بهرِ کار چست کنیم سکهٔ دوستی درست کنیم

یا همه مال و جان دهیم بباد یا رسانیم دوست را بمراد

ہم بدین اتفاق و رای صواب	شب نہادند سر ببالین خواب
چون زنقبِ زمین بر آمد مہر	کرد بیرون سر از رواقِ سپہر
خاست بازارگاں بعزمِ درست	وز پئے کار کرد دامن چست
مدتے کار را بآب وگل پرداخت	واندراں کوی[۱] خانۂ نو ساخت
خاکش از بوی خوش[۲] عبیر سرشت	صحنش از خرمی چو باغِ بہشت
گونہ گوں صفہ[۳] گونہ گونہ رواق	تا فلک برکشیدہ طاق بطاق[۳]
حجرہ در حجرہ بیت[۴] اندر بیت	رازِ آں کس بروں نبرد کہ چیست
چوں عمارت بلند گشت تمام	کام جویاں شدند در پئے کام
در یکے حجرہ کاں درونے بود	ق راہِ او سوے رہنمونے[۵] بود
نقب زن بازوے ہنر بکشاد	خانہ را در ببست و سر بکشاد
کردہ تا بجاے گاہ رسید	زیر زیرِ زمیں بماہ رسید
گِل بپولاد می تگافت چناں	کہ ز اندیشہ میر بود عناں
تا رسانید نقب را بدرست	در ستونے کہ دست گہ می جست
داد نوبت بمردِ چوب تراش	تا کند چوب را درو نہ خراش

[۱] اے در آن کوچہ کہ قریب ستون ماہر وبود یک مکان تعمیر ساخت ۱۲ [۲] ج = گل

[۳] طاق بطاق اے متعدد و متواسے ۱۲ [۴] گویند کہ بست در بست نقشی ست کیمیا اثر واز عاملان کامل الفن کسے او را امید اند و راز او سر مکتوم ست ہمچنیں حجرہا در آں قصر نو قرار دادہ بود کہ ترکیب آن بفہم مردماں نمی آمد ۱۲

[۵] اے راہ او سوے آں ستون بود کہ مطلوب شاں بود ۱۲

رفت در رخنهٔ تیشه زن حالی | تا بصنعت ستون کند خالی

آهنِ تیز را بکار آورد | چوب را دل به خار خار آورد

نقش در مغزِ چوب زانسان بست | که بر آن گونه نقش نتوان بست

اوّل اندر ستون گشاد درے | پس بهر تخته کرد نو هنرے

نردبانے درون درون تا بام | پایه بر پایه راست کرد تمام

چون بدان پایه شد هنر پرداز | ق | که گشاید ز سقف روزنِ راز

بازگشت وز حجره[1] بیرون راند | ماجرا پیشِ پیرزن برخواند

گفت رو پیشِ ماهِ سیمبران | بیں که عهدی که کرده هست بر آں

گر بر آں گفته هست ثابت راے | گو ز نامحرماں تهی کن جاے

تا گشائیم روزنِ مقصود | ورنه لب را به بند و باز آ زود

پیرزن رفت و شد مزاج شناس | وقت خوش دید دور کرد هراس

چون بناهاے عهد محکم بود | ق | وانکه در خانه بود محرم بود

لکدے زد بر[2] وے روزن سخت | که گشاد از درون دریچهٔ بخت

نازنین چون نگاه کرد ز بام | آمد از زیر تیشه زن بسلام

پاسخش داد کای ز دانشِ خویش | ق | درخورِ صد هزار تحسین بیش

با چنین دستکاری که تراست | عذرِ دستت چگونه دانم[3] خواست

---

(۱) حنب = حفره (۲) حنب = فراز (۳) نب = یارم

گر نهی دل بمهمانے من | بهره یابی ز میزبانے من
در بهم صحبتان گرائی باز | من خود آیم بوقتِ خویش فراز
پاسخش داد مردِ شیریں کار | ق کاے سمن عارض و شکر گفتار
گرچه تو زاں کرم که می دانی | ۲ میهمانِ خودم همیخوانی
لیک بر چیں زدیگراں دامن | ۳ کآشناے تو دیگرست نه من
چوں دو عاشق شوند باهم جفت | من دعائے زدور خواهم گفت
ایں سخن گفت و باز گشت ز پیش | وآمد از رخنه سوئے منزلِ خویش
نازنیں کرد رخنه را سر سخت | بر فرازش نهاد جامه و رخت
پس زمیلِ درونه[۱] کرد رواں | پیرزن را بسوے سروِ جواں
دادش انگشتریِ خاص ز[۲] دست | کیں سلامم[۳] رساں بعاشقِ مست
گو من امشب در انتظارِ تو ام | دوست نادیده ـ دوستدارِ تو ام
اگر آئی[۴] چو خواجگاں بکنیز | بنده ام پیشِ میهمانِ عزیز
گلفروش از خوشی چو گل بشگفت | رفت و ایں قصه[۵] را بیاراں گفت

---

[۱] در فارسی میل دیر وزن پیل میخ آهنی یا مسی که بر سر گنبد نصب کنند یا منار که بجهت علامت فرسنگ در راه سازند الا درین شعر از میل درونه مراد آں راه مخفی که در جوف همان ستون ساخته بوده ۱۲

[۲] جب = بدست [۳] ح = سلامے

[۴] جب = گر بیائی ح = گر گرائی

[۵] جب = ماجرا

سوئے عاشق دوید یارے زود | بُردش از دوست مژدۂ مقصود

چوں بگوشِ وے ایں سخن در شد | بے خبر بود بے خبر تر شد

ماند حیراں درآں حکایتِ نغز | جوشے از دل ورا و فتاد بمغز

خاست چوں بیدلانِ جاں[۵۱] دادہ | دلِ دیوانہ را عناں دادہ

پائے کوباں بوجد وحال آمد | درنہاں خانۂ[۵۲] وصال آمد

خانہ دید چوں بہشتِ ارم | در و دہلیز و بارگاہ و حرم

اولش سوئے حجرۂ بردند | درنوا سازیش پے افشردند

غسل دادندش از گلاب و عبیر | تازہ کردند کسوتش زحریر

وانگہے ہرچہ باید از ہمہ باب | پیش بردند نان و نقل و شراب

وآنطرف رفت پیرزن بنہفت | گفت بابانو آنچہ باید گفت

پیش[۵۳] ازاں آں غزالِ مست[۵۴] دلیر | خواب خرگوش دادہ بود بشیر

کہ ہمی خواہم از طریقِ نیاز | درِ طاعت زنم بہ پردۂ راز

امشب آں بہ کہ باشی از من دور | در بوم دور داریم معذور

باورش داشت شاہِ سادہ ضمیر | رفت وبگذاشت سرورا بہ سریر

شب چو با آسمان قرینی کرد ق | ماہ با زہرہ ہمنشینی کرد

---

۵۱ اے عاشقان فدائی ۱۲ ۵۲ مراد از تعمیر و قصر نو ۱۲ ۵۳ عجب = پیش آں خود غزالہ

۵۴ مراد از غزال مست بانو و از شیر پادشاہ یعنی پیش از آمدن پیرزن ماہر و پادشاہ را از فریب جاے دیگر بخواب نوشش غافل کردہ بود ۱۲

نازنین باز کرد روزنِ خواب | تا ز روزن درآیدش مهتاب

نردبان دور کرد و در[۱] ها بست | درِ پوشیده را کشاد و نشست

پاسے از شب چو برگذشت بہ دیر | در چراگاہِ آهو آمد شیر

دو مه[۲] از پرده روشنائی داد | دو دل از دوستی گوائی داد

آنکه نادیده دل بهم بستند | هر دو نادیده وار پیوستند

جانِ عاشق که روی جانان دید | تشنه گوئی که آبِ حیوان دید

در کنارآنچنان کشیدش تنگ | که طبرخون[۳] شدش نهالِ خدنگ

چاشنی خواست اوّل از می[۴] و شیر | پس جدا کرد حلّه را از حریر

پسته را بر شکر خراج نهاد | میل در سرمه دانِ عاج نهاد

همه شب تا بگاهِ بانگِ خروس | گردنِ شاه بود و زلفِ عروس

صبح چوں برکشاد روزنِ نور | شد ز هر روزنے سیاهی دور

ماند ماهِ چہارده در کاخ | اژدها باز رفت در سوراخ

روزِ دیگر که خانه شد خالی | عیشِ دوشینه تازه شد حالی

هم بر ینساں بوقتِ فرصتِ کار | گرم بود آں دو[۵] فتنه را بازار

گاه شه بر شدی بروزنِ ماه | گه مه از روزن آمدی سوی شاه

---

[۱] حجب = در بربست [۲] دو مه یعنی ماهرو و شاهزاده ۱۲ [۳] طبرخون بید سرخ و درد ار چو بیست سرخ رنگ تلخ مزه و در مجموع اللغات و فردوس اللغات یعنی صندل سرخ ۱۲ [۴] از مے مراد لب و از شیر پستان حاصل بیت اینکه بعد بوس و کنار از وصال محبوبه لذت اندوز شد ۱۲ [۵] مراد از عاشق و معشوق ۱۲

چوں بدیں گونہ رفت روزے چند | گشت محکم دو دوست راپیوند
بادشاہ زادہ گفت بایاراں | کآفریں برشما وفاداراں
کز رہِ لطف ہر یکے آں کرد | کہ ہمہ عمر شرح نتواں کرد
پختہ گردید کارِ من چو تمام | باز کوشید تا نگردد خام
پیشتر زانکہ پردہ را بدریم | برویم و عروس را ببریم
گفت بازارگاں کہ دل خوشدار | جگرِ دشمناں برآتش دار
ماکہ بہرِ ترا بچندیں جہد | پردہ برماہ برزدیم زمہد
تانہ دانی دریں خجستہ سواد | رخت بندیم بے متاعِ مراد
نسزد نیز رائے والارا | کہ بدزدی بریم کالارا
آنگہے برزما بمردی نام | کہ بمردانگی کنیم خرام
آشکارا نشاط گاہ کنیم | ماہ رامیہمانِ شاہ کنیم
گنج راچوں بمار بنمائیم | مار مائیم[۱] و گنج برباِئیم
شب بدیں اتفاقِ خوش خفتند | روز راقصّہ باصنم گفتند
نازنیں گفت آنچہ فرماں ست | کنم ارخود[۲] حدیث برجاں ست
ماجراچوں درست شد باماہ | رفت بازارگاں بحضرتِ شاہ
برد ہرجنسِ قیمتی چنداں | کہ شہ انگشت ماند در دنداں

---

[۱] اے بگذاریم ۱۲   [۲] انچہ فرماں ست بجاخواہم آورد اگرچہ دردخطرۂ جاں باشد ۱۲

گفت چندین متاعِ گوهر و گنج ق که نیاید بوهم گوهر سنج
پیشکش کردن از برای چراست — خواست باید هر آنچه باید خواست
گفت بازارگاں که بختِ بلند — باد ز اقلیمِ شاه دولتمند
من که بازارگانِ شهرِ خودم — واندریں ره رواں ز بهرِ خودم
هر کجا ره گرفتم از پئے سود — سودِ من صحبتِ بزرگاں بود
کشورے را که زیرِ پا کردم — میرِ آں کشور آشنا کردم
دید چوں میہماں پرستیِ من — گشت مہماں بزیر دستیِ من[۱]
هم بداں بندگی ست میلم باز — که شود رنجه شاهِ بنده نواز
شاه چوں دید گرم خوئیِ او — شرمش آمد ز مہر جوئیِ او
گفت رَو کُن هر آنچه دانی ساز — که من آیم گہے که خوانی باز
میزباں باز شد بخانهٔ خویش — کرد ترتیبِ آشیانهٔ خویش
داشت در خانهٔ نشاط سرشت — هفت منزل[۲] بسانِ هشت بهشت
از یکے زاں خجسته بزمے ساخت — که دلِ زهره ز آسماں پرداخت
چوں شب آمد بمجلس آرائی — جام بر داشت چرخِ مینائی
رفت مردِ گشاد پیشانی — داد شه را صلاے مہمانی
نُقل و مے یک بیک مہیا کرد — خانه از موجِ دُر چو دریا کرد

---

[۱] اے باوجود زیردستی من میرِ آں کشور مہمانم گشت ۱۲   [۲] جب = منظر

شاہ بایک دو خاصگانِ حضور — حاضرِ بزم گشت با دستور

شب فروہشت پردۂ ظلمات — بادہ در وی رواں چو آبِ حیات

بانگِ طنبورِ خرگہے[۵۱] در گوش — می ربود از دماغِ مستاں ہوش

چوں شد از جوشِ بادہ سرہا خوش — گشت ہر دل کشاں بہر دل کش

ماہِ بالانشیں فرو خوانند — قصہ در گوش او فرو رانند

راست کردند تا بہ نیم شباں[۵۲] — پیکرش چوں خیال بو العجباں[۵۳]

شاہدِ دلفروز و دیدہ نواز — شد خراماں بصد کرشمہ و ناز

ہم بدانساں کہ در شب آید ماہ — فرق تا پاے در حریرِ سیاہ

غمزہ غارت کنِ خردمنداں — تشنۂ خونِ آرزومنداں

روئے خوبش کہ بے نقاب بود — در شبِ تیرہ آفتابے بود

شد بگفتار آں طرب سازاں — ساقیِ بزمِ شاں خوش و نازاں

چوں درآمد پیالہ برکفِ دست — ہر کہ دیدش خراب[۵۴] گشت نہ مست

شاہ را کآمد آں صنم در پیش — ق — گم شد اوّل در و پس اندر خویش

---

۵۱ طنبورِ خرگہے قسمے از طنبورہ است کہ او را آہستہ می نوازند و آواز بلند نمی دہد ۱۲

۵۲ در شباں الف و نون زائد است چنانکہ بامداداں و بہاراں ۱۲

۵۳ مراد از شعبدہ بازاں و بازیگراں یعنی تا نیم شب از زر و زیورہا چوں شعبدہ بازاں پیکر ماہرو راست کردند ۱۲

۵۴ گویند کہ مستی چند مرتبہ دارد اوّل سرخوش دوم تردماغ سوم سیہ مست چہارم خراب و ایں انتہاے مرتبہ مستی ست کہ شخص از خود گذشتہ باشد ۱۲

گفت یارب که این همان ماه است — یا دلم کور و عقل گمراه است

اگر این اوست کے دلیر آید — ماه کے[1] ز آسمان بزیر آید

وگر او نیست خود چنین ماهے — زیبد اندر بر چو من شاہے

عاقبت چوں دلش قرار نکرد — خاطرش ترکِ خار خار نکرد

محرمے پیش جست و کرد رواں — تا کند جستجوی سروِ جواں

او از آنجا دوید ہمچوں باد — ویں ازیں سو قدم بحجره[2] نهاد

رفت در کاخ و جامه دیگر کرد — رخنه بربست و سر به بستر کرد

چوں فرستاده در رسید شتاب — ماه را دید در نہانی خواب

باز شد تا خبر بشاه برد — رازِ خرگه[3] ببارگاه برد

پیش ازاں رفته بود قبلهٔ حور — برکشیده سوادِ را بر نور

جام بر کف به بزم در می گشت — ہر که می دید بے خبر می گشت

شخصِ بیننده زاں تماشاگاه — آمد و گفت ہر چه بود[4] بشاه

شاه را دل براں قرار گرفت — خاطرش ترکِ خار خار گرفت

نوش می کرد باده پے در پے — ساقیش مست کرده بود نه مے

در تمنائے آنکه چوں سازد — کاں گل از بوستاں بپردازد

زاں تمنا که گردِ جاں می گشت — ہر دمش آب در دہاں می گشت

۱؎ جب = چوں ۲؎ حجب = حجره ۳؎ خرگه یعنی خیمه و انجا مراد محل اسے شاہی ۱۲

تا برانداخت بادِ شبگیری[۵۱] ق از رخِ صبح پردهٔ قیری

شاه رغبت هنوز باقی داشت مست بود و خمارِ ساقی داشت

عاشق و مست و باد شاه جواں صبر کردن بگو چگونه تواں

می گسست ارچه شیرِ نر زنجیر هم نیفگند پنجه بر نخچیر

خاست از جاے خویش مستانه دل رها کرد و رفت در خانه

ایں طرف مه به برجِ خویش آمد شاه چوں پیش رفت پیش آمد

خضرِ گم گشت چوں بچشمهٔ خویش چشمه خود زآشنائی آمد پیش

ساقیِ کش بناز در بر جست پیشِ او بود جاے دیگر جست

یار در پیشِ او ز هجر برنج فاقه می کرد و پاے بر سرِ گنج

آبِ حیواں بجام و او در سوز بود در انتظارِ شب همه روز

شب چو از مه گرفت جامِ شراب ق هر کسے برد سر ببالشِ خواب

میزبانِ شبانه باز آمد شاه را دل در اهتزاز آمد

به بهانه شکر لبِ چینی[۵۲] ساخت خود را ترش ز شیرینی

کرد شه چاپلوسیٔ به نفاق پس ز خلوت ببزم شد مشتاق

باز عیشِ شبانه گشت بکار تازه تر شد نشاط را بازار

ساقیِ شب نمونه دیگر کرد فرق تا پاے زیب و زیور کرد

---

۵۱ بادِ شبگیر بادیکه قریب سحر وزد ۱۲ ۵۲ مراد از ماهرو ۱۲

شب سیه بود پوششِ خورشید ‏ ‏ ‏ جامه امشب چو زهره کرد سپید
گرچه شمعِ شبانه بود آں ماه ‏ ‏ ‏ خویشتن را دگر نمود[1] بشاه
شه که دید آں جمالِ نورانی ‏ ‏ ‏ باز ماندش دمے[2] زحیرانی
ساقیِ نو چنانش برد ز ہوش ‏ ‏ ‏ کش فراموش گشت مستیِ[3] دوش
دل ازو برگرفت وایں را داد ‏ ‏ ‏ چمنِ[4] لاله یاسمیں را داد
دیده در لعبتِ خراماں داشت ‏ ‏ ‏ جانش میرفت وچشم برجاں[5] داشت
ہم بر آں گونه تا سحرگاہاں ‏ ‏ ‏ بود زاں ماہ نُقل و مے خواہاں
روز چوں کرد سوی خانه شتاب ‏ ‏ ‏ دید خورشیدِ خویش را درخواب
دید کاندر نظر خطاش نمود ‏ ‏ ‏ ماہِ پیشینه اژدہاش نمود
خفت لختے و خاست بیدل وا ‏ ‏ ‏ نازنیں ہم زخواب شد بیدار
ابروے نازرا پُر از چیں کرد ‏ ‏ ‏ شاہ را از کرشمه مسکیں کرد
ہر طرف کز عتاب راہش بود ‏ ‏ ‏ شه بصد لابه عذر خواہش بود
بروزاں[6] گونه شاہ را از رہ ‏ ‏ ‏ دزد بیباک و پاسباں ابله
شب چو خورشید روی پنہاں کرد ‏ ‏ ‏ آسماں سبزه را گلستاں کرد
میہماں باز شد بمہمانی ‏ ‏ ‏ میزباں برکشاد پیشانی

---

[1] امشب بنوعے خود را آراست که پادشاه دانست کہ ایں معشوقه دوشینه نیست بلکه غیر اوست ۱۲
[2] دمجب = دہاں بحیرانی ‏ ‏ [3] جب = ساقی ‏ ‏ [4] مراد از چمن لاله دل واز یاسمیں معشوقه سفید پوش ۱۲ ‏ ‏ [5] مراد از جان ثانی معشوقه یعنی ساقی سفید پوش ۱۲
[6] عجب = زیں

ساقیِ شب رسید خندان خند | سبز پوشید همچو سرو بلند
باز شه از نظاره بخود گشت | آرزوے دلش یکے صد گشت
گفت با این طرب فزائیِ خویش | شرمم بادم ز بادشائی خویش
خواجه را بخانه چندان حور | من که شاهم به پیکرے مغرور
گر ستانم بزور بیداد ست | ورنه صبرم گسسته بنیاد ست
همه شب تا بگاهِ بانگِ خروس | باده میخورد با هزار افسوس
بامدادان که سوی خانه شتافت | ماهِ[۱] شب گرد را بمنزل یافت
هفت روز آن صنم بزیور و زیب | گونه برگونه بود شاه فریب
شاه مشغولِ عشقبازیِ خویش | وان جوانان بکارسازیِ خویش
بود زان جائگاه تنگا تنگ[۲] | آبِ دریا بقدرِ یک فرسنگ
هر چه تدبیرِ راهِ دریا بود | پیش او یک بیک مهیا بود
چون همه راست کرد[۳] برگِ جهاز | بوداعِ ملک شدند فراز
گفت هر یک که شاهِ دولتمند | باد جاوید بر سریرِ بلند
ما که از بندگانِ درگاهیم | عذرخواهِ نوازشِ شاهیم
تا درین منزلِ رضا بودیم | غرقِ احسانِ بادشا بودیم
وین زمانے که رو بره داریم | توشه نیز از عطاے شه داریم

---

۱ مراد از ماه رو ۱۲ ۲ در تنگا تنگ الف اتصال ست ۱۲ ۳ حجب = گشت

نقدِ بازارگاں خطاست بہ بند　　سودِ دریا کشیم[51] ماہی چند

چونکہ مارا ز لطفِ منعمِ دہر　　ناگزیرست بودنِ ایں شہر

ہرچہ داریم مال و نعمت و چیز　　ق　　وانکہ شہ دید ساقیانِ عزیز

میگذاریم امانت اینجا باز　　تا کہ آرد خدائے مارا باز

یادِ ما بہ کہ در ضمیر بود　　واں امانت اماں پذیر بود

ملک آں نامِ ساقیاں چو شنید　　گشت شاداں کہ جامہ خواست دید

گنجہا داد عذرہا درخواست　　کرد شاں توشۂ کہ باید راست

پس نظر داشت کاں جوانمرداں　　بسفر کے شوند سرگرداں

کو کند گنج خانہ را تاراج　　شہرِ نورا درآورد بخراج

درگرفتش ہوائے دل بشتاب　　خود بدریا روانہ گشت چو آب

پیش زاں پردہ بود صاحبِ راز　　کرد پنہاں عروس را بجہاز

چوں مسافر بسوئے کشتی رفت　　پنج رضواں[53] بیک بہشتی رفت

کشتی آں سوئے می پرید چو باد　　شاہ زیں سو عناں بمرکب داد

با دلِ تشنہ و دہاں پُر آب　　شد ز دریا رواں بسوی سراب

آمد اندر سرائے مہماناں　　در ہوائے پری فسوں خواناں

چوں دروں رفت خانہ خالی دید　　عشق را تیغِ لا اُبالی دید

---

[51] حجب = کنیم　　[52] ح = کہ　　[53] مراد از پنج رضواں پنج یار و یک بہشتی یعنی ماہرو ۱۲

گشت کاخ و رواق و حجرهٔ و بام　　زان تذروان یکے ندیده بدام

حجره در حجره جستجو میکرد　　سر بهر روزنے فرو میکرد

در یکے حجره هفت دیگر دید　　طرفه غارے بزیرش اندر دید

تا سوِ حجرهٔ فتادش راه　　کز چه او طلوع کردے ماه

گام میزد درون درون گستاخ　　تا بر آمد ز نردبان بر کاخ

رفت در برج و برج بے مه دید　　زهره بشگافتش که ناگه دید

او ز حیرت در آں تمنّا مرد　　وان دگر رفت و آں تمنّا برد

شاں چو رفتند سوی خانهٔ خویش　ت　خورم از بختِ شادمانهٔ خویش

ماه با شاهِ نوجواں شد شاد　　کش نیامد ز شاهِ پیشیں یاد

در دل انچه از گذشته جوشش بود　　خار خارے ز گلفروشش بود

بودے اندر نشاطِ بادهٔ و جام　　در غمِ زالِ گلفروش مدام

کرده بود از وفاءُ یاری او　　جامه گلگوں بیادگاری او

بود چوں ترک آسماں بجهاں　　زیرِ گلنار گوں پرند نهاں

رنگِ گلنار دلکشاے بود　　چوں مے لال جانفزاے بود

زیبِ باغ ست گونِ گلناری　　چوں شفق بر سپهرِ زنگاری

هر که شد بخت و دولت یارش　　رخ بسرخی بود چو گلنارش

لہ ح = لون

هست گلنار ہمچو نارِ کلیم | گلِ نار ست باغِ ابراہیم
ماہِ[۵۱] گلنار چہرہ چوں تمام | گفت افسانہ خفت با بہرام

گلگشت نمودنِ بہرام روزِ چہارشنبہ در بہشتِ ششم و گنبدِ بنفشہ فام از دستِ آہوی بنفشہ موی رومی شرابِ بنفشہ بوی کشیدن

چارشنبہ کہ برکشید نوا | مرغِ صبح از بنفشہ زارِ سما[۵۲]
خواست گردد شہِ سریر افروز | بلباسِ[۵۳] عطاردِ فیروز
لیک آں گو نہ موجبِ غم بود | کہ کبودی لباسِ ماتم بود
با قبائے بنفشہ بوقلموں | رفت در گنبدِ بنفشہ دروں
ماہِ رومی کشادز ابرو چین | رفت در پیشِ شاہِ روی زمیں
بزمیں بوسِ شاہ رائے آورد | شرطِ تعظیم را بجائے آورد
جام پر کردہ ماہِ جاں افزائے | ماند بر رسمِ ساقیاں برپائے
در زماں کرد شاہِ عشرت کوش | آبِ حیواں زآبِ[۵۴] حیواں نوش

---

۵۱ حجب = گشت　　۵۲ حجب = ہوا

۵۳ لباس عطارد کبود ست ۱۲

۵۴ یعنی جام شراب از دست معشوقہ رومی نوشش کرد ۱۲

آں طرب تا بشام باقی بود — مہ[۵] غلام و ستارہ ساقی بود

روز چوں ساخت کسوت از پرِ زاغ — میلِ خفتن نمود نرگسِ باغ

شاہ بہرِ فسانۂ چو شکر — کرد رو اندر آں شگوفۂ تر

سروِ آزاد بندہ وار بہ پیش — کرد خم چوں بنفشہ قامتِ خویش

پس دعا را گذارشش نو داد — گفت باشی ز بخت و دولت شاد

ہر چہ خواہی ز ماہ تا ماہی — پیش بادت ہر آنچہ می خواہی

در حضورت کہ خسروِ زمنی — بندہ را چہ جائے ہم سخنی

لیک بر اعتمادِ حضرتِ[۲] شاہ — گویم آنچم بسینہ یابد راہ

چوں تہی شد ز معذرت سینہ — ق — گفت در روزگارِ پیشینہ

بنفشہ شدنِ سروِ آزاد در سجدۂ بندگی پیشِ بہرام و آں متعطش را دیں افسانہ شربت[۹] دادن

بود بازار گانے اندر روم — نعمتش را شمار نا معلوم

پسرے داشت ہوشمند و عزیز — زیرک و کاروانِ با تمیز

در عجب ہائے عالمش ہوسے — و آزمونِ زمانہ دیدہ بسے

خانۂ داشت چوں بہشتِ بریں — ہر طرف ذہ نگار خانۂ چیں

---

[۵] مراد از مہ بہرام و از غلام محکوم و از ستارہ معشوقہ ۱۲ — [۲] ح = رخصت

هر مسافر که آمد از جائے | کرد حالی بمنظرش پائے
سوئے مہماں سرای خویشش برد | میوہ و نقل و بادہ پیشش برد
چند گہ داشتے بمہمانی | میزبانِ کشادہ پیشانی
باز جست از وے آشکار و نہاں | کز عجب ہا چہ دید گرد جہاں
آں جہاندیدہ از شگفتِ سفر | گفتے یک یک زہر چہ داشت خبر
سالہا در چنیں تمنّائے | پخت با ہر روندہ سودائے
تا یکے روز بامدادِ پگاہ | ناگہ آمد مسافرے از راہ
در زمانش بخانہ مہماں برد | ارجمندش بسوئے ایواں برد[1]
خوانے از مرغ و برہ پیش آورد | نعمتے از قیاس بیش آورد
گشت چوں رغبتِ خورش باقی[2] | مہر بکشاد شیشہ را ساقی
بادہ لعلِ ارغوانی رنگ | جلوہ گر گشت در ترنّمِ چنگ
چوں گذشت از شراب دورے چند | درجِ لبہا کشادہ گشت زبند
ہر کرا بود قصۂ نہفت | پیشِ پرسندہ یک بیک میگفت
چوں بمہمانِ نو رسید سخن | ق | گفت بسیار زیر چرخ کہن
گشتہ ام بس کہ داشتم ہوسے | وز شگفتِ زمانہ دیدہ بسے
واں عجبہا کہ در جہاں دیدم | ہر چہ کس دید بیش ازاں دیدم

---

[1] اے بعزت تمام ۱۲ [2] باقی اینجا بمعنی قیام دارندہ اے رغبت خورش سکون گرفت ۱۲

لیکن از ہر چہ دیدہ ام نخست　　زاں عجب تر ندیدہ ام بدرست

کز دیارِ فرنگ شش مہ راہ　　ہست شہرے و مردماں چوں ماہ

نیمہ گویا و نیمۂ خاموش　　خامشاں کسوتِ بنفشہ بدوش

من ز گوینده باز جستم راز　　کز خموشاں خبر چہ گوید باز

کیں ہمہ خلق را خموشی چیست　　چوں بنفشہ بنفش پوشی چیست

پاسخم داد مردِ کار شناس　　ق　کاندریں کارگاہِ پُر وسواس

ہست گرمابۂ زصنعِ حکیم　　سیمیا خانۂ عجب تقسیم

گنبدش را شمار ناپیدا　　گم شد آنکس کہ شد درو شیدا

آدمی کاندرو درون آید　　از پسِ چندگہ بروں آید

یا بمیرد در آمدن درحال　　یا بماند خموش تا دہ سال

اندر آں خامشی بود بیہوش　　بہرِ ماتم بنفشہ کردہ بدوش

چوں سخن را گرہ کشاید باز　　ہمہ گوید مگر فسانۂ راز

تا کسی کاں طرف بود درایش　　خود نہد روے در تماشایش

وانکہ در شد بداں تماشا گاہ　　بارِ دیگر بروں نیابد راہ

گرچہ سالے بود درو کم و بیش　　در نیابد نشانِ رخنۂ خویش

لا ح = فرنجہ　　لب گرمابہ بمعنی حمام ۱۲　　لج ج = وضع　　لد حجب = بآدن

لہ حب = جامہاے بنفش　　لو ن = پرنیان بنفشہ

لز حب = درآں

من که در دل درآمد این نفسم | خاست از هر دیدنش هوسم
خواستم کآن طرف کنم پرواز | برگشایم گره ز پردهٔ راز
لیکنم دل نکرد دمسازی | که دهم جان دران هوس بازی
راهرو کان فسانه بروے خواند | باز پرسنده[1] را قرار نماند
تا شب آن روز عیش سازی کرد | خوشی و میهمان نوازی کرد
شب چو دریای چرخ برزد رنگ | چشمهٔ مهر شد بکام نهنگ
مرد سوداگرے هوس پیشه | ق | چشم برهم نزد ز اندیشه
بامدادان که صبح جامه سپید | پرده برداشت از رخ خورشید
ناشکیبا ز خوابگه برخاست | خاست و کرد برگ رفتن راست
از متاع زر و غلام و کنیز | کرد باخود روان فراوان چیز
پدر مهربان شنید خبر | بے سر و پا دوید سوے پسر
دم همیداد و هیچ دو نداشت | گریه زاری بسے و سود نداشت
عاقبت دست برجهان افشاند | از ولایت[2] جنازه بیرون راند
وان مسافر که داشت آگاهی | همعنان ساختش بهمراهی
هر دو باهم ز عیش فرد شدند | شهر بر شهر ره نورد شدند
در تموز و بهار و تابش و تاب | می نوشتند راه را بشتاب

---

[1] مراد از پرسنده پسر بازرگان است همان میزبانِ میهمان و مسافر نواز ۱۲

[2] حجب = دز

تا درآن کارگاهِ پر زخیال — در رسیدند از پسِ یک سال

در سرای شدند رخت کشاد — خود بشهر آمدند خورم و شاد

خلق دیدند بیشتر خاموش — وز حریرِ بنفشه کسوت پوش

گردِ هر کوی و خانه می رُفتند[۱] — رازِ پوشیده باز می جستند

زان شگفتی که داشت سر بنهفت — خبرے کس چنانکه بود نه گفت

چاره ناچار مردِ شعبده جوے — سوئے گرما بہ راند پویا پوئے

همرهش باز داشت اسرارے[۲] — که حذر بهتر از چنین کارے

او همه میلِ فتنه در سر داشت — عاقبت دل زمیل سر برداشت

بغلامانِ خاص گفت که من — راه زان برگرفته ام ز وطن

کانچه در خاطر آرزو دارم — دیدهٔ آزمون درو دارم

یا ببینم تمام و گردم باز — یا دهم جان درونِ پردهٔ راز

از شما هر که استوارتر ست — راست اندیش و راست کارتر ست

به که دائم امینِ مال بود — تا نمک خوردنش حلال بود

من چو بر خود کشم حجابِ خیال — انتظارم کشید تا بدو سال

گر بیایم دفینه بر شمرید — ور نه رختم بخانه باز برید

شور برخاست از غلامانش — دست بردند سوی دامانش

---

[۱] گرد رفتن کنایه از تردد و کثرت آمد و رفت که بهندی خاک چھاننا گویند ۱۲ جوهر [۲] حجب = بسیارے

کین چه دیوانگی و خودرائی ست ‏ ‏ در دیوان زدن نه دانائی ست

کام دلداری و جوانی هست ‏ ‏ همه اسباب کامرانی[۵۱] هست

روزگار نشاط را دریاب ‏ ‏ زآنچه دادت خدای روی متاب

زین نمط ماجرا گذشت بسے ‏ ‏ بر نیامد رمیده را نفسے

عاقبت بر مرادِ خاطرِ خویش ‏ ‏ سوی گرمابه ره گرفت به پیش

رفت و ور شد در آن طلسم آباد ‏ ‏ عالمے دید هر درے که کشاد

سقفِ هر گنبدے که کرد نگاه ‏ ‏ سرِ گنبد رسیده دید بماه

هفته گشت بے طعام و شراب ‏ ‏ راه بیرون شدن ندیده بخواب

شد پشیمان ز خامکاری خویش ‏ ‏ خواند بخشنده را بیاری خویش

چون سراسیمه گشت بے سروپاے ‏ ‏ ناگهش رو[۵۲] نمود راه نمائے[۵۳]

دید ناگه درے فراخ ز دور ‏ ‏ آفتاب او فگنده در وے نور

رفت زاں سو دویده همچوں باد ‏ ‏ روضهٔ دید پُر گل و شمشاد

لاله برکف گرفته جامِ شراب ‏ ‏ نرگس از مستی او فتاده بخواب

گشته باد از شگوفه عنبر بوے ‏ ‏ سبزه[۵۴] نو دمیده بر لبِ جوے

سو بسو از درخت میوه قطار ‏ ‏ شاخ سر بر زمین نهاده زبار

---

[۵۱] ح = زندگانی ‏ ‏ [۵۲] حجب = ره ‏ ‏ [۵۳] مراد از هادی مطلق جل مجده ۱۲

[۵۴] ح = سبزه ها، حجب = سروها

ماند حیران جوانِ بیننده | شکر ها گفت زآفریننده

تشنگی داشت از خورش خالی | خورد هر گونه میوهٔ حالی

بر لب جوئے رفت و آبے خورد | سایهٔ سرو و دید خوابے کرد

خاست از خواب و رفت میلے چند | دید قصرے برآوریده بلند

شد شتابنده تا رسید آنجا | منظرے چون بهشت دید آنجا

باز کرده درے بلند و فراخ | رفت یکسر درونِ وے گستاخ

هر کجا گام زد جهانے دید | پیشِ هر صفّه بوستانے دید

هر نمونه عمارتے پرکار | گلشنے پر ز صد هزار نگار

کرده زان گونه سو بسو تمثال | کآدمی را نگنجد آن بخیال

بوستانے تهی ز مردم دید | چشمِ نظارگی در و گم دید

خواجه زامیدِ زندگانیِ طاق | تا بشب گشت گردِ کاخ و رواق

چون جهان رخ نهفت در پرِ زاغ | ق | شد فلک پر ز صد هزار چراغ

دل ز تنهائیش پریشان گشت | رفت بر منظرے و پنهان گشت

چون ز شب رفته نیم پاس تمام | ق | ماهی و مرغ یافتند آرام

دید کآمد برون ز گوشهٔ باغ | آفتابے بکف گرفته چراغ

---

۱ جب = کرد — ۲ بمعنی شتاب ۱۲ — ۳ ن = خوب

۴ جب = در — ۵ ح = بهار — ۶ ن = دیدور باغ

۷ حجب = بود — ۸ حجب = تا

صد ہزاران ستارہ گرد و پیش — خود چو خورشید شمع اندر پیش

زان فروزش کہ قصرِ گلشن گشت — شبِ تاریک روزِ روشن گشت

تا بدان منظر آمدند فراز — کہ درو بود خواجہ خلوت ساز

تخت کردند پیشِ صفہ بپاے — شد بدیبا نهفتہ صحنِ سراے

چوں شد آرایشِ نشاط ہمہ ق پُر مہ و زہرہ شد بساط ہمہ

میرِ خوباں نشست بر سرِ تخت — وز دو سو ہمنشینِ دولت و بخت

نازنیناں دو سوے صف بستند — پیشِ مسند بناز بنشستند

خاست ساقی و بادہ گشت رواں — خوردنی در رسید خواں بر خواں

چوں کشیدند پیشِ ہر کس خورد[1] — از رقاقِ[2] سپید و گردۂ زرد

گفت خنداں نگارِ تخت نشیں ق کہ دریں کاخِ آسماں تمکیں

آدمی زادہ ایست بیخور و خواب — گشتہ از کوبِ[3] روزگار خراب

دورِ گردونش کردہ سودائی — ماند بیخویشتن ز تنہائی

ہست برنا[4] غریب و مہماں نیز — چارہ نبود ز میہمانِ عزیز

خواندہ باید بلطف اندر پیش — مہربانی نمودن از حد بیش

تا سرش را خرد فراز آید — دل کہ رفتش ز جاے باز آید

شمع برداشت لعبتِ چو چراغ — رفت بر منظرِ بلند ز باغ

---

[1] خورد بمعنی خورش ۱۲ [2] نان تنک ۱۲ [3] کوفت و رنج ۱۲ [4] ح = برما

دید تنها نشسته مسکینے | کرد با بختش آسمان کینے

دادش آواز۔ خواجه رفته ز جاے | لرزه در روے فتاد و سر تا پاے

سرو سیمیں بمهر دل دادش | کرد ز اندیشه خاطر آزادش

گفت خیز اے جوانِ زیبا چهر | که درِ دولتت کشاد سپهر

بانوی ما که گنجِ لطف[۱] دروست | آدمی سیرت ست و مهمان دوست

بر خوری زاں صنم که در همه ساز | تو غریبی و او غریب نواز

خواجه را کاں سخن بگوش آمد | لختے از بیهشی بهوش آمد

گفت[۲] بجز رام هر کجا خواهی | که منت بنده ام بهمراهی

شمع را پیش برد قبلهٔ حور | او چو پروانه در حوالی نور

پیشِ تخت آمدند هر دو ز کاخ | در تحیّر جوانِ ناگستاخ

چوں بدید آں جمالِ نورانی | سود بر خاک تیره پیشانی

از سرِ[۳] لطف ماهِ شکّر خند | خواندش از خاک بر سریر بلند

گفت عیب ست میزباناں را | که نپرسند میهماناں را

کے روا باشد ایں که مانم دیر | من ببالا و میهماں در زیر

بر سریر آ و باشِ همتایم | ورنه من نیز بر زمیں آیم

خواجه گفتا که من کیم بارے | تا بداں پایه باشدم کارے

۱؎ جب = مهر　　۲؎ فاعل گفت سوداگر بچه ۱۲　　۳؎ جب = ره

خاکِ مسکیں که پایمال بود — بر فلک بردنش محال بود

باشد آں جاے درخورِ چو تو ماه — دیو بر آسماں نیابد راه

زیں نمط گفتگو فراواں رفت — خواجه جاے بشد که نتواں رفت

آمد از تخت نازنیں در زیر — کرد با خود بمردمیش دلیر

دستِ او را گرفت و بالا برد — شاند بر جاے و هوشش از جا برد

نازنیں رو بمیهماں آورد — پوزش و لطف درمیاں آورد

پیشِ او داشت خوردہاے غریب — هر یکے جاں نواز و مشکیں طیب

از نسیمش که گردِ جاں می گشت — خواجه را آب در دهاں می گشت

بود ز اندوهِ فاقه سودائی — یافتش چشمِ تیره بینائی

دست در خورد و بر د شرم گذاشت — خورد چندانکه میلِ خوردن داشت

رفت چوں خواں بکارِ خانهٔ خویش — ساقی آورد جامِ مے در پیش

هر طرف لعبتے بریشم ساز — گشته ز آهنگِ خوش حریف نواز

مجلسے چوں بهشت عالمِ نور — رفت رضواں بمیهمانیِ حور

گر فرشته در آمدے در باغ — همچو پروانه سوختے بچراغ

روے در روے یارِ جانی بود — درمیاں دورِ دوستگانی بود

بانوے بانواں چو سرمستے — هر زماں بذله بر د بستے

ل ح ے شد

چون سرِ خواجه گرم شد ز شراب | آرزو[۱] را ز سر برون شد خواب

شد ز سر زنده شهوتے که بمرد | رغبتِ دل عنان ز دستش برد

عاشقانه بپاے یار افتاد | کار با بوسه و کنار افتاد

ز آنِ او شد عروسِ شیریں کار | در زنا دان و پاسبان طرّار[۲]

او در آویخت در دو زلف چو شست | گردنِ خود بطوقِ مشکیں بست

روے بر رو نهاد و دوش بدوش | خرمنِ گل کشید در آغوش

برد غارت بدرجِ مروارید | ایں همی چید و او همی بارید

شور در نقلدانِ ناز افگند | شمعِ بے دود را بگاز[۳] افگند

تشنه بود آبِ زندگانی یافت | مایهٔ عمرِ جاودانی یافت

خواست تا در رود بحجلهٔ ناز | قفلِ گنجینه را کشاید باز

ماهِ ابله فریب و عشوه فروش | بوسه دادش بعذرهاے چو نوش

گفته آهسته ترکه ز آنِ توام | نوش کن مے که نقلدانِ توام

چاشنی باری از نمک برگیر | تا دهن خوش کنی بشکّر و شیر

شربتے کارزوست زود نه دیر | وانکه خوردی وے وگشتی سیر

تشنه کز آب سیر شد جانش | میل نبود بآبِ حیوانش

---

[۱] یعنی آرزوے خفته از مستی شراب بیدار شد ۱۲

[۲] جب = زیبا

[۳] گاز یعنی مقراض و اینجا عبارت از میانه هر دو زانوے بانو ۱۲

چوں زہم خوابہ گشت مرد صبور — داغِ زنگی نہد بجبہۂ حور[51]

ور نیاری زمیل و رغبتِ خویش — ق — کہ دہی گوشمالِ شہوتِ خویش

زیں ہمہ لعبتانِ زیبا روے — کہ کنیزِ من اند سوے بسوے

ہر کہ زیبا ترآیدت بنظر — خاصۂ تست دست گیر و ببر

رقیہ[52] چند ازیں نمط برخواند — کآتشِ خواجہ را فرو ونشاند

وانگہ از غمزہ گفت[53] پنہانی — بانگارے چو سروِ بستانی

آمد و باھزار لابہ و لوس — داد بر دست و پاے بر ناوس

زآں خود کردش از فسون و فریب — تا دلش را نماند جاے شکیب

خاست از پیشگہ بہ دستورے — رفت در جائے[54] گاہِ مستورے

در بر آورد یارِ زیبا را — کرد خوش جانِ ناشکیبا را

یافت آں آرزو کہ در سر داشت — کامِ دل دید و کامِ دل برداشت

ہمہ شب بابتِ بہشتیِ خویش — راند در جوے شیر کشتیِ خویش

صبح چوں کرد جیبِ ظلمت چاک — سایۂ خاک رفت ہم در خاک

مردِ شب زندہ داشتہ بشراب — رفتہ بود از نسیمِ صبح بخواب

چوں زخوابِ نشاط سر برکرد — نظر اندر رواق و منظر کرد

---

[51] یعنی زن در حسن و جمال گرچہ حور وش باشد لیکن بعد صبوری زنگی معلوم میشود ۱۲

[52] سحر و افسوں ۱۲ — [53] فاعل گفت سردار پریاں ۱۲

[54] حجب = جلوہ گاہ

دید فردوس را ز خوبان طاق — نے بمنظر بتے و نے برواق

زان پری صورتان ندید کسے — نعرۂ بیکسی کشید بسے

زان تحیّر که جان خراب شود — بیم بودش که زهره آب شود

تا شب اندر خیالِ مجلسِ دوش — چون پری دیدگان نبودش هوش

در پرِ زاغ چون نهان شد مهر — پرِّ طاؤس باز کرد سپهر

باز کبکان روان شدند ز جائے — پرِّ طاؤس گشت صحن سرائے

شمع از هر طرف روائی یافت — عالمِ تیره روشنائی یافت

شد پیاپے شرابِ نوشیں باز — تازه شد بزمگاهِ دوشیں باز

نازنیں رفته بر سریر بلند — مهر برداشت از خزینۂ قند

به یکے زان شکر لبان فرمود — که بیار آن غریبِ ما را زود

شد کنیزی و خواند پیشش برد — بیخِ دوری ز جانِ ریشش برد

با نوش چون بدید خاست ز پیش — خاص کردش بهمنشینی خویش

کرد جانش ببزمِ می تازه — عذرها خواست بیش ز اندازه

دوستگانے بدستِ خویشش داد — طبق و نقل و میوه پیشش داد

چون ز مے دودِ معده شد پرکار — مائده[۵۱] پیش برد خوان سالار

با نواز راهِ لطف و سرمستی — کرد با او یکاسه همدستی

---

[۵۱] دستر خوان ۱۲

چوں شد از خوردنی شکمها سیر — مطبخی برد خواں ز تخت بزیر

ساقیاں را رسید نوبتِ مے — دَورِ گردنده گشت پے در پے

خواجه کافروختش ز مے سینه — تازه گشتش نشاطِ دوشینه

خویش را کرده بود لعبتِ سیم — بمرادِ حریفِ خود تسلیم

او بدنداں عقیق را می سُفت — قندمی خست و انگبیں می رُفت

زاں لبِ لعل می کشید شراب — نقل هم پسته[۵۱] بود و هم عنّاب

باز چوں وقت شد که خرم و شاد — سوے قفل آورد کلیدِ مراد

گفت کز چوں منے خطا باشد — که بهر جستنم عطا باشد

زن کز اینساں کند جوانمردی — پرده بالا کند برخ زردی

در بیم بود هر[۵۲] که بود بسے — دست بر دامنم نسود کسے

هر که بود از خبر شنیدنِ من — مرده[۵۳] هم در هوائے دیدنِ من

چوں تو بر ما غریب و مهمانی — محرمِ ما شدی بآسانی

لیک مشتاب تا کنیزانم — نشناسند رازِ پنهانم

که چرا گوهرے بدیں پاکی — هم بیکبار شد چنیں خاکی

بکنارے و بوسه دو سه روز — گر شوی سینه را شکیب اندوز

---

۵۱ مراد از پسته دهن و از عناب لب ۱۲

۵۲ اے کسیکه تا مدت دراز در صحبت من خراب بود آنها هم در بیم بود و قدرت مس کردن دامنم هم نداشت ۱۲

۵۳ هر که خبر حسن و جمالم شنید در آرزوے دیدار جان داده و بعد مردن هم هواے نظاره داشت ۱۲

من باندیشۂ کہ وانم کرد — دلِ شاں را دگر تواںم کرد

چوں دل از کارِ شاں بپردازم — کارِ تو بر مرادِ تو سازم

ایں سخن گفت باز کرد نگاہ — در یکے زاں شکر لبانِ چو ماہ

آمد آں ماہ و پا بمہر فشرد — دستِ برنا گرفت و با خود برد

تا دمِ صبح مردِ عشرت جوئے — بود خوش با نگارِ زیبا روے

آسماں چوں ز چشمۂ خورشید — کرد پیراہنِ زمانہ سپید

باز برخاست مردِ خفتہ زجائے — زاں عروساں ندید کس بسرائے

شد زبے مونسی و تنہائی — بیشتر زانچہ بود سودائی

تا بیک ہفتہ مردِ شعبدہ سنج — بود شب در نشاط و روز برنج

ہر شب آں نازنینِ عشوہ فروش — برو گر عشوہا نہادی گوش[1]

سوئے آہوئے خود فگندے چنگ — لیک صیدے دگر زدے بخدنگ

تا شبے شد ز جوشِ شہوت مست — رفت یکبارگی عناں[2] از دست

ماند در پائے دلبر افتادہ — چوں گیا زیرِ سروِ آزادہ

گفت دستم بگیر بہر خدائے — کہ شکیبِ ترا ندارم پائے

چند ازیں عشوۂ جفا سازی — با غریبے چو من دغا بازی

انگبیں نمودن اندر جام — و انگہے سرکہ ریختن در کام

---

[1] اے گوش بپر تاجر را مخاطب افسانہ فریب نو کردے ۱۲ [2] حجب = عنانش ز دست

یا لب از جام وصل کن سیرم — یا ببند از سر بشمشیرم

یا بخشش داد شوخِ عالم سوز — کامشب اندر برِ توام تا روز

همه شب پاسِ کار در پیش ست — این چنین صد هزار در پیش ست

خواجه کین مژده یافت از لبِ دوست — در نگنجید ہمچو پستہ بپوست

بس کہ جانش بخوشدلی بشگفت — بادہ چندی خورد و بر جا خفت

نوبت صبح زد چو نالۂ زار — مرغ و ماہی ز خواب شد بیدار

چشم بگشاد مردِ[51] دوشینہ — خارِ[52] دوشش خلید در سینہ

خویش را دید در بیابانے — کہ نبودش سرے نہ پایانے

خاکے از ناخوشی ہلاک انگیز — خارہا برکشیدہ دشنۂ تیز

خونش[53] از بیخودی[54] بہ تن بفسرد — ماند بیخود فتادہ گوئی مرد

چون نبود آن خرابہ جائے قرار — در خرابی روانہ شد ناچار

بقضا کرد خویش را تسلیم — دشت بر دشت می شتافت زبیم

پویہ میزد براہِ بے راہان[55] — تا بدیہے رسید ناگاہان

شد بہ دہ اندرون بہ بد حالے — کرد منزل بخانۂ زالے

زال را بود دخترے عیّار — دلفریبے چو صد ہزار نگار

---

۵۱ جب = مست — ۵۲ جب = ریگ دشتش — ۵۳ خونش از بیہوشی بستہ شد ۱۲

۵۴ جب = بیہشی — ۵۵ اے بطریق گم کردۂ راہ ۱۲

دزدِ دلہا و چشمِ پُرفنِ او | خونِ صد بگینہ بہ گردنِ او

گشت چوں یکدگر نظر ہا گرم | نازنیں سر فرو فگند ز شرم

روے پوشید و کرد آں سوپشت | میہماں را بیک کرشمہ بکُشت

خواجہ کز تیر تیز تر می راند | ناوکے غمزہ خورد و برجا ماند

زال را باہزار آزادی | بندہ گشت از خیالِ دامادی

بر سرِ کشتِ پیر زن لرزاں | کارمیکرد چوں کشاورزاں[۱]

خانہ گہ گہ کہ یافتے کہ خالی | بر شکر لب درآمدے حالی

زار نالیدے از گرفتاری | کآں صنم سوختے ازاں زاری

تا دلِ ماہ مہربانی یافت | طبع با میل ہم عنانی یافت

خاطرِ ہر دو ز اتفاقِ ضمیر | ساخت باہم چو انگبیں باشیر

خانہ[۲] ہرگہ کہ بے مگس دیدے | شکرے از قمطرہ[۳] برچیدے

گہ درآویختے بزلف چو شست | گاہ بر گنجِ سادہ[۴] سودی دست

چوں شدے گاہِ آں کہ از پیوند | درجِ سربستہ را کشاید بند

وارمیدے عروسِ کبک خرام | کہ میالاے دامنم بحرام

جست باید رضاے پیر زنت | تا دہد رہ بجلوہ گاہِ منت

---

[۱] بمعنی دہقانان وکاشتکاران ۱۲   [۲] ن۔ل۔ نخجب = خواجہ ہرگہ کہ فرصتے دیدے

[۳] قمطرہ بکسر اول بمعنی ہشتر فربہ وخریطہ کتاب واینجا بمعنی ظرف قند کہ عبارت از لبہاے شیرین ست ۱۲

[۴] مراد از پستاں ۱۲

خواجه در پیشِ پیرزن ناچار　　بیش کردی ازانچه بودے کار

روزی از خویش یافتش خشنود　　آرزوئے که داشت بازنمود

پاسخش داد پیرزن که رواست　　گل ز گلبانگِ بلبلاں بنواست

چوں تو با ما بمهر پیوندی　　من پذیرفتمت بفرزندی

دلِ مهماں بدیں حدیث نواخت　　وانگهے برگِ میهمانی ساخت

بست کابین[۵۱] عروس را باشاه　　کرد پیوندِ مشتری با ماه

چرخ چوں زلفِ شب فگند دوش　　ق　　ماه گشت از ستاره زیورپوش

شه[۵۲][۵۶] در آمد بخوابگاهِ عروس　　که شود شاد تا ببانگِ خروس

سیمبر بر قرارِ پیشینه　　مے زلب داد نارش[۵۳] از سینه

دست[۵۴] بر نار دان وسیبش داد　　نقلے[۵۵] و میوهٔ فریبش داد

خازنِ گنج چوں براں شد باز　　که کند دست بر خزینه دراز

چاپلوسی بسے نمودش جفت　　ق　　بزبانِ شکر فشانش گفت

که من اینجا ز چشمِ مادرِ خویش　　می نه بینم حجابِ بسترِ خویش

کلبه تنگ و وے[۵۷] به پهلویم　　چوں بنزدِ ما همنشینی شویم

---

[۵۱] بکسر بای موحده و یای معروف زری که بهنگام نکاح ذمه شوهر مقرر کنند یعنی مهر ۱۲

[۵۲] عروس را در کتخدائی نوشه گویند ازیں رعایت پسر تاجر را شاه و شه گفته ۱۲　　[۵۶] جب = خواجه

[۵۳] نارش مخفف انارش الف بضرورت شعر حذف گشته ۱۲

[۵۴] دست بمعنی قدرت ۱۲　　[۵۷] حجب = او

چون ترا جفت گشتم از تقدیر   ناید از خدمتِ تو ہیچ گزیر

رو ازیں تیرہ تنگنائے بروں   ماہ را بیرز عقد جائے بروں

خانہ گیر در دہِ دگرم   تا کشئے برمرادِ خود بسرم

خواجہ بعلش بدیں[1] فریب بسفت   دربرش کرد تا بروز و بخفت

روزکے چند خویش را زاں جور   گاہِ شہوت بحیلہ داشت صبور

زال را رفت روزے اندر پیش   گفت دارم ہوائے خانۂ خویش

گر برفتن وہیسم دستورے   زحمتِ خویش را دہم دورے

خیزم و راہِ خانہ پیش کنم   جفتِ خود ہم عنانِ خویش کنم

زال بگریست از غمِ فرزند   گفت دل چوں کشایم از دل بند

آنکہ[2] شد جفتِ او بعقد جواز   جفتِ خود را کجا[3] گذارد باز

گفت زینہار چوں نبودش سود   کرد ناچار ہر دو را پدرود

خاست در دم عروسِ فتنہ سگال   کرد گریاں وداعِ مادرِ زال

وانگہے گفت شوے را نالاں   کہ خرک را بہ پشت نہ پالاں

سوئے خر شد جوانِ تیز آہنگ   کرد پالاں و برکشیدش تنگ

خواست تا دست سوے دم یازد[4]   پار دُم[5] را بدم در اندازد

---

[1] اے خواجہ بدیں فریب ہم بستر نشد و ازالہ بکارت نکرد ۱۲   [2] حجب = زانکہ

[3] حجب = چرا   [4] یازد فعل مضارع از مصدر یازیدن بمعنی دست درازی کردن و بقصد کارے دست دراز کردن ۱۲

[5] دمچی زین اسپ و خر ۱۲

جفتۂ[1] زد خر از کمیں ناگاہ — کہ بچشمش جہاں نمود سیاہ

لرزہ در شخصِ[2] نازنیں افتاد — شد بصحرا و در زمیں افتاد

چوں بہوش آمد از چناں خطرے — کرد ہر سو بتجربت نظرے

دید خود را بروے کہسارے — در بنِ[3] کوہ در تہش غارے

کوہ گرم از بلندی آتش پاش — آسماں را بہ تیغ[4] کردہ خراش

باز ازاں حیرت او فتاد ز پاے — زندگی را نماند در وے جاے

بود فصل تموز و نیمۂ روز — جوش در مغزش او فتاد ز سوز

از بلندیِ کوہ کرد نگاہ — غرفۂ دید سر کشیدہ بماہ

رفت و آنجا رسید گرما گرم — سایۂ سرو دید و سبزۂ نرم

بر سرِ غرفہ شد کہ بیند چیست — صاحبِ غرفہ را بداند کیست

دید پیری بسانِ پارۂ نور — کردہ خود را ز مردماں مستور

تیرِ بالاش چوں کماں شدہ کوز — بر کمانِ کہن بر آمدہ توز[5]

چونکہ آوازِ پاے او بشنید — چشم پوشیدہ باز کرد و بدید

دید آزادہ چو سروِ بلند — گلِ او زعفراں شدہ ز گزند

زو طلب کرد ماجراے نہفت — کہ گلت از کدام باغ شگفت

---

[1] جفتہ بمعنی لگد بہندی پشتک ۱۲ [2] جب = بر [3] بُن = بیخِ کوہ در تہش غارے

[4] تیغ کوہ قلہ کوہ را گویند ہندی چوٹی ۱۲ [5] توز بالضم بواو مجہول نام پوست درختیست کہ مثل نے بر کمان و زین بکار برند بہندی بھوج پتر گویند و در شرح خاقانی نوشتہ کہ قسمے از کتان ست ۱۲

خواجه از سرگذشتِ ناخوشِ خویش — کرد خالی دلِ مشوشِ خویش

پیر را کامد آن فسانه بگوش — زان تحیر شدش درونه بجوش

گفت کین خاک پُر ز دیو و پری ست — تشنهٔ خون آدم گذری ست

هر چه پیشِ تو باغ و ایوان بود — آن همه سیمیاے دیوان بود

وان عروس جوان و مادرِ پیر — غولِ دشتند و دیوِ مردم گیر

زندگانی هنوز بود بجاے — که باین سور هست مژد خداے

ورنه جانت که[۱] انداز تقت[و] تاب — چون[۲] شدی در چنین خرابه خراب

پس ازین گر شوی ز بخت نژند — ق — بگیاهے و میوهٔ خورسند

تا مرا ُو ترا روان به تن ست — حالِ تو آن بود که حال من ست

وردلت را برفتن ست نیاز — دل دلِ تست من ندارم باز

بوسه بر پاے پیر داد جوان — گفت کای از تو ام حیات[و] توان

منِ گم گشته ره کجا دانم — کز حضور تو رو بگردانم

زین پس ار جاے باشدم برِ تو — سرم و آستانهٔ درِ تو

پیر گفتش که چون نهادی دل — که کنی هم بکوے ما منزل

تا ازین بادیه[۳] بگام فراخ — نخرامی بهر طرف گستاخ

کین طرف هر کجا کُه و غارست — پر ز مرغانِ آدمی خوارست

۱؎ جب = یقین که — ۲؎ جب = بشدے — ۳؎ جب = زاویه

چوں گہہ طعمہ بال بکشایند — گور و آہو ز دشت بربایند

گفت برنا کہ از تو نیست گزیر — گو بیا ہر چہ باشدم تقدیر

ہم بریں دل نہاد و کرد سکون — دیر دیر آمدی ز کلبہ بروں

روزے از دستِ غم شدہ بستوہ — گشت می کرد بر کرانۂ کوہ

سوئے او تاخت مرغِ مردم خوار — ناگہاں در ربودش از منقار

کوہ بر کوہ می پرید چو باد — تند می رفت از گزند آزاد

تا رسید از ہوا بغارے تنگ — کرد در تنگنائے غار آہنگ

مرغ دیگر ز کوہ بروے تاخت — چنگل از خشم سوئے او انداخت

مرغ با مرغ جنگ در پیوست — در میاں خواجہ از شکنجہ برست

کرد[لہ] در تنگنائے غار وثید — پیش پا می فگند و پس میدید

چوں دروں رفت تیر پرتابے — دید ہر سو ز روشنی تابے

رہ نہ تاریک بلکہ روشن بود — خاکِ رہ سبزہ زارِ گلشن بود

خاک[لہ] را می[۳ہ] نوشت میل بہ میل — گاہے آہستہ و گہے تعجیل

تا پس از ہفتۂ و بلکہ فزوں — آمد از تنگنائے غار بروں

دید در پیشِ غار صحرائے — لالہ و گل دمیدہ ہر جائے

کشت بر کشت روضۂ چو بہشت — جوئے بر جوئے بر کنارۂ کشت

جیب = گرم   لہ حجب = خاکِ رہ   ۳ہ طے می کرد ۱۲

بر سرِ سبزہائے مینا رنگ ‌ ‌ ‌ نالۂ گنجشک بود نغمۂ چنگ

خواجہ چوں یافت بوے آبادی ‌ ‌ ‌ سینہ چوں گل شگفتش از شادی

پاے در رہ نہاد و می شد راست ‌ ‌ ‌ تا بداند کہ ایں سواد کراست

زادِ دل چاشت بود در تگِ خویش ‌ ‌ ‌ تا درآمد سیاہیِ شب پیش

چوں پس[51] افگند زاں زمیں بہرے ‌ ‌ ‌ دید جوشیدہ ز آدمی شہرے

سوئے دروازۂ حصار شتافت ‌ ‌ ‌ راہ زانبوہِ خلق خالی یافت

پیشِ دروازہ در رسید فراز ‌ ‌ ‌ تختۂ در ہماں زماں شد باز

سو بسو مردم ارچہ بود بسے ‌ ‌ ‌ پیشتر زو دروں نرفت کسے

لشکرے ماندہ بود چشم براہ ‌ ‌ ‌ در دویدند مہترانِ سپاہ

بوسہ بر دست و پائے دادندش ‌ ‌ ‌ تاجِ زرّیں بسر نہادندش

حلّہ بستند بر تنش ز قبا ‌ ‌ ‌ پیش بردند توسنے چو صبا

ہمچو شاہاں سوار کردندش ‌ ‌ ‌ گوہر و زر نثار کردندش

رفت زاں گونہ شاہِ نوشاداں ‌ ‌ ‌ تا کند قصرِ دولت آباداں

بہ بزرگی چو بر سریر نشست ‌ ‌ ‌ ہر بزرگے میاں بخدمت شست[52]

خواند زاں مہتراں یکے را پیش ‌ ‌ ‌ داد بیروں خیالِ خاطرِ خویش

ایں چہ نیرنگ و سیمیا کاری ست ‌ ‌ ‌ یارب ایں خواب یا کہ بیداری ست

---

[51] ے نمود ١٢ ‌ ‌ ‌ [52] حجب = بست

زآنچه بر تختِ ملک بنشینم | خویش را نسبتی نمی بینم

این خیال از دلم ببایدبرد | ورنه من زین شگفت خواهم مرد

پاسخش داد مردِ کارشناس | گفت کز سینه دور دار هراس

کایزد از رحمت آفرید ترا | که بدین پایه برکشید ترا

آنکه تاج ز تخت بر سرِ اوست | هرکجا میرود برابر اوست

دولت از دولتی[۵۱] گذر نکند | سوی بیدولتان نظر نکند

زآهن آنان که مغزِ کان خارند | زر ستانند و سنگ بگذارند

گرچه بلور روشن ست بتاب | کی نشیند بجای دُرِّ خوشاب

آنچه پرسید شاهِ گیهانم | بازگویم چنانکه میدانم

هست رسمی بدین[۵۲] زمین مشهور | که رود چون چراغِ[۵۳] ملک ز نور

بر درِ شهر بامداد و پگاه | حاضر آیند سرورانِ سپاه

هرکه اوّل در آید از درِ شهر | یابد از تختِ پادشاهی بهر

با چو از نقلِ پادشاهِ کهن | تازه کردیم رسمِ کهنه زبن

پیشِ دروازه مردم از حد بیش | کس ز تو پیشتر نیامد پیش

لابد این ملک شد بتو تسلیم | دیرزی کانِ تست این اقلیم

شاهِ نو زین حدیثِ شادی زای | در نگنجید در میان قبای

---

۵۱ یعنی صاحب اقبال ۱۲   ۵۲ حجب = درین   ۵۳ کنایه از پادشاه ملک ۱۲

بود چوں آفتابِ نورانی   تا گہِ شام در زر افشانی

چرخ چوں پارہ کرد چادرِ روز   روے بنمود ماہِ چرخ افروز

در رسید از حرم وکیلِ سرائے   خاک بوسید وایستاد ز پائے

خواند شہ را بمیہمانیِ ناز   شہ رواں گشت سوے پردۂ راز

خادم از پیشِ شمع زر بر دست   شہ بدنبالِ او ز شادی مست

چوں دروں رفت بوستانے دید   پر مہ و زہرہ آسمانے دید

ماہ رویاں بہر طرف جمعے   آفتابے بہ پیشِ ہر شمعے

چوں بدیدند روے فرخِ شاہ   لعل و یاقوت ریختند براہ

روئے تعظیم بر زمیں سودند   نطعِ گلگوں بگل برآمودند

ہفت بت بود شاہِ پیشیں را   ہر یکے قبلہ ماہ و پرویں را

ہر شبے آں را کہ نوبتے بودے   شاہ با او نشاط فرمودے

آنکہ زایشاں بپایہ والا بود   دلفریبے کشیدہ بالا بود

آمد و دستِ شاہ را بگرفت   ماند شہ در جمالِ او بشگفت

رخ بزیبائی از گل افزوں بود   پائے تا سر لباسِ گلگوں بود

دستہ گل بدستِ شاہ سپرد   سوئے خلوت سرائے خویشش برد

رہ نمودش بتخت در حمام   تا بمشک و گلاب شست اندام

پس لباسِ سزائے تاجوراں   بلطافت سبک۔ بہ نرخ گراں

پیش بردند تا کشید به بر — کردز آنجا ببزم گاہ گذر

از بخور و گل و طعام و شراب — ق — وآنچہ دیگر نشاط را اسباب

ہمہ در بزم گہ مہیّا بود — وز بتاں خانہ چوں ثریّا بود

شاہ مشغولِ شادمانی گشت — مے بجام آبِ زندگانی گشت

بادۂ تلخ و بوسۂ چو شکر — نقل و بادامِ خشک و پستۂ تر

نیمۂ شب بدوستگانی رفت — نیمۂ دیگر بکامرانی رفت

شاہِ انجم برسم ہر روزہ — چوں در آمد بہ تختِ فیروزہ

شہ[۱] زخلوت بہ تخت بار آمد — در شہی چوں شہاں بکار آمد

تا بشب دادِ بادشاہی داد — ہر چہ خواہی بہر کہ خواہی[۲] داد

باز شہ رفت در سرائے حرم — جُست سروے ز بوستانِ ارم

ماہِ دوشیں کہ تا بنوبتِ روز — ق — بے دمیوہ بود بزم افروز

نوبتے خود بدیگرے بسپرد — نوبتی آمد و ملک را برد

برکفش داد دستۂ زسمن — رونق انگیزِ صد ہزار چمن

باز بندِ قبا کشودندش — سوئے گرمابہ رہ نمودندش

رفت و تن شست از گلابِ رواں — رست در پیرہن چو سروِ رواں

---

[۱] شہ زخلوت بہ تخت باز آمد — در شہی چوں شہاں بہ ناز آمد

[۲] اے ہر چیز کہ خواہش کنی و برائے ہر کہ تجویز نمائی کہ ایں کس لائق آں چیز ست ہماں کس ہماں چیز داد ۱۲

سوئے مجلس شتافت با دلِ شاد — بادہ می خورد با بتِ نوشاد

ہمہ شب تا بہ بامداد و پگاہ — بود باہم قرانِ زہرہ و ماہ

ہم بریں گونہ شاہِ ہفت اورنگ — دید شش باغ تازہ زنگارنگ

ہر بہارے[۱] کہ آمدے بہ نشست — دستۂ دادے از گلیش بدست

چوں بہفتم فگند[۲] قرعۂ فال — بود ماہے ز اخترانِ بال

کاردانِ حرم نمودش راز ق — کہ ہمہ پردہ ہا چو کردی باز

زاں یکے پردہ بہ کہ درگذری — تا نہ بینی ز چرخ پردہ دری

کاولیں خسروے کہ مارا بود — راز ایں بروے[۳] آشکارا بود

کردے اندر نہاں شکرخندے — ویں فسانہ بروں نیفگندے

نے بنوبت درآمدے آں ماہ — نے بنوبت بدو رسیدے شاہ

شاہ گفت ایں حدیثِ پنہانی — باز گو با من آنچہ میدانی

خورد سوگندہا وکیلِ سرائے — کہ من آگہ نیم ازیں سر و پائے

زیں سخن بیش گشت رغبتِ مرد — رفت و آں گفتہ را بگوش نکرد

چوں دروں شد درآں ارم خانہ — دید ارم خانۂ جداگانہ

صحنے دید آفتاب درفش[۴] — شقۂ برتن از حریر بنفش

---

۱ باعتبار حسن و جمال پری پیکران گل عذاراں را بہار گفتہ ۱۲ — ۲ جبہ = فاد

۳ حجب = پردہ — ۴ بمعنی روشن ۱۲

دستهٔ از بنفشه داشت بدست　　شاه را داد و کردش از بو مست

چشمِ شه چوں بنازنیں افتاد　　زاں عجب خواست بر زمیں افتاد

نیکواں گرچه دیده بود بسے　　زاں نکوتر ندیده بود کسے

دلش از عاشقی نماند صبور　　زد چو پروانه خویش را بر نور

ترکِ جادوگرِ فریب انگیز　　گفت کآبے بزن بر آتشِ تیز

گردِ میدانِ بارگهه برنشست　　تنِ شاهانه را بباید شُست

تا نگردد چو گیر مست بکنار　　نازکِ اندامِ من بگرد فگار

که مرا نام مردمِ دیده است　　گرد بر دیده ناپسندیده است

شاه گفتا که چوں بود ہیہات　　تشنه را صابری ز آبِ حیات

سیمبر گفت کز پئے دلِ شاه　　من بگرمابه می شوم ہمراه

تا ہمانجا برہنه روے بروے　　ہر دو با ہم شویم موے بموے

در زماں خاست شاه زیں شادی　　داد تن را ز کسوت آزادی

نازنیں را گرفت ساعدِ نرم　　عزمِ گرمابه کرد و گرما گرم

نازنیں جامه را[۱] چو بیروں کرد　　ہوشِ بیننده را دگرگوں کرد

روبرو ہر دو چوں شدند بناز　　ہر دو جعد افگن دو دوالک[۲] باز

خواست شه تا در و در آویزد　　آب و آتش بہم بر آمیزد

---

(۱) حجب = نیز جامه　　(۲) حیله ساز و بیحیا و اینجا مراد از قسمه بازی که قسمے از قمار ست ۱۲

صنمش گفت صحنِ[1] حلوا پیش | جز چشیدن نه ماند دیگر بیش
بارِ اول ز بوسه بستاں داد | پس تو دانی و گنجدانِ مراد
شه دهن برد سوے پستۂ[2] نوش | بوسه داد و ز ذوق شد بیهوش
چوں ز خود زنده شد به بحالی | دید عفریت خانۂ خالی
ماند منزل تهی و ماه شده | زیر و بالا همه سیاه شده
دستش اندر دهانِ خنداں ماند | باز وے حسرتش بدنداں ماند
گشت ز اندوهِ سینه سودائی | باز دیوانه شد ز تنهائی
از بسے غم که اشک ریخت ازو[3] | دیوِ گرما به میگریخت ازو
از تحیر چناں شکست تنش | که سخن بسته گشت در دهنش
خاست از جایگه چو مدهوشاں | گشت میگرد سو بسو جوشاں
زیرِ هر گنبدے دواں میرفت | زیں بروں آمد و دراں میرفت
همه شب تا جهاں منور گشت | بود گنبد بگنبد اندر گشت
گنبدِ آسماں چو شد بے دود | گشت روشن جهانِ دود اندود
مردِ ره گم ز روشنائے نور | دیرِ گرما به را بدید از دور
رفت چوں پیش در هماں در بود | که نخستش بگفته رهبر بود
بندگانش که در گه و بیگاه | بهرِ او بوده اند چشم براه

۱؎ طبق و طشت ۱۲ ۲؎ عجب = چشمه ۳؎ ح = بدد

چون بدیدند روے منعمِ خویش — درد دیدند خواجہ را در پیش

ہریک از بندگاں بآزادی — گریہ می کرد لیکن از شادی

بندہ وارش بپا در افتادند — بوسہ بر دست و پائے او دادند

او ز بس بیخودی و بیہوشی — برلب افگند مہرِ خاموشی

پاے تا سر برہنہ بود تنش — پیش بردند ازار و پیرہنش

نستد آں جامہ زار زار گریست — و آگہی نہ کہ گریہ از پے چیست

سوئے ماوائے خویش بردندش — ہر نمط جامہ پیش بردندش

زاں ہمہ جامہاے رنگا رنگ — کرد در جامۂ بنفش آہنگ

جامہ پوشید و برگِ رفتن ساخت — رخت بربست و خانماں پرداخت

شہر بر شہر شد بخانۂ خویش — بیخود از خویش و ز فسانۂ خویش

پدرش رفتہ بود و مادر نیز — وز پے او گذاشتہ ہمہ چیز

چندگاہے بپردہ بود نہاں — واز ہمہ گفتگوے بستہ دہاں

بعد دہ سال در خروش آمد — رازِ او خلق را بگوش آمد

کسوتش زاں پس از کلہ تا کفش — بود پیوستہ پرنیانِ بنفش

ہست رنگِ بنفشہ نادروش — دیدہ را نغز و سینہ را دلکش

ترکِ زیبا کہ رو بود چو مہش — در حریرِ بنفش کن نگہش

لہ اے معشوق ماہرو را بلباس بنفش نگاہ کن کہ چوں زیبا آید ۱۲

باغ کو نقش کم ز دیبا نیست — بے خیالِ بنفشہ زیبا نیست

خندۂ برق با ہزار درفش — بیں کہ چوں خوش بود در ابر بنفش

چوں نگارِ بنفشہ زلف طراز ق — گفت این داستانِ عشرت و ناز

شہ چناں در برآوریدش تنگ — کہ گلش را بنفشہ کرد برنگ

رفت زاں سروِ سیم زلف بہ تاب — درمیانِ گل و بنفشہ بخواب

صندلی نہادن بہرام روزِ پنجشنبہ در بہشتِ ہفتم در گنبدِ صندلی و نخلِ صندل اندامِ عرب را چوں صندلِ تر برسینہ مالیدن و جامۂ صندل و ام پوشیدن

پنجشنبہ کہ صبحِ صندل سائے — صندل آلود چرخ را سر و پائے

روز سعد و زمانہ فرخ بود — نسبتش ہم بمشتری مسعود

کرد بہرام با نشاطِ تمام — مشتری وار جامہ صندل فام

ساخت در برج صندلی خانہ — بست پیمانِ مے بہ پیمانہ

جلوہ گر شد بتِ عرابی زاد — بوسہ بر دست و پائے خسرو داد

شاہ بر روئے آں بہشتی ذات — نوش می کرد سلسبیلِ حیات[1]

---

[1] نام نہریست در بہشت و اینجا مراد از شراب حیات پرور و مسرت افزا ۱۲

چوں ہوا در نوشت چادرِ نیل	سرمہ گوں شد زمانہ میل بمیل
داد بیرُوں بر مزِ جادو بند	کہ پری روئے جادوئے پیوند
شب با فسانہ کند کوتاہ	خواند افسونِ چشم بندیِ شاہ
بہ تواضع نگارِ سیمیں ساق	بازمیں کرد جفتِ ابرو طاق
گفت پشاہا فلک سریرِ تو باد	دشمن آماجِ زخمِ تیرِ تو باد
ہمہ عمرت ز عید دلکش تر	روزت از روز و شب زِ شب خوش تر
آنچہ در گوشِ چوں توئے سنجد	چوں منی را بہوش کے گنجد
لیک چوں ابر پارہ بارانی	پیشِ دریا کنم دُر افشانی
ریخت زینساں بسے چو دُرِّ یتیم	ق گفت وقتے بروزگارِ قدیم

پیچیدنِ بہرام اژدہا وش در قامت چوں درختِ صندل و افسانہ گفتن آں شجرۂ معطرہ نسیم

بود فرماں دہے بہ ملکِ یمن	کار فرمائے خسروانِ زمن
راستکارے چو سرو بستانی	راست گوئے چو صبح نورانی
پسرے داشت ہوشمند و جواں	دل چو دریا و کف چو آبِ رواں
مردمِ چشمِ بادشائی او	ملک روشن زِ [۲] روشنائی او

---

[۱] حبیب = تازہ   [۲] حجب = بر روشنائی

در هنرهائے روزگار تمام | رام[1] او روزگار در اش[2] نام
مادرش رفته بود در پرده[3] | پرده بر دیگرے رها کرده[4]
گشته در پرده مادرِ دگرش | جلوه گر در عماریِ پدرش
روزے از محرمے چو فرزندان | رفت در پردهٔ پدر خندان
دید بانوئے شه بپردهٔ راز | در کنارِ وزیر خفته بناز
دودِ خشم از سرش بگردون رفت | دین نادیده کرد و بیرون رفت
آں خیانت گرانِ پنهان خند | چون بدیدند رخنه در پیوند
از مئے خورده[5] در خمار شدند | چاره را رهنمونِ کار شدند
گفت بابانوئے ملک دستور | که پسر عاقل ست و شاه غیور
تا نگردست چاشت شام کنیم | کارِ او پیش از[6] و تمام کنیم
چون شه آید ترش کن ابرو را | پس به تلخی[7] خراش کن رو را
چهره پر خون کن و[8] و دیده پر آب | گو جهان[9] رانگر که گشت خراب
پسر بد زند بما در جنگ | ز آسمان چون فرو نبارد سنگ
آں جگر گوشه را چنان نه خار | که شه از خونِ[10] خود شود بیزار
چون فسون خواندهٔ فسون آموخت | شمع را کشت و شعله را افروخت

---

[1] یعنی مسخر و فرمان بردار ۱۲ [2] جب = نامش رام [3] اے مرده بود ۱۲ [4] در مصرعه ثانی از پرده مراد پرده خلوت اے پدرش زن نو خواسته ۱۲ [5] مئے خورده مراد ازاں لطف مواصلت و عشرت گذشته و در خمار شدن مراد رنجش پیدا کردن ۱۲ [6] جب = ازاں [7] ج = به ناخن [8] ح = جهانے

رفت زانجا بسوئے مسندِ خاص — مخلصِ شاہ[1] گشت بہرِ خلاص

ہمچو ابروئے خود سر افگندہ — وابرواں راگرہ بر افگندہ

شاہ گفت اے بکد خدائی من — ق — رونقِ انگیزِ بادشائی من

در چنیں دولت و فراخی زیست — ایں ہمہ تنگئ دل از پئے چیست

جبہ را سود بر زمیں دستور — گفت کاے جبہۂ تو مطلعِ نور

تا جہاں ست بر جہاں سر باش — کار فرمائے ہفت کشور باش

منکہ چوں بندگانِ دولت خواہ — پرورش یافتم ز نعمتِ شاہ

نمکت چوں نگیردم گردن — کہ بدل دارم ایں جگر خوردن

کہ جگر گوشۂ تو بر خوانت — دست بردہ[2] سوئے نمکدانت

آنچہ در گوشم آمد از کم و بیش — من نمودم دگر تو دانی بیش

زاں نفس کاندر آں چراغ اُفتاد — دودش از سینہ در دماغ اُفتاد

در حرم شد بر خ زدہ چیں را — دید پژمردن سروِ سیمیں را

خونے از ہر مژہ رواں میریخت — آب نرگس بر ارغواں میریخت

مو پریشان و رو خراشیدہ — سمن[53] از برگِ گُل تراشیدہ

قصہ پرسید شہ بغصہ و سوز — گفت با تو فسونِ بد آموز

پارہ پارہ فشردہ و خواند درست — آنچہ تعلیم کردہ بود نخست

---

(۱) جب = خاص (۲) جب = بازو ۵۳ مراد از سمن رخسار سیمیں و از برگ گل ناخن انگشتہائے حنائی ۱۲

ملک آں ماجرائے ابلہ گیر — کرد باور چو ابلہاں بضمیر

ماند حیراں کہ حیلہ چوں سازد — کز دل آں غصّہ را بپرداززد

گفت گر تیغ برکشم ز نیام — بقصاصِ پسر شوم بدنام

دگر ایں غم فرو خورم در دل — در گداز آرد م چو نم در گل

چوں دلش تنگ شد ز غصّۂ خویش — ہم بدستور گفت قصّۂ خویش

خواجہ کاں سوزناکی از وے بود — بدمیدن زیادہ کردش دود

تا رضا داد شاہِ آزادہ — کہ مسافر شود ملک زادہ

سوئے وے با ہزار مخموری — رفت دستور بُرد دستوری

کرد روشن جوانِ روشن رائے — کز کجا گشت فتنہ بال کشائے

آں[1] برآں گفتہ ہیچ در نفزود — در جہاں سر زد و رواں شد زود

کوہ می سود و دشت می مالید — در کُہ و دشت زار می نالید

قطع شد چوں حوالیٔ شاہش — سہ مہندس شدند ہمراہش

ہمرہاں را باتفاقِ ضمیر — در ہم آمیختہ چو شکّر و شیر

یک گرگشتہ ہمدمِ جانی — ہم در آباد و ہم بہ ویرانی

ہر یکے گنج خانۂ ہنرے — ہیچکس را نہ زاں ہنر خبرے

تا یکے روز با فراغِ تمام — خلوتے بود شاں بہ نقل و بجام

---

[1] عجب = او

باده در سینه ها بکاوش بود — راز با باده در تراوش بود

رام نیز از جراحتِ دلِ ریش — می تراوید حالِ مشکلِ خویش

دوستان کآں حدیث بشنیدند — یار ے دوست مصلحت دیدند

گفت یک شخص زآنچه[۱] من دانم — سرمه در دو چشمت افشانم

گرچه خلقے بہم نشینندت — ہمه را بینی و نه بینندت

سرمه چوں در حجابِ او ت جاے — ہر کجا ہست بیحجاب در آئے

با بد اندیشِ خود تباہی کن — ہر چه خواہی بہمه که خواہی کن

چشم زاں سرمه چوں سیه داری — گریه ٔ و دو در انگہه داری

رام گفتش که اے پسندیده — بده آں سرمه گفت کز دیده[۵۴]

مردِ بینا کشاد حقّهٔ نور — سرمه در چشم کرد و شد مستور

سرمه را شست و باز پیدا گشت — ہر که نظّاره کرد شیدا گشت

رام را سرمه داں به پیش نہاد — منتش بر دو چشمِ خویش نہاد

دیگی گفت من زراهِ صواب — دانم افسونِ چشم بندی خواب

زاں فسوں ہر کرا بخیانم — بر نه خیزد دگر بجنبانم

گر بیاموزی[۲] آں فسوں خوانی — آں کنی بر عدو که بتوانی

رام گفتش که ہر چه گوید مرد — گفتهٔ خود تمام باید کرد

---

[۱] جب = کانچه — [۵۴] اے بسر دچشم لطف لفظ دیده بر ارباب ذوق سلیم مخفی نیست ۱۲ — [۲] ح = بیاموزم

کارداں رقیہ ہم چناں برخواند — کہ درافتاد رام و خفتہ بماند

چوں شد آں خوابش از دماغ بروں — پیشِ دانا درست کرد افسوں

سیومیں گفت کانچہ من دارم — بر تو ناید من ارچہ بسپارم

بر توہم[51] نمایم آں فسانہ کار — تو خود آنجا برو بپا و بیار

در حدِ مصر خانہ ایست ز سنگ — کردہ در روئے نگارش از نیرنگ

نقشِ ہر جانور کہ گیری[52] نام — در روے از تیشہ کردہ اند تمام

جادوے کاوّل آں رقم دادش — در زمانے نہاد بنیادش

کہ شگفتی ز رازہائے جہاں — کردہ در زیرِ ہر خیال نہاں

ہر کہ خواہد کہ از کفایت و رائے — گرد و آں پردہ را طلسم کشائے

چشم بر پیکرے نہد یک سال — تا بجنبیدن آید آں تمثال

نقشِ سنگیں چو جلوہ در گیرد — پیکرش را نمونہ برگیرد[53]

چوں نشاند نمونہ را بر موم — راز[54] آں خانہ خود شود معلوم

گرت آں[55] سکّہ ہم نفس باشد — در ہمہ کارہات بس باشد

رام زاں ماجرا کہ دانا گفت — آنچناں شد کہ تا بروز نخفت

صبحدم چوں ز گنبدِ بے سنگ — جلوہ گر گشت پیکرِ ارژنگ

---

[51] نجب = لیک بنمایمت نشانہ کار [52] حب = دارد [53] اے ہرگاہ نقش سنگیں در جنبش آید نقش آں تصویر بر موم برگیرد ۱۲ [54] ج = راز خود را ازاں کند معلوم

[55] اے اگر آں نقش کہ بر موم گرفتہ ہمراہ باشد ہمہ کارہاے ترا ہماں یک نقش کافی بود ۱۲

مرد جوینده راه پیش گرفت
ره سوی آرزوی خویش گرفت

جان ز رنج ار چه می بیازردش
دل گریبان گرفته می بردش

گام میزد به شهر و ویرانه
تا رسید اندر آن صنم خانه

چون بهر پیکری فگند نظر
دید عفریت پیکری منکر[ل]

نظر از وی هم برگماشت برو
تا به یک سال چشم داشت برو

چون بجنبید آن نمونهٔ چست
گرمش از موم برکشید درست

چون برون آمد از درون سرای
دید آهرمنی ستاده بپای

گشت لرزان ز وی درونهٔ رام
کرد پرسش که کیستی و کدام

گفت آنم من ار کنی معلوم
که ز سنگم نشاندهٔ بر موم

راز من گر ترا نه معلوم ست
کوه سنگین ز دست من موم ست

هر چه دشوار تر همی دانی
حکم کن تا کنم بآسانی

هر چه کم گنجد اندر اندیشه
نزد من هست کمترین پیشه

حاضرم با چنین توانائی
تا کنم پیشت آنچه فرمائی

رام گفت این زمان همی خواهم
که بشهر پدر بود راهم

دیو گفتش که چشم برهم پوش
چون بپوشید برنشاندش بدوش

گفت بگشای - چون گشاد نظر
دید خود را درون شهر پدر

ل سهمگر ، فرشته ۱۲

شب نہاں شد بکنجِ پیرزنے ‏ زالے و رستمے و اہرمنے

چوں سیاہی شد از سپیدی دور ‏ روز بکشاد روزنامۂ نور

شد بدیوان وزیرِ کار آگاہ ‏ کامراں گشتہ در ممالکِ شاہ

رام در چشم کرد سرمۂ ریو ‏ شد بدیواں بہم عنانی دیو

کرد اشارت بدیو تا برخاست ‏ دست را کرد بہر سیلی راست

زد قفائے بخواجۂ دیواں ‏ کہ بلرزید زاں طراقِ ایواں

کارداراں ز جائے برجستند ‏ سرِّ آں حال را ہمی جستند

اندریں گفتگوئے بدُ ہر کس ‏ کاہرمن باز در دوید ز پس

زد چناں سیلیٔ دگر ناگاہ ‏ کز سرِ خواجہ در فتاد کلاہ

چوں[۵۱] ہمی خواست آں کلہ کف کرد ‏ تا ستاند قفائے دیگر خورد

حیرتے در نہادِ خلق افتاد ‏ دوست آزردہ گشت و دشمن شاد

مردماں از خجالتِ دستور[۵۲] ‏ دور گشتند یک بہ یک ز حضور

ایں[۵۳] ز سودائے سیلیش خنداں ‏ واں[۵۴] دگر پشتِ دست در دنداں

خواجہ جست از خجالت سیلی ‏ با رُخِ زرد و گردنِ نیلی

رفت در خانہ ہمچو تنگ دلاں ‏ رُخ ز مردم نہفت چوں خجلاں

---

۵۱ ن = کلہ گرد خوردہ را زاں گرد ‏ ۵۲ وزیر ۱۲

۵۳ اشارہ ایں بسوئے دشمن وزیر ۱۲

۵۴ اشارہ آں بسوئے دوست وزیر ۱۲

چوں قفا کرد بہرِ بالیں ساز | دیوش اندر قفا درآمد باز

بازش از ضربتِ قفا خوردن | در طراقا طراق شد گردن

تا شب و روز بے امیدِ خلاص | سیلئے چند شد وظیفۂ خاص

رازِ پنہاں بکوی و راہ رسید | قصّہ در گوشِ بادشاہ رسید

شہ عجب ماند کیں چہ شاید بود | کآتشے نبود و برآید دود

دست نے و قفا شود سوراخ | نبود دیو ایں چنیں گستاخ

داد فرماں کہ ہر کجا کس ست | ق کش بہ نیرنگِ نامہا[۵۱] ہوس ست

ہمہ حاضر شوند پیشِ سریر | تا پژوہش کنند رازِ وزیر

ایں خبر گشت در ولایت فاش | گفتگوے فتاد در اوباش

ہر کجا بود دیو بندے چست | کرد دیباچہائے[۵۲] فتنہ درست

آمد و کرد کاردانیِ خویش | داد بیروں دمِ نہانیِ خویش

ہیچ ممکن نشد کزاں خانہ | دیو بیروں شود چو بیگانہ

چوں بکارش زبوں شدند ہمہ | بخجالت بروں شدند ہمہ

بہرِ کردن وزیر را چارہ | دیوِ گردن زنش بنظّارہ

دید چوں کاردانیِ ہمہ خام | آمد و گفت قصّہ را با رام

رام چوں دید حالِ خواجہ چناں | کرد برخود لباسِ پیرزناں

---

۵۱ اسے عمل جن و پری و ساحری میداند ۱۲

۵۲ مصرعۂ ثانی صفت دیو بند واقع شدہ ۱۲

صندل آلودِ روی و برقع بست — وز شناسندگانِ صورت رست

فرصتی جست و رفت پیشِ وزیر — گفت بشنو حدیثِ مادرِ پیر

من هم از دانش این قدر دانم — کز تو این فتنه را بگردانم

لیکن آنگه بود امیدِ فراغ — که توان کرد بر سُرینِ تو داغ

گفت با او بعاجزی دستور — کانچه خواهی کن ار بود دستور

رام گفت آنچه زان شوی بکران[1] — من نه گویم تو دانی و دگران

کرد دستور خانه را خالی — پیشِ او چارپایه شد حالی

رام چون زن او نشادی فنِ خویش — دید زان گونه حالِ دشمنِ خویش

بر سُرینش نهاد داغِ گرم — زیرِ لب می نمود خندهٔ نرم

سوخت چون خواجه را بطنّازی — دیو را باز داشت زان بازی

بس نبود آنکه شد قفایش لعل — جفته را هم در آتش آمد نعل

خواجه بنشست با هزار خوشی — از قفا روی وز سُرین حبشی

گنج اندر کنارِ رام افگند — چند گه یافت ایمنی ز گزند

رام را مادرِ زبانی خواند — بهتر از مادرانِ جانی خواند

محرمِ پردهٔ نهانش کرد — کارفرمای خان و مانش کرد

---

[1] رام که در پیکرِ زالی بوده لقب با دربیر اختیار کرده بود بوزیر گفت من آن چنان عمل خواهم نمود که ازین مصیبت عظمیٰ برکران باشی در رستگاری یابی ۱۲

او بغارت شد اندر آں بستاں	گمشے در میانِ خوزستاں[۵۱]
خانۂ پر ز صد ھزار پری	ہر یکے چوں ستارۂ سحری
چوں جہاں سرمہ گوں شدی ہر شام	سرمۂ خود بچشم کردی رام
برنشستی بدیو دیوانہ	وآمدی سوئے آں پری خانہ
ہر کرا خاص کردہ بودے روز	شب شدے بر مرادِ خود فیروز
آنکہ بروے گذشتی آں بازی	بستہ گشتی لبش بغمّازی
نتوانستی آں حکایت گفت	کہ دُرش را درونِ پردہ کہ سُفت
کردی اندیشۂ ز ہر بابے	کہ خیالیست ایں و یا خوابے
دُزد گر کیسہ را نفر گیرد	خواجہ چوں ننگرد کرا گیرد
جا بجا کارنامۂ شبِ دوش	لب بہ لب میرسید و گوش بہ گوش
تا چو شد پارہ پرنیانِ[۵۲] ہمہ	سخن افتاد درمیانِ ہمہ
پیش کز حملہا[۵۳]ے بے سروپاے	ق فتنہ زائیدہ اندرونِ سراے
دختراں تن بہ تیغ در دادند	خواجۂ خانہ را خبر دادند
کآفتے شد دریں سرا پیدا	تیر پیدا و شست ناپیدا
تا ز رفتست کار و بار از دست	چارۂ کُن کہ رفت کار از دست

[۵۱] نام ولایت کرشکر آنجا در عمدگی مشہور ست و بعض بمعنی جاے طعام نیز گفتہ اند ۱۲

[۵۲] مراد از بکارت ۱۲ [۵۳] ج = حیلہ ہاے

خواجه را باز خون بجوش آمد | جانش از سینه در خروش آمد

گفت با خود که یارب این چه بلاست | میهمان نے و خانه پر ز صدا[۱] است

بسکه عاجز شد اندر آن تدبیر | خواست[۲] بازیگری زمادرِ پیر

پاسخش داد رام زیرِ نقاب | کان خیال ست میرسد در خواب

گرچه نامش بدیو افتادست | لیک دانم که آدمی زادست

دیده را دیو سرمہ کرده است | کز نظرهائے خلق در پرده است

گفته باید که تا ببامِ زمین | پیشِ هر حجرهٔ کنند کمین

میهمان چون درون خرامد زود | میزبان پیش در برآرد دود

دود چون سرمه را بشوید پاک | سرمه کش را نقاب گردد چاک

ور ازین چاره هم عنریو کنیم | دیو باشد فسونِ دیو کنیم

لیک باید که خواجه ناید پیش | تا نه بیند دگر قفا را ریش

من هم امشب بکنجِ خانه درون | دفع این فتنه را کنم[۳] بفسون

این سخن گفت و رفت در خانه | گشت پنهان بکنجِ کاشانه

شب چو پر دود شد سپهر کبود | دیده تر گشت ماه را زان دود

رام در چشم کرد سرمهٔ راز | اهرمن را فگند در پرواز

رفت در کاخِ دخترِ دستور | گنج پیدا و نقب زن مستور

---

[۱] ج = صلا [۲] ج = خواست یاری گرے زمادرپیر [۳] جب = شوم

دود برکرد ماهِ آتش روے — شد کمینها کشادہ سوے بسوے

سرمہ چوں شستہ شد ز دیدۂ رام — گشت پیدا رخ چو ماہِ تمام

ہر کہ آں روے چوں پری میدید — چوں پری دیدگاں ہمی لرزید

ہم دروں تر شدند با ہمہ بیم — سخت بستند دستہاے چو سیم

مژدہ بردند سوے خواجہ شتاب — خواجہ نیز اوفتاد در تگ و تاب

خواست تا سر بروں کند ز رواق — کز قفایش بیام رفت طراق

ہم چو دزداں گریز کرد ز پیش — وز قفا گشت دزدِ گردنِ خویش

گفت تا خونش بر زمیں ریزند — خاک با خونِ او در آمیزند

در دوید ند خونیاں بستیز — از پے خوں کشیدہ خنجر تیز

چوں چناں دید زاد[1] سروِ جواں — رقیۂ خواب در دمید چناں

آنگہہ چوں ابلہاں بر آشفتند — ابلہی بیں کہ در زماں خفتند

رام بکشاد بندِ خویش ز دست — ہمہ بندندگانِ خود را بست

ہر کہ آمد بہ بند کردنِ او — بندِ او شد دوالِ گردنِ او

دانگہے دست را با سترہ برد — سبلت و ریش جملہ پاک استرد

زاں ظرافت کہ موی در مو داشت — موی از جا یکی فرو نگذاشت

چوں سزا کرد شاں ظریفانہ — بہ طریقے گریخت در خانہ

---

[1] زاد مخفف آزاد یا بمعنی پیدایش ۱۲

آسمان چون سترد طرّهٔ تار | خنده بکشود صبحِ سیم عذار
شد دگر بار رام برقع پوش | رفت در پرسشِ حکایتِ دوش
چون در آمد به پیش گاهِ وزیر | دید یک خانه پُر ز امردِ[1] پیر
همه را دود[2] رفت و یخ ماند | ریش گم گشته وز یخ مانده
پردهٔ هر یکے چو غنچه درید | خود چو گل زیرِ پرده می خندید
باز پرسید خواجه راز آن راز | بر نیامد رمیده را آواز
بفر بیش گشاده کرد نفس | گفت کاندیشه نیست زین پس
سرِّ این فتنه خواندم از تمیز | کارِ دیو است و دیو مردم نیز
بستدم آن دیو را چنان بفسون | که نیاید دگر بخانه درون
خواجه دل شاد شد ز شادی او | کاگهی داشت ز اوستادی او
چند گه بود از گزند آزاد | بخوشی داد خوشدلی میداد
چون دلش گشت زان بلا بے بیم | تازه شد بازش آرزوئے قدیم
خواست از نعمتِ ملک توشه | حقِ نعمت نهاد در گوشه
رام چون دید کو نهان کرد دست | وز جوانانِ ناجوان مردست
در سرا پردهٔ ملک به درست | خیره تر شد از آنچه بود نخست

---

[1] ریش و بروت همه ها که چون پاک سترده بود لهذا امرد و پیر گفته ۱۲

[2] دود عبارت از ریش و بروت و یخ از سپیدی چهره ۱۲

در شبے کو بید سگالی بود   ق   خواجہ مہمان خانہ خالی بود

رفت ہاہم برسترِ پشینہ   ہمچو گرگے بصید میشینہ

در مقامے کہ دخترِ دستور   بود در خوابگاہِ خود مستور

برگرفتش بہ پشتِ دیو نہاد   چوں گلے کش ز جا رباید باد

خواندہ بودش فسونِ خواب بہ پیش   کہ بہ برزن خبر نہ داشت ز خویش

در نہاں خانۂ کہ بودے رام   بود بر رفتہ[1] منظرے ز رخام

نشدی مرغ را خرام برو   رام بودی و دیو رام برو

دخترِ دستور را در آنجا برد   زہرہ را ببرجِ جوزا برد

دخترِ نازنیں چو گل بہ بہار   خوبرو ہمچو صد ہزار نگار

غمزہ را تیغِ کافری داں   ناز را شغلِ دلبری داں

زلفش افگندہ عالمے در تاب   نرگسِ مست در کرشمۂ خواب

خانہ ویران کنِ ہزاراں دل   گبر زنار بند و سبحہ گسل

چوں درآمد ز خواب چشم کشاد   سو بسو از کرشمہ چشم نہاد

دید جائے کہ ہیچ گاہ ندید   رہ بجائے کہ ہیچ راہ ندید

غرفۂ برج سر بکنگرِ ماہ   گرد در سوئے آسمانِ سیاہ

رام را دید و خانۂ معمور   آفتابے ببرجِ خانۂ نور

۱؎ بر رفتہ بمعنی بلند ۱۲

زاں تحیّر ہراسِ جانش بود — بود بخویش جائے آنش بود

دید چوں میزبانِ شعبدہ باز — ق — میہماں رازبے خودی بگداز

نرم نرمش بدلنوازی گفت — کای شدہ جفتِ تو منِ بے جفت

منکہ پیشِ تو دیو کردارم — آدمی ام نہ آدمی خوارم

دل ہراساں مکن بوہم وقیاس — آدمی راز آدمی چہ ہراس

میہماں شو دمے بخانۂ من — تا شوی آگہہ از فسانۂ من

نازنیں کاں شکر فشانی دید — شربتے زآبِ زندگانی دید

حیرتِ جاں بروں شدش زضمیر — حسرتِ دل[1] شدش گریباں گیر

گشت برروے رامِ عاشقِ زار — دلش از دست رفت و دست زکار

رام نیز از نکوئیٔ دلِ دوست — بانکوروی دوست شد در پوست

چوں دو دل را یکے شد اندیشہ — جوشش برزد تنِ ہوس پیشہ

رام کا وّل شد آں صنم راجفت — گوہرِ سفتہ بارِ دیگر سفت

دلِ شاں چوں فراغ یافت زکام — ق — رام راگفت سروِ سیم اندام

کاے گرامی جوانِ زیبا روی — ایں چہ جای است و کیستی تو بگوی

من کہ ناسفتہ بود گوہرِ من — رخنہ کردی بلولوئے ترِ من

ویں زمانم زپردہ کردی دور — باز در پردہ چوں شوم مستور

لے اے دردل حسرت وصال رام پیدا شد ۱۲

صبحدم چون بپرده جویندم | گر نه بینند پس چه گویندم

مردنِ آدمی بنا کامی | بهتر از زیستن به بدنامی

رام گفتش که دل مدار غمین | که منم شهریارِ روی زمین

دارم اندیشهٔ بکارِ جهان | کاین چنین گشته ام بپرده نهان

چون برافتد نقابِ امیدم | هم تو روشن کنی که خورشیدم

لیک سوگند می خورم بخدای | ق آنکه هستی پا مرا اوست بپای

که چو خسپم بچارِ بالشِ خویش | جز تو همخوابه بجویم بیش

زان وثیقت عروسِ ترساخوی | کرد اندیشه را از دل یکسوی

همه شب با نشاط و شادی بود | با قبادی و کیقبادی[1] بود

صبح چون رخ ز پرده بیرون کرد | پردهٔ چرخ را پر از خون کرد

رام بربست ماه را در برج | خود برون شد ز در چو لعل ز درج

صندل آلوده رو ببست نقاب | درزمان پیشِ خواجه شد بشتاب

خواجه باز از درونه نگران | نعره زد چو سوختهٔ جگران

که بجان آمدم ز غمخواری | مردم[2] از مردمم روا داری

جگرم گشت دیو را توشه | چون توان زیست بی جگرگوشه

دیده بی مردم این چه بینائیست | خانه بی پرده این چه رسوائیست

---

[1] با عشرت شاهانه شب بسر برد ۱۲

[2] حجب = مردم

مردمی کن کہ من بچشمِ نیاز | مردمِ چشمِ خویش بینم باز
مادرِ پیر گفت ولِ خوشش دار | سینہ ز اندیشہ ناخوشش دار
امشب از جست جوے مادرِ خویش | باز بینی جمالِ دخترِ خویش
خواجہ از استوارے کارش | خاطر آسودہ شد ز گفتارش
شبِ چو شد جامِ مہ شرابِ[1] آلود ق | چشمِ خورشید گشت خواب آلود
رام در خواب کرد چشمِ عروس | خانہ بردش بگاہِ بانگِ خروس
مردمِ دیدہ را چو دید پدر | جائے کردش درونِ دیدۂ تر
چند گہ چوں شد از گزند آزاد | باز نو کرد فتنہ را بنیاد
رام گفتا کہ رنجِ من چو از وست | کینش از دیگراں کشم نہ نکوست
بعد ازیں کارِ او ز سر گیرم | پردہ از روے کار بر گیرم
جست دعوی گری مخالف خوی | زیرک سخت خشم و حجّت جوی
داد بیروں بخشم و کینۂ خویش | داغ دستور سوزِ سینۂ خویش
گفت زیں داغہاے دود اندود | خواجہ را داغِ بندگی نہ زدود
شعلہ چوں بر زند ز خامۂ او | داغِ او بس خطِ غلامیِ او
داغِ او از سریں چو برخوانی | داغدارت شود بہ پیشانی
گر بکوشش زنی دریں رہ گام | ہرچہ او دارد آنِ تست تمام

[1] شراب مراد از روشنی ماہ ۱۲

مردِ روزی طلب ز شادیِ مال — رفت در پیشِ بادشا در حال

چنگ در زد بدامنِ دستور — گفت کز من مشو چنیں مستور

چوں غلامِ منی و حلقه بگوش — خواجه بشناس و خواجگی مفروش

قیمت خود بدامنم رد کن — خواجه را نیز بندۀ خود کن

کارداران شاهِ راد[1] پرست — به پژوهش زدند بروی دست

کانچه ملکیتش روا دارے — مِلکِ تو باشد ار گوا دارے

مردِ حاضر جواب گفت که من — شیرخواره خریدمش به یمن

پرورش کردمش چو فرزنداں — تاش نوروز[2] عمر شد خنداں

چوں جواں گشت و خویش را بشناخت — با دغا پیشگاں دغا می باخت

کار ایں کز فراخ مزدی بود — حقه[3] بازی و مهره دزدی بود

چوں بهر جا گرفتمش خفته — کردمش داغ جفته[4] بر جفته

گرفتند بر گوا حوالۀ من — داغِ او بس بود قبالۀ من

خلق زاں خار خارِ[5] بے آزرم — سر فگندند چوں بنفشه ز شرم

خواجه چوں دیدکش بپرده راز — نامه باز ست و حرفها[6] غماز

بنده گشتش ز راهِ دانائی — معترف شد بوهمِ[7] رسوائی

---

[1] راد بمعنی سخی و شجاع ۱۲ [2] اے تا آنکه عمرش بحد بلوغ رسید و نشاط انگیز شد ۱۲

[3] اے قمار و غیره مباحث ۱۲ [4] جفته بمعنی سُرین ۱۲ [5] خصومت بے صلح ۱۲

[6] مراد از حرفها داغهائے سرین ۱۲ [7] حجب = به بیم

درمیاں آمدند مردے چند | کاردانانِ مصلحت پیوند

صلح کردند با توسطِ حال | قیمتِ خواجه را به مبلغ و مال

خواجهٔ خواجه ها ہم بداں زودی | گشت زانجا رواں بخشنودی

چندگه رفت و باز خواجهٔ خس[1] | کام دل را بسر فگند ہوس

رفت چوں بادہ بادہ کش می بود | در حرم با حرام خوش می بود

رام گفتا که چند کوشیدم | کانچه پوشیدنی ست پوشیدم

لیک چوں خواجهٔ مخالف و شوم | ق کو ز شہوت شده است نامعصوم

گشت لابد فضیحه بر جانم | کاں کنم بر سرش که بتوانم

چشم میداشت ہم بریں تدبیر | تا برآماج گه رساند تیر

تا یکے روز بود ہم در پے | خواجه با غمگسار و شه در مے

شحنه در کوے می شمرد خراج | دزد می کرد قلعه را تاراج

فرصتے یافت رامِ فرصت خواه | برقع افگند و شد بخدمتِ شاه

پیش ازاں خود ببازی[2] دستور | شاه را گشته بود خاص حضور

بارہا در شدی بمجلسِ خاص | گه نوازن شدی و گه رقاص

گاه کردے بغمزه عربدهٔ | گه نمودے بپرده شعبدهٔ

چوں درآں روز ہم به بہروزی | کرد ہرگونه مجلس افروزی

---

[1] خس یعنی کمینه ۱۲   [2] حجب = تر یاری

گفت شاہا بہ بیں کہ من بفسوں | بازئ میکنم ز پردہ بروں
در فسوں شد عجوزِ شعبدہ باز | داد افسونِ خواب را پرواز
تا بخلوت سرائے عیش و سرور | بانوئ شہ بخفت با دستور
پس اشارت بسوئے دیو نمود | کہ برآں خفتگاں دوید چو دود
خواب شاں خود ربودہ بود چو بخت | دیو ہم در ربود شاں با تخت
پس بہ پیشِ ملک برابر داشت | رام زانجا حرارہ[۱] بر داشت
چوں نگہ کرد شہ چہ بیند باز | حرمش با وزیر خفتہ بناز
از نوائے ترے ترانہ زناں | ہر دو برخاستند نازکناں
چوں کشادند چشمِ بستہ ز خواب | شاہ دیدند و بزمگاہِ شراب
محرماں سر بخود فرو بردند | محرماں خود زخیرگی مردند
شاہ در خشم شد زمادرِ پیر | گفت کای زرق سازِ پُر تزویر
گر تو در پردہ بازئے بازی | لعبت از پردہ ہائے من سازی
بر تو گر آشکار شد کارے | در نہاں باز گو مرا بارے
نہ چناں کز گزافِ خود درائی | اینچنینم کشی بہ رسوائی
آں کنم بر سرت بپردۂ راز | کت بگرید سپہرِ لعبت باز
رو کنوں تا زکار سازئ خویش | باز مانی ز خواب بازی خویش

۱؎ حرارہ بمعنی نعرہ و آواز ۱۲

این سخن گفت و کرد اشارت تیغ	تیغ زن تند در رسید چو میغ
چون چنان دید رام برقع بند	برگرفت از قمر نقاب پرند
شه چو چشم اندران جمال انداخت	صندل آلوده بود رخ نشناخت
قدرے آب جست و رخ را جست[۱]	تا پدر روشناختش بدرست
نعرهٔ زد چو سوخته جگران	گریه افتاد نیز در دگران
رام برخاست با دو دیدهٔ تر	رفت غلطان بزیر پائے پدر
پدرش گرم در کنار گرفت	فرقش از دیده در نثار گرفت
آنکه هجران شان زهم بگسست	هر دو خون گرم بود در پیوست
تا بدیرے بهم در افتادند	بوسه[۲] بر دست و پائے میدادند
چون دو دل را به بهترین بختے	داد شد داد آرزو لختے
ماجرائے که بود در دل رام	اندک اندک فرو خواند تمام
آن ز مادر وبال دیدن خویش	وان به تهمت سفر گزیدن خویش
قصهٔ کحل و چشم بندیٔ خواب	بازیٔ دیو آدمی به نقاب
وان بشهر اندر آمدن مستور	حمله بردن بسیلیٔ دستور
وان بداغ سریں گداختنش	پس بدان داغ بنده ساختنش
سرگذشتے که داشت چون همه گفت	شه ز شادی چو برگ گل بشگفت

---

[۱] عجب = شست [۲] جب = بوسه بر روے یک دگر دادند

آن دو نو فتنه را بکین کمن ‏ ‏ ‏ ‏ ہم بدو داد کانچہ دانی کن

رام زانجا کہ بود با آزرم ‏ ‏ ‏ ‏ بود بر سر فگندہ دامنِ شرم

دادشان توشۂ فراخورِ خویش ‏ ‏ ‏ ‏ پس برون کردشان ز کشورِ خویش

دختِ خواجہ را نشاندہ بمہد ‏ ‏ ‏ ‏ برد و آمد برون ز عہدۂ عہد

شاہ نیزش چو دید کار آگاہ ‏ ‏ ‏ ‏ بولی عہدیش نشاند[1] پگاہ

رام بہ نشست بر سریر بلند ‏ ‏ ‏ ‏ کارہا را بنائے تازہ فگند

بود صندل چو سرّ اسرارش ‏ ‏ ‏ ‏ صندلی شد نمونۂ کارش

تختِ والا ز چوبِ صندل ساخت ‏ ‏ ‏ ‏ کرسیش نیز صندلی پرداخت

داشت زان پس ہمہ بصلح و بجنگ ‏ ‏ ‏ ‏ علم و چتر و جامہ صندل رنگ

رنگِ صندل لطیف تر باشد ‏ ‏ ‏ ‏ تریش دفعِ دردِ سر باشد

ز آبِ صندل تبان کہ رخ شویند ‏ ‏ ‏ ‏ ز و طراوت برنگ و بو[2] جویند

رنگِ خوبان خوش ست صندل فام ‏ ‏ ‏ ‏ خوش بود سروِ صندلین اندام

چون ز لب ریخت سروِ صندل سود ‏ ‏ق ‏ ‏ شربتِ صندل و گوارشِ عود

شاہ سینہ بسینہ کردش جفت ‏ ‏ ‏ ‏ صندل آلود سینہ را و بخفت

معطر کردنِ بہرام و زآدینہ بہشتِ ہشتم را و در گنبد کافوری

---

[1] جب = نہادہ کلاہ ‏ ‏ ‏ [2] ج = بہ رنگ و رد

بابزم آرای خوارزمی لباسِ خیرالثیاب الابیض پوشیدن

روز آدینہ کز خزانۂ نور — سر برون زد شمامۂ کافور

کرد بہرام با ہزار امید — جامۂ کافور فام چون ناہید[۵]

لب پُر از خندہ چون گلِ سوری — شد بگنبد سرائے کافوری

بہ لطافت نگارِ خوارزمے — کرد ترتیبِ رونقِ بزمے

خدمتِ خاص رامیان بربست — ہمچو ہندوئ آفتاب پرست

از لب جام و جام لب بر پے — گاہ مے داد گہ گوارشِ مے

شاہ با آن بہارِ دیدہ فروز — بادہ می خورد تا بآخرِ روز

شب چو خورشید بست پردۂ تار — شد فلک پر ز صد ہزار نگار

رونقِ عیش بے مدارا کرد — رغبتِ ہر شب آشکارا کرد

گفت با آفتابِ سیمبران — تا سگالد فسانہ چون دگران

نازنین چشمہائے خواب آلود — در کفِ پائے شاہِ عالم سود

گفت کای خسروِ زمین و زمان — زیرِ فرمانِ تو ہمین و ہمان

تا سپہرِ بلند برپائے است — ق — نورِ خورشید عالم آرائے است

در جہان مملکت فزائی کُن — بادشا باش و بادشائی کُن

۵؎ ناہید ستارۂ زہرہ کہ بر فلک سوم تابد ۱۲

چہ بود تحفہ مورِ بے جاں را | کہ کند پیشکش سلیماں را
لیک چوں دستِ من بنیلِ عطاست | کرمِ شاہ پردہ پوشِ خطاست
نقد کم سکہ را عیار دہم | کاسدی را رواجِ کار دہم
از بزرگی و دانشِ آگاہی | ق این شنیدم کہ پیش ازیں گاہی

افسانہ گفتن لعبت کافوری بر فغفور مزاج و آتشِ بہرام را بآبِ کافور اشتعال دادن

در ختن بود فیلسوفے چست | رازہائے ستارہ کردہ درست
خامہ بر تختۂ فلک راندہ | واں ہمہ تختہا فرو خواندہ
وقتہائے شناختہ بہفت | کہ درآں وجہا درا درگفت
راست کردے برہنمونِ حکیم | صورتی زآہن ومس وزر وسیم
گہ نمودی نہفتہ ہائے جہاں | کردی آگہ ز رازہائے نہاں
ساختی مرغ کآمدی بہ نوا | بر پریدی چو جانور بہوا
تیزیِ خاطرش کہ موئے شگافت | وقتی از وقتِ آسماں دریافت
ساخت از روی ومس یکی تمثال | کہ بجنبد وبچیزہائے محال
چوں شد آراستہ نمونہ چیست | آزمونش نمود ویافت درست

ولہ ن = کہ نمودے

پیش فرمانده دیارشس برد	هنرشس گفت بعد ازاں بسپرد
کردشه نیز آزمونِ هنر	واں هنر یک یک آمدش بنظر
داد سازنده را خزینه بسے	کاں خزینه نداده بود کسے
پس بفرمود کاں صنم بشتاب	بر کشیدند پیشِ صفحهٔ خواب
چوں زهرکار و بار پرختی	چشم بر روے گماشتی لختی
باز گفتے حکایتے زمحال	در زماں خنده کردی آں تمثال
خوی آں بادشاه بود چناں	کز عروساں کشیده داشت عناں
خوانده بود از کتابِ دانایاں	که ندارد فریبِ شاں پایاں
خوی شاں خالی از جفا نبود	در دلِ سختِ شاں وفا نبود
همچو آئینه در مقابلِ شوے	آهنیں دل بوند و روشن روے
روزے از میلِ زن شده به نفیر[۱]	ماجرا باز گفت پیشِ وزیر
پاسخش داد مردِ کارشناس	که خزینه خطا بود بے پاس
مرد جائے که هوشیار بود	باز نشش فتنه را چه کار بود
عسسِ کوے تا بود بیدار	کفِ دزداں کجا رسد بحصار
چوں ببازار خواجه مست اُفتاد	زشت باشد زکیسه بر فریاد
تو جوانی و طبع پیرت نیست	از نشاطِ حرم گزیرت نیست

---

[۱] نفیر بمعنی متنفر لیکن دریں بیت بمعنی فریاد آمده ۱۲

شاہ کز نسل سبے عطا باشد | ملک بے وارثے خطا باشد

بہ کہ جوئی درآرزو راہے | در شبستان درآوری ماہے

بر یکے نیز بس مکن زنہار | کز یکے[1] کشت سہل خیزد بار

پادشاہی[2] توکم مشو زخروس | کہ جدا بنود از سہ چار عروس

جفتِ خود کن کسے کہ باید کرد | آزموں کن چنانکہ شاید کرد

آنکہ نیک ست خاص کن بہ خویش | دیگراں را بروں کن از درِ خویش

کردشہ آں فسانہ را در دل | شد بدنبالِ لعبتانِ چگل[3]

باز می جست در ولایت و شہر | خبر از مردمانِ دانش بہر

تاکہ دارد زخسروانِ جہاں | روئے پوشی[4] بپردہ ہائے نہاں

چوں نشاں یافت زاں نشانہ کہ خواست | ق | وآگہی است گشتش از چپ و راست

نامزد کرد کاردانان را | ہوشمنداں و مہرباناں[5] را

ہر یکے را بسوئے تاجورے | کارداز سلکِ نسبتش گہرے

بازر و جامہ و جواہر و طیب | خدمتے با و چیزہائے غریب

وانگہی زاں نمط کہ فرماں بود | ہر یکے[6] جانبے رواں شد زود

می نوشتند روز و شب راہے | سوئے ہر شہریاری و شاہے

---

[1] بار سہل خیزد اسے غلہ اندک پیدا می شود ۱۲

[2] حجب = پادشاہی مباش

[3] شہریست حسن خیز در ترکستان ۱۲

[4] اے دختر صاحب عصمت ۱۲

[5] ج = خردہ کاراں

[6] حجب = ہر کسے

در پسِ پردہ راز می جستند — جستۂ[51] شاہ باز می جستند

تا رواں شد بکار خانۂ بخت — چار دختر ز چار صاحبِ تخت

بازگشتند خوش دل و خنداں — کام حاصل امید صد چنداں

در رسیدند و پیشِ شاہ شدند — بزمیں بوسِ بارگاہ شدند

تازہ کردند شرطِ مسند بوس — پیش بردند مہدِ چار عروس

شاہ زاں خدمتِ پسندیدہ — بارِ منت نہاد بر دیدہ

ہر یکے را بہ زر تونگر کرد — پایہ شاں زآنچہ بود برتر کرد

پس فرستاد با تنعم و ناز — بانواں را درونِ پردۂ راز

شاہ را بود کوشکے چو بہشت — کنگرِ او بر آسماں زدہ خشت

راست کردہ بہ نسبت و ہنجار — چار جانب عمارتے چو نگار

یک طرف باغ - زیرِ سایۂ شاخ — رودِ آبے رواں بزرگ و فراخ

نزد بانے ز کاخ بردہ فرود — کہ رود شاد در کرانۂ رود

کرد از جانبِ دگر گزرے — باز کردہ بپائگاہ[52] درے

نزد بانے بزیر بردہ کہ شاہ — سوے آخور[53] شود گہہ و بیگاہ

سوئی زاں علف سراے شتر — اندروں و بروں ز رنجی پر

---

[51] اسے مطلوب ۱۲ [52] پاے گاہ مرکب از پا کہ معروف ست و گاہ بمعنی جگہہ - اسے جائے پلے چہار پایاں فارسیان طویلہ اسپان را پایگاہ گویند ۱۲

[53] آخور بمعنی اصطبل ۱۲

نردبانے دگر کشیدہ بزیر | تا رسد بر شتر نوازشِ شیر[۱]

چار می سوے کارخانۂ مے | ساقیانِ چو مہر و مہ در وے

راست کردند برگِ خانہ تمام | چار بت را درونِ چار مقام

شب چو پیرایۂ عروساں بست | راہِ فریاد بر خروساں بست

خاست از بارگہ یکے بشتاب | رفت سوے نگارخانۂ خواب

داد فرماں بساط بوساں را | کآورید نو عروساں را

آمدند آں شکر لباں روپوش | گیسوے عنبریں کشیدہ[۲] بدوش

مقنعِ[۳] ناز در کشیدہ بہ فرق | فرق تا پا میانِ گوہر غرق

ہمہ فربہ سرین و موی میاں | از خرامش میانِ شاں بزیاں

دُرِ یاقوت شاں بگوش بسے | لیک یاقوتِ شاں نہ سفتہ کسے

زلفِ شاں مشک بر سمن بیزاں | زیرِ ہر موے صد دل آویزاں

نرگسِ مستِ شاں بفتنہ و فن | پارسا سوز بلکہ توبہ شکن

ہر یکے شوخے و ستمگارے | خانہ ویراں کنے و خونخوارے

شہ چو دید آں چہار چشمۂ نور | گشت ہوش و صبوری از وی دُور

ہر یکے را بہ لطف بالا خواند | پہلوے خویش بر سریر نشاند

کرد لختے بہ لعبہ و بازی | با فسوں خواندگاں فسوں سازی

---

۱ مراد از بادشاہ ۱۲ ۲ حجب = فگندہ ۳ چادر باریک کہ یک عرض باشد ۱۲

پس یکے زاں چہار لعبتِ چیں | از پئے خوابگاہ کرد گزیں

دیگراں خاستند با صد ناز | در شبستانِ خود شدند فراز

شہ چو گل راز خار خالی یافت | و آنچہ صد سال جست حالی یافت

با شکر خندہ شد بشیرینی | در گل افشانی و شکر چینی

گاہ بر سیبِ سادہ سود انگشت | گہ در آورد نارِ تر در مشت

ناگہاں درمیانِ لابہ و لاغ | ق کہ گل و میوہ می ربود ز باغ

داشت لختے بہ کف گلِ خوشبوی | سرو گل روی را بزد بر روی

نازنیں شد ز نازکی بیہوش | شاہ کآں دید بر کشید خروش

زاں عمل کز[1] خرد نبودش نور | خندہ زد لعبتِ[2] طلسم از دور

شاہ لختے بخویش باز آمد | بارش اندیشۂ فراز آمد

چوں ازاں بیخودی صنم برخاست | نظرے میفگند در چپ و راست

چشم ناگہ فتاد بر زبرش | و آمد آں نقشِ فتنہ در نظرش

دید روئینہ پیکرے بر سر | راست کردہ بکیمیائے ہنر

زیرِ مقنع فرو نہفت جمال | گفت نامحرم ست ایں تمثال

آں نو آئینِ خیالِ قہقہہ زن | باز ور خندہ باز کرد دہن

بادشاہ از دلِ خیال اندود | در عجب ماند کیں چہ خواہد بود

---

[1] از صدمۂ ضربِ گلہائے تر بیہوش شدن ۱۲

[2] تصویرِ طلسم کہ بر محالات می خندید ایں وقت ہم خندہ زد ۱۲

بود تا روز با صنم به نشاط | رازِ دل[51] را فرو نوشته بساط
گشت چوں لعبتِ فلک خنداں | کرد پنہاں عروسِ شب دنداں
آفتابِ شبانه را فرمود | جا به برجے که سوئے آخر بود
وآنچه نزلے عروس را شاید | شد مہیا چنانکه می باید
پس به فرمود با وکیلِ سرائے | شد بسروِ دگر سحر برآرائے
خود چو شاہاں برہمنونیِ بخت | ق | با عروسِ دگر نشست بتخت
دید مردم کشے بناز و خوشی | بوسه بازی نمود و زلف کشی
ناگہانش کشید در آغوشش | پشتش از شقه[52] کرد قاقم[53] پوشش
باز قاقم چو پشته نهاد برو | خار خارے در اوفتاد برو
تہِ دامانِ شقهٔ بے صبر | جست زاں تہ چو برقی از تہِ ابر
گفت کافگار گشت پشتِ مرا | موئے قاقم خلید و کشت مرا
باز شد پیکرِ ہنر خنداں | شاہ را شد خیالِ صد چنداں
تازه کرد از طریقِ دم سازی | با غلط بازِ خود غلط بازی
گفت کاحسنت شاد باش آں تن | که بود موئے قاقمش سوزن
چوں تنت را لطافت افزون ست | رو در آئینه بیں که تا چون ست

---

[51] اے رازِ دل در دل نہاں داشت ۱۲
[52] شقه بمعنی پارچه وجامه وکاغذ وغیره ودر منتخب بمعنی جامهٔ پیش شگافته ۱۲
[53] قاقم بضم قاف دوم جانوریست که پوستش بغایت سفید وملایم باشد وازاں پوستیں سازند ۱۲

در صنم درگرفت شیوهٔ شاه — آینه برگرفت و کرد نگاه

شاه رو برد سوی پهلویش — تا در آئینه بنگرد رویش

چون صنم عکس شه در آئینه دید (ق) — باد شاه دگر معاینه دید

روی نهفت کین کدام کس ست — کش بدیدار چون منی هوس ست

در چنین روی کز همه کم نیست — جز تو عکس تو نیز محرم نیست

باز در خنده شد خیال[۱] حکیم — دل شه گشت زان خیال دو نیم

با صنم هیچ زان خیال نگفت — کام دل راند تا به روز نخفت

قندز[۱] شب چو مه فگند ز دوش — گشت سلطان[۲] صبح قاقم پوش

قاقم اندام را اشارت کرد — تا شود سوی پرده راه نورد

جایگاهش بمنظری فرمود — که رهش سوی ساربانان بود

اتفاقش چنان فتاد آن روز — که بود هم بروز بزم افروز

سوی ماه را بحضرت[۳] خواند — پیش خود با هزار ناز نشاند

گلشنی بود پیش منظر خاص — بلبلی گرد هر گلی رقاص

حوضه در میانش بسته ز خشت — هشت در هشت همچو جوی بهشت

---

[۱] بضم قاف و سکون نون وضمه دال مهمله و زای معجمه نام ولایتی قریب ظلمات و نام جانوری سیاه رنگ مشابه سگ و مجازاً پوست آن را نیز گویند از برهان و سراج و کشف و در لغات ترکی نوشته که قندز نام ولایت ست میان بلخ و بدخشان و جانور آبی که پوست او بغایت گرم بود ۱۲ [۳] نسخهٔ جب = طلسم

[۲] معنی مصرع اینکه آفتاب گرم شد ۱۲ — [۳] نسخهٔ جب = بخدمت

ماہیان درمیانش بازیگر — ہر یکے راگوش حلقۂ زر
کشتیِ ساختہ زپارۂ عود — چوں مہِ نو درآسمانِ کبود
لعبتے چند کردہ دروے ساز — چوں بدریا مسافرانِ جہاز
گشت لخطے بہارِ سوسن بوے[1] — در تماشائے باغ و سبزۂ جوے
چوں زگلشن بحوضِ گلشن دید — چشمِ ماہی فراخ و روشن دید
درزماں روے زآستیں بنہفت — ق — پس بناز و کرشمہ باشہ گفت
کیں ہمہ ماہیاں درآتش زیز — کہ نگہ می کنند بر من تیز
من کہ ازچشمِ مادہ پرحذرم — آنکہ نرشد چرا کند نظرم
ایں سخن باز کاں خیال[2] شنید — خندہ برداشت کاں محال شنید
ملک آں خندہ را غلط نشمرد — لیکنش ہم بخندہ بیروں برد
گشت بازاز رہ فسوں خوانی — باپری چہرہ در سلیمانی
چوں بنود از طریقِ عیش دمے — خندہ ولاغ باچنیں صنمے
صنمِ لالہ رخ دگربارہ — برسرِ حوض شد بنظارہ
بادناگہ بسوئے کشتی تاخت — واں ہمہ لعبتاں درآب انداخت
چوں نگہ کرد غرق گشتنِ شاں — ق — واں زمہرآب برگذشتنِ شاں
لرزہ در شخصِ نازنیں افتاد — کزچناں لرزہ برزمیں افتاد

---

[1] مراد از معشوقہ سوسن بو ہے ۱۲ [2] مراد ازہماں پیکر طلسمی ۱۲

باز در خندہ شد طلسمِ جناں — کہ ملک رازدست رفت عناں
لیک چوں روئے دل بکار نداشت — وانگفت از دل غبار نداشت
زد بروے بتِ رمیدہ[1] گلاب — تا دو چشمش کشادہ گشت زخواب
پس بنقل و شرابِ جاں افروز — بود با او بخوشدلی ہمہ روز
آخر آں ماہ روے روز نشیں — خواست کش منزلے شود تعیین
گشت فرماں کش آورند فرود — در رواقے کہ بود بر سرِ رود
ماہ چوں زد بر آسماں خرگاہ — گشت شب پردہ دارِ خرگہِ ماہ
شاہ در خرگہِ نشاط نشست — ماہِ چارم میاں بخدمت بست
با ہزاراں ہزار زیور و زیب — شد رواں تا بروز شاہِ شکیب
دید چوں مسندِ جہانداراں — خاک بوسید چوں پرستاراں
بر زمیں کرد پائے خدمت سخت — تا نخواندش نرفت بر سرِ تخت
سر براہِ فگندگی می داشت — جاں بہ تسلیمِ بندگی می داشت
بود در پایۂ رضا طلبی — نہ چو دیگر بتاں بہ بو العجبی
تا فروزندہ شد جہاں را ماہ — بود پائیں پرستِ خدمتِ شاہ
صبح چوں برگرفت جامِ شراب — زنگیِ شب زجرعہ گشت خراب
شد بفرمانِ شاہِ سروِ جواں — سوے برجِ شراب خانہ رواں

---

[1] مراد از معشوقۂ بیہوش او فتادہ ۱۲

گشت زاں چار ماهِ حور سرشت　　کوشکِ چار سو چو هشت بهشت

پس برافروخت شه زشادیِ مغز　　داد با خویشتن قرارِ نغز

که بود بعد ازاں بهر ماهے　　هفتهٔ میهمانِ هر ماهے

با سه همخوابه رغبتش خوش بود　　دلش از چارمیں مشوش بود

گفت هست آں سه دُرز درجِ گراں　　نازپروردِ تختِ تاجوراں

چارمیں تخت را نه درخور دست　　[۱]چو گدایانِ رنج پرور دست

هر کرا پرورش بناز بود　　نازنین و کرشمه ساز بود

وانکه خود را کسے نداشت عزیز　　چاپلوسی کند بسانِ کنیز

دلش آسود بر چنیں غلطے　　بر خطِ راست برکشید خطے

با سه بانو سه هفته بود شاد　　از چهارم [۲]گہے نکردے یاد

یکشب از جامِ باده مست و خراب　　خفته بود اندرونِ خانهٔ خواب

درکنارِ آں بهارِ دیده فروز　　کز گل آزرده شد نخستیں روز

چوں درآمد ز خواب یافت تهی　　بسترِ خواب راز سروِ سهی

سر برآورد و دید در چپ و راست　　چوں ندیدش ز خوابگه برخاست

سوے هر منظر و رواق دوید　　رفت و آنرا که دید نیست ندید

هر عمارت که رفت بر سرِ او　　دید قفلے نهاده بر درِ او

۱؎ جب = کز　　۲؎ جب = دمے

بر درِ نردبان چو رفته فراز — دید قفلش فتادہ و در باز

برگرفت از سرانِ[۱] خود شمشیر — وز سرِ نردبان دوید بزیر

خویشتن را نهفته داشت درون — وز پسِ در نظر فگند برون

دید خربندہ[۲] زنگیِ سرمست — ق — از سرِ خشم تازیانه بدست

بر تنے کز گلش رسید آزار — میزد آن تازیانه را ہر بار

بانگ میزد بر آہو از شیرے — کہ چرا ماندۂ بدین دیرے

او ہمی گفت نرم نرم کہ شاہ — تا نخسپید چگونہ گیرم راہ

شہ چو بشنید ماجرائے عروس — رخ گشت از غضب چو خونِ خروس

آمد اندر دلِ خرد بنیاد — خندۂ لعبتِ[۳] طلسمش یاد

خواست کز کنجِ در برون تازد — ہر دو را سر بدامن اندازد

لیکن اندیشہ کرد در دلِ خویش — ق — کین دو را گر سر افگنم در پیش

لعبتانِ دگر شوند آگاہ — من براسرارِ شان نیابم راہ

بازپس گشت ہم بدان تدبیر — رفت و در خواب شد بروے سریر

یافت چون بانو از حریف خلاص — آمد او ہم درون بہ بسترِ خاص

چون رہا[۴] شد ز دیوِ ظلمت حور — گشت زان حور عالمے پرنور

---

۱ سران اے بالین ۱۲ — ۲ خربندہ اے خادم وسائیس خر ۱۲ — ۳ جب = صورت

۴ عبارت از طلوع سحر ۱۲

شاہ منزل بہ برجِ دیگر کرد — ماہِ آں برج را منوّر کرد

بادہ میخورد یا شکر لبِ خویش — راز را مہر بست بر لبِ خویش

منتظر تا بشب کے[1] آید روز — کو شود بر مرادِ خود فیروز

رفت خورشید چوں بموجِ خاک — مہ بر آمد بہ تختۂ افلاک

شاہ پیشِ عروسِ شاہ پرست — تہ بہ تکلف نمود خود را مست

بے خبر وار سر بہ بالشش برد — در دیدہ بقفلِ خواب سپرد

چوں گذشت از شبِ سیاہ دو پاس — نازنیں را بدل نماند ہراس

خاست از پہلوے ملک بشتاب — سوئے منظر دوید چوں مہتاب

گشت در دستِ نفسِ فتنہ زبوں — در بہ بیروں کشاد و رفت بروں

ساربانے در آں سراے شتر — بود در کوئے آں طویلۂ[2] دُر

آنچناں صید[3] سے آمدہ بنشاط — وز پلاسِ شتر فگندہ بساط

چوں صنم در رسید جست ز جائے — زلف بگرفت و او فگند زپائے

پس بزورش در آورید بزیر — بر سرِ خار ہائے چوں شمشیر

پشت کز قاقمے فگارش بود — تکیہ بر دو رباشِ خارش بود

---

[1] اسے روز کے شب شود ۱۲ [2] طویلہ در اصل بیاے معروف ست لیکن فارسیان بیاسے مجہول نیز استعمال کنند و آں رسنے دراز باشد کہ بداں پاے چند اسپاں می بندند و مجازاً بمعنی مکان و عمارت کہ در آں اسپاں را نگاہ دارند و طویلہ بمعنی سلک و رشتہ مروارید نیز آید و اینجا مراد از طویلہ دُر معشوقہ دومیں ۱۲

[3] ساربان دید کہ آں چناں صید بہ نشاط تمام می آید پس از پلاس شتر کہ سخت و درشت باشد فرش طیار کرد ۱۲

شاہ آں آفتاب رادر حال | رفت پویاں چو سایہ در دنبال
چوں تنِ نازکش بدید چناں | گشت مو بر تنش ز غصہ سناں
غیرتش گرچہ بود پردہ شگاف | نیز نشگافت پردہ را بگذاف
سر کشید از وفای ہمسرِ خویش | رفت و در کرد سر بہ بسترِ خویش
ہمسرش کز برش جدائی یافت | آمدہ نیز چوں رہائی یافت
صبحدم کیں عروسِ روشن چہر | آشنا ور شد از محیطِ سپہر
شاہ زاں بت رہِ جدائی جست | با بتِ دیگر آشنائی جست
شد سوئے برج آب راہ گرائے | کرد چوں مہ ببرجِ آبی جائے
با نوئے آب دار روشن روئے[۵۱] | ریخت در ساغرِ آبِ آتش خوی
شاہ گیتی بکارِ آب نشست | در دلِ دشمن آبگینہ شکست
خوش کسے کاندریں کہن دولاب | آب خوش[۵۲] خورد زیں رہِ بے آب
کآب ندہد بجس یکے کوزہ | شیشۂ آب گونِ فیروزہ
بود تا شیشہ مجلس آرائی | بامہِ تنگ چشمِ یغمائی[۵۳]
آرزو در کنار و مے در جام | بہ ازیں دولتے کجا و کدام
ریخت چوں ایں سفالِ ریحاں روئے | ق | چشمۂ آفتاب را لب جوئے

---

۵۱ حجب = آتش   ۵۲ آب خوش خوردن اے مراد خویش حاصل کردن ۱۲

۵۳ منسوب بہ یغما کہ شہریست حسن خیز در ترکستان ۱۲

بازشه پیشِ ماهِ زرق فروش | خویش را مست ساخت چوں شبِ دوش
سر بیالش نهاد بیخود وار | چشم پوشیده و دلش بیدار
چوں ز شب نیمه تمام گذشت | مردماں را تگِ خرام گذشت
صنم از خوابگاه رفت فرود | جامه بیروں کشید بر لبِ رود
پیش ازاں رفته بود گاهِ فراغ | کرده پنهاں سبوئے اندر باغ
بست و زیر کرد و راند بر آب | چوں گلے کو کند مراغه[1] در آب
چوں یک آماج[2] رفت ز آنجا دور | ملک از غیرتش نماند صبور
جامه بیروں کشید و هم در پے | شد بدنبال در نظاره وے
چوں گذارا[3] رسید لعبتِ سیم | کرد جاں را بکامِ دل تسلیم
هندوئے چوں سگانِ آهو گیر | در کمیں بود بهرِ آں نخچیر
چوں تمنائے خویش در بریافت | ق | وآنچناں ماه بے قصب[4] دریافت
در وے آویخت چوں مگس در قند | داد مه را باژدها پیوند
چوں بدید آں نظاره خسروِ عصر | بادلِ خسته باز رفت بقصر
واں پری نیز چوں ز دیو برست | بسلیمانِ خویشتن پیوست

---

[1] مراغه کردن بمعنی غلطیدن ۱۲ [2] مقدار یک پرتاب تیر ۱۲ [3] گذارا آنرا گویند که ازیں کنارهٔ دریا عبور کرده برکناره دیگر رسد ۱۲ [4] درخیابان نوشته که قصب بمعنی جامه معرب کسب ست بفتحتین وکاف عربی جامه ست که در هند مشهور ست نوعے از بافتهاے ابریشمی درینجا از بے قصب مراد عریاں ۱۲

صوفیٔ صبح خیزِ چرخ ز دور | چون پدیدار شد چو پارۂ نور
شه روان شد که تا شود بقیاس | چار مین سکّه را عیار شناس
رفت در برجِ چارمین خورشید | مجلس آرائے گشت چون جمشید
چون در آن برج روشنائی یافت | ہمه سیمائے پارسائی یافت
ہم نشد خوش که در دلِ نگران | تازه بودش جراحتِ دگران
نازنین برقرارِ خدمتِ خویش | ایستاده چو بندگان در پیش
می نمود از طریقِ دلداری | ہم حریفی و ہم پرستاری
بود در و تازه چون گلِ سوری | تا سیه شد جهان کافوری
شب چو خورشید شد بگوشه نهان ق | وز شغب ماند گوشهائے[1] جهان
شاه بر نسبتِ دگر شبها | مهرِ حکمت نهاد بر لبها
ساخت خود را چنانچه دانی مست | وز رخِ دوست دیده برهم بست
چون بد و رغبتے نداشت خیال | طبع را سوئے او نداد عنان
تا ز شب رفت نیمهٔ کم و بیش | وان صنم دید خوابِ منعم خویش
خاست از خواب و شد بگوشهٔ برج | گشت مستور چون دُر اندر دُرج
دور کرد آنچه زیب و زر پوشید | جامهائے سپید در پوشید
بتضرعِ نهاد رو بخدائے | وز پئے طاعت ایستاده بپائے

---

[1] اے گوشہائے جہاں از شور و غوغا آسود ۱۲

چوں ذلیلاں بعجز مے نالید — دیدہ بر روے خاک مے مالید

شہ کہ بود از کمیں بد نیالش — دید چوں در سلامتی حالش

زاں نهفتہ خداے خوائیِ او — بیشتر گشت بدگمانیِ او

برد ظن کاں نیایش اندر پوست — از براے فریب ناکیِ اوست

آزموں کرد گاہ و بیگاہش — خارِ غیر شش ندید در راہش

داشت در سینہ نیک خوئیِ او — دم نزد باوے از نکوئیِ او

ز آزمونِ تباں چو دل پرداخت — ہر یکے را چنانکہ بود شناخت

بست دل تا کند بپردۂ خویش — ہر یکے را سزاے کردۂ خویش

گفت با خادمے کہ زود خرام — آور از در بروں سبوے خام

رفت پنہاں بباغ زود از زود — خام بنہاد پختہ را بربود

چوں بہنگامِ خویش سروِ جواں[51] — بر لبِ رود شد چو آبِ رواں

از تہِ سرو بن سبو برداشت — راست در زیرِ سروِ دیگر داشت

آشنا کرد و راہ پیش گرفت — رہ سوے آشناے خویش گرفت

راست کاندر میانِ رود رسید — از دگر عالمش درود[52] رسید

در گداز اوفتاد مرکبِ خام — بوکیلِ اجل سپرد لجام

در تہِ آب رفت لعبتِ سیم — چوں بدریاے ژرف دُرِّ یتیم

---

[51] جب = رواں   [52] اے اجل پیش آمدہ سلام گفت ۱۲

اخترش طالعِ سیاهی یافت | ماه منزل ببرجِ ماهی یافت

او شد و کیست کو چنان نشود | بر فلک نیک و بد روان نشود

هر که از پرده رخ نمود چو برق | ز آشنائی چنین سبو شد غرق

شاه چون دل ز یک صنم پرداخت | چارۂ لعبتانِ دیگر ساخت

آنکه از برگِ گل رسیدش کوب | بس بیازرد چون نبات از چوب

آنچنان زد بتازیانه تنش | که چو گل پاره پاره شد سمنش

هم بجنس بندۂ که یارش بود | ساخت جفتش که سازوارش بود

تا در آخور[۱] که خورده پاک کند | یادِ آن دولتش هلاک کند

خوردنش چون بخانه جو باشد | هر زمانیش مرگِ نو باشد

و آنکه نشتیش خراشِ قاقم داشت | ق | دل بدنبالِ ساربان گم داشت

کوفت از خار پاے تا بسرش | تا بهر مو نشکست نیشترش

نیل کز نوکِ خار بر تن بود | راست چون نقش هاے سوزن بود

پس بخواری ز خود گرانش داد | هم در آغوشِ ساربانش داد

تا چو برگیرد اشتران را پشک[۲] | یادش آید ز بوے عنبر و مشک

و آن صنم کز دلِ بسامانش | لوثِ شهوت نداشت دامانش

---

[۱] چون در اصطبل خورده خران و اسپان بروید از یادِ آن تنعم شاهانه هلاک شود ۱۲

[۲] بمعنی سرگین که بهندی مینگنی گویند ۱۲

برکشیدش باحترامِ تمام | بانوِ بانواں نہادش نام

کرد عہدے کہ تا بود عہدش | ماہِ دیگر نتابد از مہدش

بسکہ آں پاک دامنِ پر نور | داشت جامہ سفید چوں کافور

شہ موافق شد اندراں کارش | گشت کافور گوں شبِ تارش

پس ازاں چوں بیاضِ نامۂ شاں ق | بود کافور فامِ جامۂ شاں

جامہ کافور گوں بہ است بساز | کہ زخیر الثیاب[52] یافت طراز

پاک رنگ ست رنگِ کافوری | نامہارا بیاضِ مغفوری

چوں شود موئے آدمی کافور | موئے او را خدائے خواند نور

روزِ روشن کہ سر بسر نورست | ہمہ نورش برنگِ کافورست

شہ کز افسانہ ماہِ منظورش | داد کافور چوں سقنقور[53]ش

ہمچو کافور ماہِ زہرہ تاب | گشت بادیکے و رفت بخواب

بعد ازاں زندہ بود تا بہرام | ہمبریں گونہ داشت عشرت و کام

ہر شب از گنبدے گذر می کرد | عیش در گنبدِ دگر می کرد

چندگہ زیرِ ہفت گنبدِ نور | نشد از عیشِ ہفت گنبد دور

عاقبت ہفت گنبدِ گردوں | کرد از ہفت گنبدش بیروں

لا حجب = زخیر الثیاب

[52] در حدیث آمده است خیر الثیاب ثوب ابیض یعنی بہترین لباس ہا لباس سفید (کافوری) است ۱۲

[53] جانوریست از حشرات الارض مثل سوسمار یعنی گوه نزد اطبا گوشت آں بغایت مقوی باه است ۱۲

نامِ او چوں زگور نسبت یافت | ہم بگنبد سرائے گور شتافت

داستانِ وفاتِ بہرام و آہنگ او سوی گور و در پئے گور در چاہ فرور فتن و در بوستانِ بہشت رسیدن

قصہ پردازِ شاہِ گنبد ساز | داد در ہفت گنبد ایں آواز

کہ چو بہرام چندے از دلِ شاد | راند گنبد بگنبد اسپ مراد

عاقبت گنبدِ سپہر بزور | شد کشانش بسوئے گنبدِ گور

داد گنبد[۱] کناں و گور زناں | گور پا را بگورِ دشت عناں

جست چنداں بگور و صحرا راہ | کہ درا فگند گورش اندر چاہ

روزی از بس کہ دل بگورش بود | سوئے پہلوے گور شورش بود

بامداداں پگاہ گشت سوار | راند بیروں بجست و جوئے شکار

بادپا را بہر طرف درگشت | میدوانید ہمچو باد بدشت

کردی آں سو کہ کرّہ[۲] راندی تند | پائے آہو زرہ بریدن کند

تیرِ آہو کُشش زدی بصریر | نغمۂ ہندوانِ آہو گیر

زاں نئے تیر میز دازہر سو | گلّہ گور و جستہ آہو

اندراں جستۂ و گلہ پیوست | اشقرش پائے کوفت دست ہبست

---

[۱] گنبد کردن نوعے از جستجو آہو داسپاں ۱۲ [۲] بضمہ اوّل بچہ اسپ ۱۲

از خدنگِ وے ارچہ در ہر جائے   آہواں می شدند کوتہ پائے

لیک او میل جز بگور نداشت   گور پیشش بہ پویہ زور نداشت

تا دریں جنبش از سرِ زورے   خاست از پیشِ آہویش گورے

طرفہ گورے دو دیدہ چوں پرِ زاغ   راست چوں در سرانِ گور چراغ

سخت پے چوں کمانِ محکم ساز   خانہ کوتاہ و گوشہائے دراز

یال آزادہ از عناں تازی   گردنش فارغ از سناں بازی

پہلویش زیر چرم گلناری   چوں کماں زیر توز بلغاری

از خرامش خراش در سینہ   زدہ باکوہ و دشت سر سینہ

شکم از خطِ سبزہ بردہ برات   از بروں سبزہ در دروں چو نبات

خطِ پشتش درست و نسخہ باد   راست بایاد یاز خواندہ سواد

در کفلگاہ گرد روشنِ او   گرد گشتہ لطافتِ تنِ او

بستہ از خیزراں و صندل طاق   صندلی راں و خیزرانی ساق

جانِ شیراں بہ پنجہائے دمش   کحلِ گوراں بجفتہائے سُمش

کلکِ پایش چو جامہ چالاک   نصف صفرش رقم بتختہ خاک

تیز گامے چو آسمانِ کہن   تیز پائے زباد کردہ سخن

لہ جیب = آہو   ۲ بضم واو مجہول نام پوست در حقیقت کہ مثل پے بر کمان وزین بکار برند و بلغار بضم اوّل نام شہریست نزدیک ظلمات آباد کردہ اسکندر ۱۲

۳ ل = بے زبانے

بسکه همچون خیال بود بچشم | می نمود و نمی نمود بچشم

دیو نقشے که دل کند شیدا | گاه پیدا و گاه ناپیدا

نه بُدا و چو جانور بسبزه و برگ | دیو جان بود و پیل فرشتهٔ مرگ

گور در پیش می شتافت دلیر | شه بدنبال میدوید چو شیر

زاتش قرش خوی دراں شتاب چکاں | آتشے میدوید آب چکاں

شه عناں را بدو رها کرده | بادرا زد و وال پا کرده

هر خدنگے که سوئے گور کشاد | گور گمبد[۱] زد و خدنگ افتاد

تیر کز مو درست جستی صاف | مو نجستی ازو بگاهِ شگاف

شه بران گور میزدش بشکوه | درنمی شد درو چو مو در کوه

زاں خطا ها سوارِ قادر دست | جست میزد چو تیر شست بشست

ناگه از پیش چاهے آمد تنگ | در فتادن نداشت گور درنگ

توسنِ شاه نیز در پئے گور | رفت[۲] در چاهِ گور گور را کور

آنکه ده میل زاں دو بینش نور ق | سره[۳] کردی زمین نقلب زدور

از قضا کور شد که پیش ندید | چاه را زیرِ پائے خویش ندید

هست در چرخ کحلِ این همه کار | بهرِ بینائیِ اولی الابصار

---

[۱] گمبد زد اے جست کرد ۱۲ [۲] ج = رفت در چاه و شاه شد در گور

[۳] اے تحقیق کردی ۱۲

گور پویاں کہ سوئے چاہ آمد — گور[1] بود آں کہ سوئے شاہ آمد

آنکش از چاہِ گور شور افتاد — عاقبت ہم بچاہِ گور افتاد

ارچہ در گور کس بزور نرفت — کیست آں کو بچاہِ گور نرفت

انجمن شد چو گرد رخنہ سپاہ — مہ فرو رفتہ بود در بنِ چاہ

دلو ہا بستہ شد بحبلِ امید — بر نیامد فرو شدہ خورشید

آفتابے کہ گشت خاک نشیں — آدمی کے برآوردش ز زمیں

آنکہ از چہ خیالِ[2] ماہ کشید — ماہِ سیماب را ز چاہ کشید

آں نہ چہ بود بلکہ غارے بود — تا بنِ چاہ میل وارے بود

چوں تنورِ نو از سیہ تابی — چوں کہن دوزخے ز بے آبی

در چپ و راست غار ہائے کہن — قعرِ ہر غار ناپدید از بن

اسپ دیدند پرز کوب و شکن — کوفتہ باد چرخ در ہاون

برگرفتند از زمینش چناں — استخواں آرد بود و زہاباں

باز جستند سو بسوئے بسے — از سوارش نشاں نداد کسے

از شگافندگاں بگردِ مغاک — کاو کاوے درا وفتاد بخاک

ہر یکے آہنے گرفتہ بدست — جگرِ گل دروں دروں می خست

---

[1] گور در مصرعہ ثانیہ بمعنی قبر ۱۲

[2] دریں شعر اشارہ بسوئے حکمت حکیم مقنع ست کہ ماہی از سیماب ساختہ از چاہ آوردہ بود لیکن بہرام در چاہے کہ افتادہ بود او پایاں نداشت پس چگونہ برآید ۱۲

پاره کردند در یکے فرسنگ | رخنہائے فراخ و فرجۂ تنگ

سرِ متین[51] بقعرِ آب رسید | چشمۂ آرزو نگشت پدید

ز آتشِ سینہا در آں زاری | چشمِ سیماب[52] گشت پنداری

ارچہ سیماب[53] ریخت دیدۂ تر | کیمیا را کسے نداشت خبر

ایں چنیں گنجہا نشست[54] بخاک | کہ تواند کشیدنش ز مغاک

و آنکہ ایں اژدہا کشند بدمش[55] | کے تواں برکشیدن از شکمش

آید آں کآمدیش ہست براز | رفتنی را کسے نیارد باز

خورد خونہاے خلق خاک بسے | کہ یکے خوں ازو نخواست کسے

ساقی آں مے کہ در زمیں در ریخت | چوں کشد چوں بخاک باز آمیخت

گر بغربال کس ببیزد خاک | بر نیاید نشانِ مردمِ پاک

خاکِ بہرام بیختند تمام | بہرہ زاں خاک بود نے بہرام

باز گشتند مردماں زاں غار | دیدہ پر آب سینہ پر زغبار

رفت گوہر ز مشت و خاک بمشت | زاں عجب ماند در دہاں انگشت

چند روزے بغم خروشیدند | جامہاے کبود پوشیدند

---

[51] متین بکسرِ میم و یاے مجہول و کسرِ فوقانی میخ ست آہنی کہ بداں در سنگ شگاف اندازند ۱۲

[52] اے از کثرت گریہ چشمِ مردماں سیماب گشت اے سفید شد یعنی کور گشت ۱۲

[53] سیماب ریخت اے اشک ریخت و در مصرعہ ثانیہ از کیمیا مراد بہرام ۱۲

[54] ج = بسے ست

[55] مراد از زمین ۱۲

آخر الامر دل زگم ہوشی | داد شاں داروے فراموشی
بیں دریں چہ کہ بہر ما کنند | زیں فراموش گشتگاں چند
چرخ گورست نیلگوں سلبی[1] | دانی آخر کہ نیست بے سببی
کس زگیتی کجا خبر یابد | مشت قلّاب راکہ در یابد
عمر آب ست شخصِ[2] مردم دام | کش چو دام ست رخنہاے مسام
زو چو رفت آب ہر کجا خواہی | دیر نبود زمردنِ ماہیے[3]
کہنہ گورے ست گوربا[4]ناں را | گورخاں ست گورخاناں[5] را
ایں مقرنّش[6] رواقِ بے سرِبن | بر سرِ گور گنبد ست کہن
اندریں گنبد آنکہ محرم گشت | غلغلے کرد چند روز و گذشت
آنکہ او خود گلے ست مقدارے | خانۂ سنگیں چرا کند بارے
زندگاں را بود در و دیوار | مردنی را چہ کار با ایں کار
قلعۂ طینت ار چہ چست افتاد | زود ویراں شود چو سست افتاد
چوں رسد سیلش از محیطِ کبود | مرو بالاش زیرِ خاک چہ سود

---

[1] پوست و لباس ۱۲ [2] اے ذات و وجود انساں ۱۲ [3] درینجا مراد از ماہے روح انسان ست ۱۲

[4] گور دوم بواو مجہول بمعنی عیش و عشرت و شراب و بان بمعنی نگاہ دارندہ الف و نون جمع پس معنی گورباناں ارباب عشرت و شاہان جلیل القدر ۱۲

[5] گورخاں لقب بادشاہ خطا و ختن و خان اوّل بمعنی خانہ ۱۲

[6] مقرنس بضم میم و فتح قاف و فتح نون عمارتیکہ آنرا بصورت قرناس ساختہ باشند و قرناس بالضم بمعنی کوہ و مراد از مقرنس عمارت بلند و بناے عالی و رواق بمعنی سقف ۱۲

روزگار اندرونِ ایں چہ پست — جاں طلب میکند چراغ بدست

چہ برو دزد تا کہ شمع نمرد — طرفہ دزدی کہ شمعِ روشن برد

گرچہ مرگ از جفا ستیزہ گر ست — بیوفائی عمر ازاں بتر ست

گل مبیں خشک بر سرِ چہ گور — آں گلِ خشک را نگر تہِ گور

ورقِ گل بگورِ جاناں را — پندنامہ است کارداناں را

لالہ تر کہ رنگِ خوں دارد — خوں ز روہائے لالہ گوں دارد

یا رخ از خونِ آدمی شستہ ست — یا خود از خونِ آدمی رستہ ست

تن کہ خواہد گذاشت ہر چہ کہ داشت — نیکبخت آنکہ نامِ نیک گذاشت

آں بنا کن دریں کہن بنیاد — کز تو خلقے کنند بہ نیکی یاد

از پسِ مرگ یادِ نیک برند — وز پئے مرگِ مرد غم بخورند

آنکہ نامرد ہست و بے تمیز — مردہ باشد بزندگانی نیز

بانگ و شورے کہ میزنند برو — لعنت ست آنکہ می کنند برو

پس چناں باش کز تنِ پاکت — آفرینہا کنند بر خاکت

دوستاں کز پئے تو در شورند — با تو ہمراہ تا لبِ گورند

ہست تا خاک ہمرہِ تو بسے — نیست در خاک ہمرہِ تو کسے

پس ورا یاد کن کہ جاں بخشد — مردنت[ل] عمرِ جاوداں بخشد

ل حجب = ہر دمت

وانکه زینگونه شد مسیح نفس | درصفِ اہل دردیابی وبس
خسروا پای نیک مرداں گیر | بامسیحا نفس زپیش بمیر
بایدت خانۂ حیات درست | ازخضر بایدآبِ حیواں جُست
خواہی ازخاک برسپہر خرام | خاک شو زیرِ پای شیخِ نظام

در تمام شدنِ عمارتِ ہشت بہشت وسیراب گشتنِ مناہلِ لطائف و برآمدنِ نہالہای نامی و در رسیدنِ میوہای جانی و مُرغانِ بی نوا را آواز دادن و بیارِ عام صلا گفتن و از شاخ امرودِ خام برشکستن و دوستانِ جانی را بفاکہہ کثیرہ لامقطوعہ ولاممنوعہ سراپا برخورداریِ کام ارزانی داشتن و صادر و وارد را بدین خلدِ نعیم دعوت کردن

چوں شد آراستہ بنقش و نگار | روی ایں کارگاہ جادوکار
کرد در دیدہ مشتری جایم | و آسماں بوسہ داد برپایم
دید رضواں زہشت خلدبریں | ہشت خلدبریں بروی زمیں

از نسیمش که مغز پرور گشت ... مغز روحانیان معطر گشت

شربتش ذوقِ سلسبیلی داد ... خامه را پرِّ جبرئیلی داد

زین مروق[54] رحیقِ نوشگوار ... عقل هم مست گشت و هم هشیار

این مصفّا زجاجهٔ مے ناب ... که رود جاں ز بوے او در خواب

از ارم ساغرے ست پر ز نسیم ... بل ارم خانہ ایست پر ز نعیم

از مے نو بہ نزہت و رونق ... مثلها فی البلاد لم یخلق

خانہ خاکِ او عبیر سرشت ... خانہاے دگر درو چو بہشت

ہمہ بیتش بگاہِ عرض شمار ... سہ صد و پنجہ و دو و سہ ہزار
۳۳۵۲

سال ہجرش یکے و ہفصد بود
۷۰۱ ... کیں بنا بُرد سر بچرخ کبود

گر بقارا بناے محکم نیست ... چوں من ایں خانہ ساختم غم نیست

زیں ہنر نامہ ہمایوں ساز ... ہر خطے زندگانی ست دراز

ایں نمونہ کہ نقشِ پرکاریست ... از طراز کہن[51] نمودارے ست

ہر چہ در گنج بینش پنہان ست ... ہم عیارش درونِ ایں کان ست

آں زرار چہ سرہ[52] است معیارش ... نیست جز دہ دہی[53] من یارش

پوست گرچہ چو مغز شیریں نیست ... بہتر آں مغز پوست بہ زیں نیست

---

[51] مراد از مثنوی ہفت پیکر مولانا نظامی ۱۲ [52] سرہ بفتحتین و تخفیف در فارسی بمعنی خالص و پاکیزہ و بے عیب ۱۲ [53] بفتح ہر دو دال و یاے معروف بمعنی خالص و کامل عیار و زریکہ در آتش نہند مطلقاً از اں سوختہ نشود و کم نگردد ۱۲ [54] مروق صاف کردہ شدہ کہ اصلا غش در و نبود و رحیق شراب خالص ۱۲

گرچه این دار د انگبیں کارے | هر که را هم بود خریدارے

گرچه گوهر بقیمت ست عزیز | قیمتی هست کهربا را نیز

دُر بتاجِ ملک بود شایان | گوشِ ماهی بزعفران سایان

این رقم کاندرو صفائی هست | گرچه زر نیست زر نمائی هست

نکته گر نشاطِ زیرک تیز | ابلهان را بود فریب انگیز

گر همه کس گزیده باشد و اهل | کس چو من نیز باشد آخر سهل

آنکه باشد چو من تهی مایه | بو که ریزد بدین رقم سایه

خوش بود گل فروش را بستان | خارکش را هوای خارستان

مرغِ صحرا که سنگ خور باشد | سنگش از دُر عزیزتر باشد

نوبتی کز دهل نیاید تنگ | دردِ سر خیزدش ز نغمهٔ چنگ

چون شتابنده راگه و بیگاه | رفتنی شد ازین تماشاگاه

هست درزیر کاخِ فیروزه | آدمی میهمانِ ده روزه

نیکبخت آں کسے که درانجام | زندهٔ جاودانه گشت بنام

آنچه مقصودِ آدمی زاد ست | نامِ نیک ست و آں دگر باد ست

وانچه زاں نامِ مرد ماند دیر | سخن ست و نه خامه نے شمشیر

گر کسے را بود جواهر و گنج | ق | بیش زاندیشهٔ جواهر سنج

یا زند بر بساطِ سلطانی | ملک را سکّهٔ سلیمانی

یا برآرد بگاہِ سر فگنی / سر برونیں تنی و تہمتنی

چوں فرو رفت قالبش در خاک / نام او گردد از ورقہا پاک

چند گاہے چو درمیاں افتاد / ہیچکس را ازو نیاید یاد

مگر از نامۂ سخن سازے / کہ بماند بعالم آوازے

ایں ورق کز نشاط دارد بہر / یادگارےست از من اندر دہر

چند بایست سینہ سوزی کرد / کہ شد ایں در بآبِ حیواں خورد

پختگاں را اگر نماید خام / ہست پختہ بکامِ من ناکام

ہر کسے را بکارِ خویش ہش ست / کس نگوید کہ نارِ من ترش ست

زنگی ارچہ سیاہ فام بود / نزدِ مادر مہِ تمام بود

گر قبولی ز غیب یارش گشت / سکہ تا محشر استوارش گشت

چوں شد ایں نامہ در زمانہ عزیز / نامِ من زو عزیز گردد نیز

وگر افتد زمیں دلہا دور / خود بماند ز چشمہا مستور

پیشِ بدگوے کوتہ چشم باشد / عیب پوشی ہماں بسم باشد

زیورے را کہ گم شد اندر خاک / کس چہ داند زرست یا خاشاک

گوہرے کاں بدرج روے نہفت / جوہری قیمتش چہ داند گفت

کاش کیں بکر روے پوشیدہ / ماند از چار سوے پوشیدہ

تا بماند بروزگارِ دراز | ناقصاں را بخندہ دنداں باز

شورِ ایشاں زمن رباید خواب | شاں بغیبت گری و من بعذاب

گفته اند آنچنانکه باید گفت | کز پسِ مردہ بد نشاید گفت

آنکه در ما کند بد نگہے | آخر او نیز مردہ خواست گہے

ہر کہ گفت از جفا چو بے ہنراں | بشنود بعدِ مردن از دگراں

گنبدِ پر صدائے خالی ساز | ہرچہ گوئی ہمانت گوید باز

چوں بد و نیک را جزائے ہست | گفته ناگفته را سزائے ہست

گرچه ایں گلشنِ مدوّر کار | ہست در بوستانِ عقبیٰ خار

لیک گر عفوِ[1] کردگار بود | خارِ من جمله لاله زار بود

دارم امیدِ رحمتِ جاوید | چوں تواں گشتن از درش نومید

چوں کند رحمتش مدارائے | چیست حرفِ سیه بدریائے[2]

مایه گر عودی ست دگر بیدی | کفر باشد رضا بنومیدی

چوں امیدم بکف سپردہ عناں | رستم از حربهٔ درک[3] فگناں

ہرچه کردارِ من ز پیش و پس ست | عذرخواہم ہماں امید بس ست

یارب ایں نوعروسِ زیبا را | ق | که برد آب نقشِ دیبا را

---

[1] حیب = عون   [2] یائے عظمت اسے مقابل دریائے عظیم ۱۲

[3] درک بفتحتین طبقه دوزخ ۱۲

جلوهٔ ده بچشمِ دانایان | که دل و دیده را بود شایان
خاص گردانش در دلِ همه کس | هم برین نکته ختم کردم و بس

در شکرگزاری حق تعالیٰ

شکر حق را که از خزانهٔ غیب | ریخت چندان جواهرم در جیب
که ازان نقدِ قیمتی بسہ سال | کردم این پنج گنج مالا مال
درِ هر گنج کش فرو بستم | کیمیائے دگر درو بستم
واندر آنکس که سنجد این گفتار | کیمیائے مرا بوزن و عیار
نیست اندیشه گر بد اندیشے | رگِ بے رنج را زند نیشے
کز علل هر چه دیدم از تشخیر | چیده ام معنوی و لفظی نیز
راست کردم هر آنچه روشن گشت | راست و[1] روشن دل از خطا نگذشت
وآں خطا کا ندر و گماں نرسد | دل ز پوشیدگی بداں نرسد
یک یک این پنج نامه تا پایاں | عرض کردم بچشمِ دانایاں
هر کسے را چنانکه روئے نمود | در دید و نیک گفتگوئے نمود
هر چه بینندہ راست راتم دید | بجوابِ سخن فرا هم دید
وانکه در گفتن از قلم کژ خاست | راست گو چوں نمود کردم راست

---

[1] دل موصوف و راست و روشن صفت ۱۲

زین همہ ناقدانِ نکتہ شناس — ہر کسے زد دمے بوہم وقیاس

لیکن آن کاندرین خزائنِ پُر — مہرِ قلب دور کرد زدُر

نیست الّا کہ آن جہانِ علوم — کہ شدش ہرچہ در جہاں معلوم

آسماں عالمِ زمانش خواند — دہر علّامۂ جہانش خواند

چوں فرو شد درو کمال اندیش — از کمالش فرو شد اندر خویش

بوحنیفہ سراجِ امّت بود — نور افزائے دین وملّت بود

مجتہد در خلافِ نکتہ کشی — مالکِ فقہِ کوفی و فتوی‌شی[۵۱]

بس کہ در علم راست تدبیرست — راستی ہم شہاب وہم تیرست

راستی ساکن اندرو بصواب — راست ہمچوں الف میانِ شہاب

چوں ازو موج زد کلامِ احد — نَفِدَ[۵۲] الْبَحرُ قَبلَ اَنْ تَنْفَدَ

روشن اندر دلِ چو مصباحش — کشفِ کشّاف وفتحِ مفتاحش

رقمِ عنبرینش بر کافور — از برون سو دخان[۵۳] درون سو نور

او شہاب و دل دِتنش زاخبار — نیّرینِ مشارق الانوار

از تمامِ فنون و فضلِ تمام — غیرتِ[۵۴] بحتری و بو تمّام

گاہِ تحریر گر بہ بیتِ عتیق — ق — یافت اشعار تا زبان تعلیق

---

۵۱ مراد از امام ابوحنیفہ وامام شافعی رحمہما ۱۲ — ۵۲ تمام خرچ شود دریا قبل ازاں کہ کلام احد تمام شود ۱۲

۵۳ دخان و نور نام سورہا ے قرآن نیز ہست از کافور مراد صفحات کتاب کہ سفید اند و از رقم عنبرین مراد سواد تحریر ۱۲

۵۴ غیرت بحتری و بو تمام ۱۲

شعرِ او را کہ مطلعِ نورست | جائے تعلیق بیتِ معمورست
موجِ بحرست در عطا رقمش | تیرِ چرخ ست بر خطا[۵۱] قلمش
در تشابہ یقینِ او اعلیٰ ست | در تناسخ درستِ بو اعلیٰ ست
چرخ چوں راست کرد دستارش | بست عزّ الٰہی بہ ستارش
گر کند سوئے آں عمامہ نظر | مشتری را فتد عمامہ ز سر
حکمتش داد از بس افزونی | ملکِ بقراطی و فلاطونی
در الٰہی فنش نہ در حدِ کس | حدِ او ہم الہ داند و بس
در طبیعی شناختہ بتمام | رازِ مولودِ عنصر و اجرام
در ریاضی بیک صریرِ قلم | باز کرد ست گوشِ جذرِ اصم
عقلیش از قیاسِ عقل بروں | نقلیش از مقامِ نقل فزوں
دُرِ مبسوط[۵۲] در یکے مشتش | صد اشارات[۵۳] در ہر انگشتش
ہر چہ در دہر نقشِ دانائی ست | دلِ او را براں توانائی ست
او چو ابرِ کرم بفرقِ جہاں | زیر کاں چوں صدف کشادہ دہاں
نورِ دل چوں بعالم افگندہ | سایہ بر کارِ من ہم افگندہ
من بدو عرض کردہ نامۂ خویش | او باصلاح راندہ خامۂ خویش

---

۵۱ خطا = بے خطا   ۵۲ مبسوط نام کتاب فقہ نیز ۱۲   ۵۳ نام کتاب شیخ بو علی سینا کہ در فنِ حکمت ست ۱۲

دیده هر نکته را رقم بر رقم — رنج بر خود نهاد و منت هم

نظرِ تیز کرده موی شگاف — نے بعمیا نظارهٔ بگزاف

گرچه چون دوستان پسندیده — لیکن از چشمِ دشمنان دیده

دیدهٔ خصم عیب کوش بود — دیدهٔ دوست عیب پوش بود

دید چون دشمنان درین دفتر — تا همه عیب آیدش بنظر

چون همه عیب دید دشمن وار — شست چون دوستانِ آئینه دار

کلکِ او تیرِ راست را بگذاشت — که درین روضه آهوئے نگذاشت

چون شد آهو همه نشانهٔ تیر — چه غم ست از سگانِ آهوگیر

زین دقایق که شد ز مغزش پوست — مو بمو شعر سبز کردهٔ اوست

شمعِ من یافت ضیا از وے — مسِ من گشته کیمیا از وے

هر چه او گفت من نهادم گوش — بر کشیدم مگس ز شربتِ نوش

وآنچه بنمود من نجستم پے — عیبِ آن بر من ست نے بر وے

گر بماند ز نوشته اش جاتے — بے خسے نیست هیچ دریاتے

جز هنر بین ازو نیاساید — عیب جو را ز عیب کم ناید

صد هزار آفرین بر آن دلِ پاک — که برون برد زین چمن خاشاک

آنچه او دید تا[۱] نهایت دید — خس و خارے ز گلشنے برچید

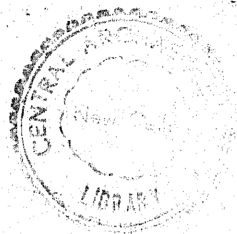
---

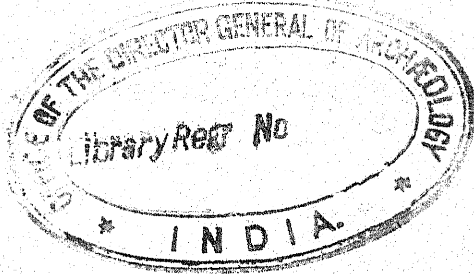
[۱] جیب ـ بے

٢٢٨ + 324 = 552

آنچہ ماند از نظر بہ پردہ نہاں | ہم نہاں دار دش خدائے جہاں
یارب او چوں ز پیچ نامۂ من ق | بردہ بیروں خطائے خامۂ من
نامۂ او کہ حرزِ جانش باد | در قیامت خطِ امانش باد

بالخیر مسیحی





65

HASHT-BAHISHT

of Amir Khusro

ed by

~~Syed~~ Suleman Ashraf.

Aligarh College Press

Aligarh, 1918